

شَيْعَةُ مَذْهَبُ

المعروف

تحفة صغرى

جلد سوم

محقق اسلام شیخ الحدیث الحاج علامہ

محمد علی

ثانی: جامعہ رسولیہ شیرازہ

مکتبہ نورانیہ حسینیہ
جامعہ رسولیہ شیرازیہ بلال گنج لاہور

جامعہ رسولیہ شیرازیہ ہلال گنج لاہور



شیعہ مذہب

تَحْيَا لِقَوْمٍ مِنْ رَبِّكَ أَصْحَابُ نَقْدٍ كَفَرُوا

جلد دوم

باب اول ، صدیق اکبر پر کیے گئے شیعہ اعتراضات کی تردید
 باب دوم ، فاروق اعظم پر کیے گئے شیعہ الزامات کا منہ توڑ جواب ،
 باب سوم ، حضرت عیسیٰ کی بارگاہ میں گستاخیوں کا جواب ،
 باب چہارم ، عثمان غنی کی شان میں کی گئی سب او بیوں کا قطع مفتح
 باب پنجم ، سیدہ عائشہ صدیقہ پر لگائے گئے الزامات کی تردید
 باب ششم ، حضرت طلحہ و زبیرؓ پر مطاعن کا جواب
 باب ہفتم ، حضرت امیر معاویہؓ پر لگائے گئے الزامات کا تفصیلی جواب

تألیف منظر اللام علامہ مولانا محمد علی
 ناشر ، مکتبہ نور محمدیہ جامعہ رسولیہ شیلڈیلہ بال گنج لاہور
 و اہمیت کار ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

مصنف ----- حضرت علامہ مولانا محمد علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کتاب ----- شیعہ مذہب المعروف تحفہ جعفریہ (جلد سوم)

کاتب ----- محمد صدیق حضرت کیلیا نوالہ شریف ضلع گوجرانوالہ

سن طباعت ----- مئی 2011ء

زیر اہتمام ----- میاں محمد رضا

پروف ریڈر ----- مولانا حافظ محمد صابر علی صاحب (ایم۔ اے) خطیب جامع مسجد شالامہ دکن

ناشر

مکتبہ نوریہ حسنیہ

جامعہ رسولیہ شیرازیہ، بلال سٹیج لاہور

شان صحابہؓ اور ردِ شیعہ پر تین عظیم الشان اور بے مثال تحقیقی شاہکار کتب

محقق اسلام قاطع رخص و بدعت مناظر اسلام علامہ الحاج

محمد علیؒ علیہ الرحمہ بانی جامعہ رسولیہ شیرازیہ
بلال کنجہ لاہور

تحفہ جعفریہ
جلد ۵

تالیفات

فقہ جعفریہ
جلد ۳

خصوصیات

عقائد جعفریہ
جلد ۴

عقائد

■ انداز بیان نہایت سادہ، آسان، علماء و عوام کیلئے یکساں مفید۔
■ ردِ شیعہ پر اتنی جامع، مفصل اور محققانہ تحریر قلم ازیں وجود میں نہیں آئی۔
■ تمام کتب میں استدلال صرف اور صرف قرآن حکیم اور کتب شیعہ سے کیا گیا ہے۔
■ ان کتب کے بعد اس موضوع پر کسی دوسری کتاب کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔
■ تینوں کتب محققین و مناظرین کیلئے معمول خزان اور گستاخان صحابہ کیلئے تازیانہ عبرت ہیں۔
■ بنظر انصاف مطالعہ کرنے والا ہر شیعہ اپنے عقیدہ پر نظر ثانی کیلئے مجبور ہو جائے گا۔

چیدہ چیدہ مضامین درج ذیل ہیں

مسئلہ خلافت، فضائل صحابہ کرام، خصوصاً خلفائے ثلاثہ، اہمیت المؤمنین، امیر معاویہ از کتب
شیعہ صحابہ و اہل بیت کے خاندانی خوہگوار تعلقات، صحابہ کرام پر کئے گئے اعتراضات کے
درد ان شکن جوابات، پارغ فذک، حدیث قرطاس، اہل سنت کی طرف غلط طور پر منسوب
کتب پر تحقیقی و علمی مباحث، خلافت عثمان غنی کے متعلق اقرباء پروری کی تردید، جنگ جمل
اور مصقین، بنات رسول، جنازہ رسول، نکاح ام کلثوم

تحفہ جعفریہ

خدا اور رسول ﷺ اور آخر اہل بیت کی شان میں اہل تشیع کی سب ادبیات اور گستاخیاں،
قائم الامام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کون تھے، نام نہاد صحابان اہل بیت پر آخر اہل
بیت کی لعنت و چیلکار بارہ اماموں کے متعلق شیعہ عقائد اور ان کا رد، مسئلہ امامت، مسئلہ
تحریف قرآن، مسئلہ نفیہ، قائم الامام کا حشر، امیر معاویہ پر لعن طعن کرنے والے سنی فضا
مولویوں اور بیروں کا محاسبہ

فقہ جعفریہ

شان امام اعظم ابو حنیفہ اور فقہ حنفی پر شیعوں کے قدام اعتراضات کے مدلل جوابات، مکرم
اسلام، اذان، وضو، نماز، نماز جنازہ وغیرہ کا بیان، مسئلہ حد، مسئلہ ھاتم، فقہ جعفریہ کے احکام
اور کتب شیعہ سے ان کا رد، فقہ جعفریہ کے ناممکن العمل ہونے پر دلیل

عقائد جعفریہ

جامعہ رسولیہ شیرازیہ رضویہ

بلال کنجہ لاہور فون: 042-7227228

مکتبہ نوریہ حسنیہ

قطعة تاریخ تحفہ جعفریہ جلد سوم

حضرت علامہ حکیم سید گل حسین شاہ کاظمی مفتی دارالعلوم رضویہ
غوثیہ تدریس القرآن جھوکر کلاں (گجرات)

جزو ثلث چھپ گئی روئے فاضل میں کتاب
اہل باطل کی نگاہ تو حق کو باطل جان سے
اس زبروں عالی میں شیعہ پر نہیں اُسوں ہے
وہ اصل اندر عداوت ہے نبی و آل سے
اُگے اُن کے مکائد و برو اہل جہاں
خوب کی باغ فدک کے غضب کی تحقیق ہے
مادۂ تاریخ میں گل کو فلا نطف غفور۔۔
اے خدا ہم عاصیوں کا چرہ سلوات و سلام

دشمن اصحاب مرسل ہو گئے سب لاجواب
نزد عاقل مشتبہ ہوتا جہیں آب و سراب
ان کے کوا سات نے تو کرو یا دیں کو خراب
ہے فرع اُس کی مطامن واللہ اعلم بالصواب
مثلی انہی اپنے اندر رکھا ہے ہیں بیچ و تاب
اور بھی کافی مطامن جن کا کھانا ہے جواب
شکر اللہ ہو گیا تحریر میں وہ کامیاب،
مرسل و آل صحابہ پر ہوتا یوم الحساب

الانتساب

میں اپنی اس ناچیز تالیف کو قدوة السالکین حجة الواصلین
 پیری و مرشدی حضرت قبلہ خواجہ سید نور الحسن شاہ صاحب رحمۃ
 اللہ علیہ سرکار کیلیا نوالہ شریف اور نگہدار ناموس اصحاب رسول
 محبت اولاد قبول سپر طریقت راہبر شریعت حضرت قبلہ
 پیر سید محمد باقر علی شاہ صاحب زریب سجادہ کیلیا نوالہ شریف
 کی ذات گرامی سے منسوب کرتا ہوں جن کے روحانی تصرف
 نے ہر شکل مقام پر میری مدد فرمائی۔

ان کے طفیل اللہ میری یہ سعی مقبول و مفید اور میرے لیے
 ذریعہ نجات بنائے۔ آمین :

احقر العباد

محمد علی مسعود

الْإِهْدَاءُ

میں اپنی یہ ناچیز تالیف زبدۃ العارفین، حجتہ الکاملین، مہربان
 مہمانانِ رحمۃ للعالمین حضرت قبلہ مولانا فضل الرحمن صاحب
 ساکن مدینہ منورہ، خلف الرشید شیخ العرب العجم حضرت
 قبلہ مولانا ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدفون جنت البقیع
 (مدینہ طیبہ) خلیفہ اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مولانا احمد رضا
 خان صاحب فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت عالیہ میں
 ہدیہ عقیدت پیش کرتا ہوں جن کی دُعا سے فقیر نے اس
 کتاب کی تحریر کا آغاز کیا۔

ج۔ گر قبول افتد نہ ہے عز و شرف

مُحَمَّد عَلٰی

فہرست مضامین

تحفہ جعفریہ جلد سوم

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۳۶	باب اول	۱
۳۹	بحث فدک کا مقدمہ	۲
۴۱	بحث فدک میں شیعوں کا عقیدہ	۳
۴۲	بحث فدک میں اہل سنت کا عقیدہ اور شان صحابہ از کتب شیعہ	۴
۴۳	فصل اول باغ فدک کی تحقیقی بحث	۵
۴۴	ہستی فدک کی جغرافیائی حدود	۶
۴۵	باغ فدک کیا تھا اور اس کے مصارف و ورینوی میں کیا تھے۔	۷
۴۹	باغ فدک کی حدود و اربعہ کے بارے میں شیعہ روایات پر تنقیدی نظر	۸
۵۳	شیعوں سے اہل سنت کا ایک سوال	۹
۵۵	شیعی عقیدہ میں نبی کریمؐ نے سیدہ فاطمہؑ کو باغ فدک کے علاوہ سات باغوں بھی دیئے تھے۔	۱۰
۵۵	نبی علیہ السلام پر مسلمانوں کے مال سے کینیہ پروری کا الزام	۱۱
۵۷	عہد رسالت میں مسلمانوں کی تنگدستی کا عالم۔ بحوالہ قرآن	۱۲

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۵۹	اہل بیت رسول کو اللہ نے دنیاوی مال و دولت سے منع فرمایا ہے۔ بحوالہ قرآن	۱۳
۶۰	مقام غور۔	۱۴
۶۲	باغ فدک سے متعلق شیعہ روایات میں ذکر کردہ آیت آت ذالقرنی کا مطلق شان نزول۔	۱۵
۶۳	شیعوں کی ایک گپ، کہ ابو بکر نے سیدہ فاطمہ کو باغ فدک کی ملکیت کا پروانہ لکھ دیا تھا جو عمر نے حسین کو پھاڑ ڈالا	۱۶
۶۳	مذکورہ گپ کا جواب قبر، کہ بقول شیعہ کتب صدیقی فیصلے سے سیدہ فاطمہ راضی ہو گئیں تھیں۔	۱۷
۶۶	مذکورہ گپ کا جواب نمبر ۲، کہ بقول شیعہ کتب ہمد فاروقی عدل و انصاف کا عالم	۱۸
۶۸	فدک کا مطالبہ کرنا سیدہ فاطمہ کی عصمت کے خلاف تھا، معتبر شیعہ مؤرخ	۱۹
فصل دوم		
۷۱	مال فنی کی تعریف اور اس کا حکم قرآن اور اقوال ائمہ سے	۲۰
۷۷	باغ فدک مال فنی نہیں سے تھا۔ معتبر شیعہ کتب کا بیان	۲۱
۸۴	فدک کے متعلق سیدہ فاطمہ کی خدمت میں صدیقی اکبرؒ کی گزارش، شیعہ کتب کی زبانی	۲۲
فصل سوم		
۸۷	باغ فدک نہ ملنے پر سیدہ فاطمہؓ کی علیحدہ وقت صدیقی اکبرؒ سے ناراضگی کی تحقیق	

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۹۱	غیبتِ فاطمہؑ کے الفاظ والی سنی روایات، روایات بالمعنی ہیں۔ اس کے دلائل۔	۲۴
۹۲	سیدہ فاطمہؑ کی ناراضگی والی سنی روایات کی تفصیل	۲۵
۱۰۱	خلاصہ مذکورہ روایات کے سادہ فوائد	۲۷
۱۰۴	ایک غلط فہمی کا ازالہ	۲۷
۱۰۷	ایک تحقیقی مقالہ	۲۸
فصل		
۱۰۷	کیا نبوت رسولؐ کی ناراضگی خلافت کے استحقاق پر اثر انداز ہو سکتی ہے؟	۲۹
۱۰۸	ابو جہل کی لڑکی سے حضرت علیؑ نے نکاح کرنا چاہا تو سیدہ فاطمہؑ ان سے ناراض ہو گئیں۔ بحوالہ شیعوہ کتب	۳۰
۱۰۹	حضرت علیؑ نے اپنا باغ عہدہ کیا تو سیدہ فاطمہؑ نے انہیں غصے سے مارا۔ (معاذ اللہ) بحوالہ شیعوہ کتب	۳۱
۱۱۲	حضرت علیؑ سے عقد ہونے پر سیدہ فاطمہؑ غم و غصہ سے رو پڑیں۔ بحوالہ شیعوہ کتب	۳۲
۱۱۳	لمحہ فکر یہ	۳۳
۱۱۴	حضرت علیؑ کے جائز فعل پر سیدہ ان سے ناراض ہو کر میکے چلی گئیں	۳۴
فصل		
۱۱۵	بانہ فک کے ہمبر کی سنی روایات اور ان کی تحقیق	۳۵

صفحہ	مضامین	صفحہ
۱۱۷	فدک کے متعلق شیعوں کے دو متضاد دعوے	۳۷
۱۱۷	سنی روایات کا راوی ابو سعید کون ہے۔	۳۷
۱۱۸	ان روایات کا ایک راوی مہس شیعہ ہے۔ بحوالہ معتبر کتب رجال	۳۸
۱۲۷	شیعوں کی ایک دھوکہ دہی کی حقیقت	۳۹
۱۵۰	اہل سنت کا ایک سوال اگر فدک سیدہ فاطمہؓ کے لیے ہبہ تھا تو پھر میراث کا دعویٰ کیوں ہے۔	۴۰

فصل انبیاء کی مالی میراث نہیں ہوتی۔ شیعہ کتب کی تحقیق

۵۶	مسئلہ میراث انبیاء میں شیعوں کے اعترافات امدان کے جوابات	۴۱
۵۷	اعتراف قبراء آیات میراث اور جوابات	۴۲
۵۹	اعتراف قبراء سلیمان علیہ السلام وادو علیہ السلام کے وارث بنے	۴۲
۱۶۰	جواب۔ جناب سلیمان کو علی میراث ملی۔ بحوالہ معتبر شیعہ کتب	۴۵
۱۶۴	اہل سنت کا سوال۔ علی مرتضیٰؑ نے اپنے دور خلافت میں باغ فدک پر کیوں نہ لیا۔	۴۷
۱۶۶	شیعوں کی طرف سے مذکورہ سوال کے لایعنی جوابات کی تفصیل	۴۷
۱۷۱	نمود شیعہ کتب سے شیعہ جوابات کی تردید	۴۸
۱۸۲	بقول ائمہ اہل بیت اہل سنت ہی حقیقتاً مہمان اہل بیت ہیں۔	۴۹
۱۸۳	اہل بیت کے حق میں شیعوں کی گستاخیاں۔ اور ان کی سزا میں۔	۵۰
۸۴	مرتے دم شیعوں کے منہ سے منی نکلتی ہے۔ بحوالہ شیعہ کتب	۵۱

صفحہ	مضامین	قبر شمار
۱۸۵	قبر میں شیعوں کا منہ قبلہ سے پھیر دیا جاتا ہے	۵۲
۱۸۷	سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے راضی تھیں	۵۳
۱۸۸		
۱۹۳	اس بارہ میں روایات اہل سنت	۵۴
۱۹۳	اس بارہ میں روایات اہل شیعہ	۵۵
۱۹۳	باغ فدک کے متعلق صدیقی فیصلہ عمل رسول کے عین مطابق تھا۔ بحوالہ شیعہ کتب	۵۶
۱۹۵	ابو بکر کے دلائل سن کر سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان سے راضی ہو گئیں۔ بحوالہ شیعہ کتب	۵۷
۱۹۸	امام زید ابن علی نے صدیقی فیصلہ کو اپنا فیصلہ قرار دیا	۵۸
۲۰۱	امام باقر نے فرمایا صدیق اکبر نے فدک کے بارے میں ہم پر راضی ہو کر ظلم نہیں کیا۔ بحوالہ شیعہ کتب	۵۹
۲۰۳	حضرت علیؓ نے اپنے دور خلافت میں بھی فدک کے متعلق صدیقی فیصلے کی مخالفت جاگز نہ سمجھتے تھے۔	۶۰
۲۰۵	حضرت علیؓ نے فرمایا باغ فدک کے متعلق شیعوں کی مخالفت مجھے اللہ سے حیار آتی ہے۔	۶۱
۲۱۰	مذکورہ شیعہ روایات سے حاصل ہونے والے فوائد	۶۲
۲۱۳	شیعہ راویوں نے صحابہ اور اہل بیت میں نفرت اور عداوت کے قصے ان خود بنائے اور امام باقر رضی اللہ عنہ نے ان پر لعنت کی ایک اعتراض اور اس کا جواب	۶۳

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۲۱۹	بہتانِ فدک کے چار ستون اور ان کا استقاط	۴۵
	فصل	۴۶
۲۲۲	سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جنازہ میں شیخین کی عدم شمولیت کے طعن کا جواب	۴۷
۲۲۵	شیخین کو جنازہ فاطمہ کی اطلاع نہ ہونا وہ وجہ سے باطل ہے۔ بقول شیعہ کتب	۴۸
۲۲۸	وفات سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پر لوگوں کی چیخ و پکار سے مرینہ طیبہ میں زلزلہ آگیا	۴۹
۲۳۲	ابو بکر صدیق رحمہ اور عمر فاروق رحمہ تعزیت کے لیے حضرت علی رحمہ کے پاس آئے بحوالہ معتبر شیعہ کتب	۵۰
۲۳۳	حضرت صدیق اکبر رحمہ کی بیوی نے سیدہ فاطمہ رحمہ کو غسل دیا اور کفن پہنایا۔ بحوالہ شیعہ کتب	۵۱
۲۳۷	بقول شیعہ کتب سیدہ فاطمہ رحمہ کا جنازہ صرف سات آدمیوں نے پڑھا جن میں جعفر طیار، امام حسن و حسین اور حضرت عباس وغیرہم بھی شامل ہیں۔	۵۲
	ایک تحقیقی بحث	
۲۳۹	امامت صلوة کے لیے اسلامی قانون شیعہ کتب کے ائمہ میں	۵۳
۲۴۳	اسلامی قانون کے مطابق سیدہ فاطمہ رحمہ کے جنازہ کی امامت کے سبب زیادہ حق دار ابو بکر صدیق رحمہ تھے۔	

صفحہ	مضامین	قبر شمار
۲۴۴	سیدہ فاطمہؓ کا جنازہ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھایا۔ بحوالہ معتبر کتب اہل سنت	۷۴
۲۴۴	امام حسینؑ نے سنت پر عمل کرتے ہوئے امام حسن اور سیدہ ام کلثومؓ کا جنازہ حاکم وقت سے پڑھوایا۔ بحوالہ معتبر شیعہ کتب	۷۵
۲۵۰	شیعہ کتب سے سیدنا صدیق اکبرؓ کی اہل بیت سے محبت و عقیدت کے حوالہ جات	۷۶
۲۵۰	حوالہ نمبر ۱۷۱ آپ نے اپنا سب کچھ سیدہ کی خدمت میں پیش کر میٹھ کی درخواست کی	۷۷
۲۵۲	حوالہ نمبر ۲۰۱۔ بحوالہ معتبر کتب شیعہ	۷۸
۲۵۴	حوالہ نمبر ۲۰۱۔ صدیق اکبرؓ کا امام حسن سے وابہ نہ ہونا	۷۹
۲۵۶	حضرت صدیق اکبرؓ پر اہل بیت کے اعتماد اور یقین پر شیعہ کتب کے حوالہ جات	۸۰
۲۵۷	حوالہ نمبر ۲۰۲: اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ ہجرت میں صدیقؓ کو ساتھ ہی بنائیں۔	۸۱
۲۶۱	حوالہ نمبر ۲۰۳۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری وقت تمام وصیتیں ابو بکر صدیق سے کہیں۔	۸۲
۲۶۴	منصب فدک اور نازشکی فاطمہؓ کے متعلق یہ یہ طریقیت حضرت قبلہؓ پر سید محمد باقر علی شاہ صاحب سجادہ شین اُستانہ عالیہ حضرت کیدیا نواز شریف کا بیان	۸۳
۲۷۰	طعن دوم ابو بکر صدیق رحمہ کا میدان احد سے بھاگ	۸۴

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۲۷۱	جنگ احد سے افراتفری میں بھاگنے والے صحابہ کو اللہ نے معاف کر دیا۔ بحوالہ قرآن و معتبر شیعہ تفسیر	۸۳
۲۷۳	تیرہ صحابہ تا دم آخر احد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ڈٹے رہے جن میں سرفہرست ابو بکر صدیقؓ ہیں۔ متعدد شیعہ حوالہ جات	۸۴
۲۷۸	بدری صحابہ جنتی ہو چکے جن میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سرفہرست ہیں بحوالہ شیعہ کتب	۸۵
۲۸۳	طعن سوم صدیق اکبرؓ سے سورہ برأت کے اعلان کا اعتیاد واپس لے کر حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کو دیا گیا	۸۶
۲۸۴	ترمذی شریعت کی حدیث نقل کرنے میں شیعوں کی خیانت	۸۷
۲۸۶	اس واقعہ کی حقیقی صورت حال معتبر کتب اہل سنت کی زبانی	۸۸
۲۹۱	ابو بکر صدیقؓ نے بحیثیت امیر الحجاج اعلان سورہ برأت میں ابو ہریرہ کو حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کا معاون بنایا۔	۸۹
۹۲	ایک تنبیہ	۹۰
۲۹۳	کھلا چیلنج اور بیس ہزار روپے کا انعام	۹۱
۲۹۷	حضرت علیؓ نے صدیق اکبرؓ کی زیر سرپرستی اعلان بُرکت کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صدیق اکبرؓ کو امیر الحجاج ہی بنایا تھا۔ اعلان بُرأت سونپا ہی نہ تھا۔	۹۲

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۲۹۷	قول امام باقرؑ نبی علیہ السلام نے صدیق اکبرؓ کو امیر الحج ہی بنایا تھا اعلان برادرت کو نہ تھا۔	۹۳
۳۲۵	باب دوم عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر کیے گئے مطاعن -----	۹۴
۳۲۵	طعن اول امیر رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایتونی بقراطس کی معافیت کی۔	۹۵
۳۳۴	یہ ایک لغو الزام ہے۔ عقلی دلائل کی روشنی میں	۹۶
۳۳۶	معافیت تو یہ بھی تھی۔ جو حضرت علیؑ نے مقام حدیبیہ پر کی۔	۹۷
۳۳۸	ایک گستاخانہ جملہ۔ کہ امی بیت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ڈر سے تکلم دوات نہ لاسکے۔	۹۸
۳۳۸	اس جملہ کا جواب۔ کہ حدیث قراطس کے بعد بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ انہما خدمت نبوتی میں موجود رہے۔ بحوالہ شیعہ کتب	۹۹
۳۴۱	عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر خدمت نبوی میں شور و غل کرنے کے الزام کا جواب	۱۰۰
۳۴۲	حضرت عمرؓ نے نبی کریمؐ علیہ السلام کو اعلان خلافت علی سے روکا نہیں بلکہ حضرت علیؑ کے سوال کرنے پر بھی نبی کریمؐ علیہ السلام نے انہیں صاف جواب دے دیا۔ بحوالہ معتبر شیعہ کتب۔	۱۰۱

طعن دوم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضہ کو زندہ جلا دینے
کی دھمکی دی

۱۰۲

۱۰۳ مذکورہ طعن کے جوابات اور تاریخ طبری کی اصل عبارت۔

۱۰۴ ایک جیل اور اس کا جواب۔

۱۰۵ فاروق اعظم کی خاتون جنت سے عقیدت: بحوالہ حق ایتھین۔

۱۰۶ طبری کی روایت ازروئے سند قابل حجت نہیں۔ اور اس کے راویوں
پر بحث۔

باب سوم

شینین (صدیق رضہ و فاروق رضہ) پر کیے گئے مشترکہ مظالم

۱۰۷

طعن اقل

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے باوجود شینین نے حبش اسائر
میں شرکت نہ کی

۱۰۸

۱۰۹ مذکورہ طعن کے جوابات

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۳۷۱	شاہ عبد العزیز کی زبانی مذکورہ واقعہ کی اصل حقیقت	۱۱۰
۳۷۱	شاہ صاحب کی کلام سے حاصل ہونے والے تین امور	۱۱۱
۳۷۳	مذکورہ امور کی تفسیر شیعہ کتب سے	۱۱۲
۳۷۳	سنا ئید امر اول - شیخین لشکر اسلام میں شریک تھے۔ بحوالہ شیعہ کتب	۱۱۳
۳۷۳	حضرت اسلام علیہ السلام کے لشکر میں دوڑ کر شرکت کرنے والے شیخین تھے۔	۱۱۴
۳۷۱	سنا ئید امر دوم :	۱۱۵
۳۷۳	سنا ئید امر سوم : خلیفہ مقرر ہونے پر صدیق اکبرؓ نے مذکورہ لشکر پوری سختی سے	۱۱۶
	رواد کر کیا۔ بحوالہ شیعہ کتب	
۳۷۴	جاو وہ جو سرچڑھ کر بوسے	۱۱۷
۳۷۷	صاحب حیات القلوب طاہر مجلسی کی اختراع	۱۱۸
۳۷۷	میش اسلام میں شرک کرنے والوں پر لعنت کی تحقیق	۱۱۹
۳۷۸	صاحب الملل والنمل - خود اسماعیلی تھا۔	۱۲۰
۳۸۰	طعن دوم	
	حضرت علی رضی اللہ عنہ شیخین کو خائن اور دھوکہ باز کہتے تھے	۱۲۱
۳۸۲	مذکورہ طعن کا جواب اول - اور مسلم شریف کی مکمل عبارت	۱۲۲
۳۸۹	قاعدہ لعنت عرب - خطاب دو یا زیادہ افراد سے لیکن ان میں سے ایک	۱۲۳
۳۹۰	جواب دوم	۱۲۴

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۱	جواب سوم، اندر طریقت شیخین رضی اللہ عنہما کو امام عادل کہتے تھے۔ بحوالہ شیعہ کتب	۱۲۵
۴	جواب چہارم، اور کھلا چیلنج	۱۲۶
۵	طعن سوم شیخین اگر واقعہ لائق خلافت ہوتے تو نبی کریم علیہ السلام انہیں عمر بن العاص کی ماتحتی میں جہاد پر نہ بھیجتے	۱۲۷
۱۶	مذکورہ طعن کا جواب اول	۱۲۸
۱۷	جواب دوم، عمرو بن العاص اور اسامہ بن زید کو سپہ سالار بنانے میں جزوی مصلحت تھی۔	۱۲۹
۱۹	جواب سوم، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ماتحتی بھی بعض واقعات میں ثابت ہے۔	۱۳۰
۲۰	جواب چہارم، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خوشنودی بحوالہ شیعہ کتب	۱۳۱

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۴۰۴	باب چہارم عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کیے گئے شیعہ مطالبات	۱۳۲
۴۰۴	طعن اول مروان بن حکم کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ سے نکالا مگر عثمان نے اپنی خلافت میں اسے واپس بلایا	۱۳۳
۴۰۴	جواب اول :- نبی علیہ السلام کے انتقال کے وقت مروان کی عمر آٹھ تو سال تھی ۔ بحوالہ شیعہ کتب	۱۳۴
۴۰۷	جواب دوم :- مروان کے باپ کو بھی نبی علیہ السلام نے ہمیں نکالا	۱۳۵
۴۱۰	جواب سوم :- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معاف کر دینے کا حکم شیعوں کو منظور نہیں ۔	۱۳۶
۴۱۵	جواب چہارم :- حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مروان کو معاف کر دیا ۔ بحوالہ شیعہ کتب	۱۳۷
۴۱۷	جواب پنجم :- حسنین کریمین نے مروان کے پیچھے نمازیں پڑھیں ۔	۱۳۸
۴۱۹	جواب ششم :- مروان نے حضرت علیؑ کی مٹی کی نماز جنازہ پڑھائی ۔ بحوالہ شیعہ کتب	۱۳۹
۴۲۱	باب پنجم ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر کیے گئے مطالبات	۱۴۰

طعن اول

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پردہ کی آیات کی مخالفت کی

۱۴۱

۱۴۱ جواب اول :- قرآن نے عورتوں کو گھروں سے صرف بے پردہ نکلنے سے روکا ہے۔

۱۴۲ جواب دوم :- حضور صلی اللہ علیہ وسلم روایتی سفر کے وقت اپنی ازواج میں قرعہ ڈالتے۔

۱۴۳ جواب سوم :- خاتون جنت رضی اللہ عنہا کو در بدر پھیرا گیا تھا۔
بوالشعیرہ کتب

۱۴۵ لمحہ فکریہ :-

طعن دوم

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے خلیفہ برحق سے بغاوت کی

۱۴۶

۱۴۷ جواب :- حضرت علی المرتضیٰ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا باہمی حسن سلوک۔ از کتب شیعہ

۱۴۸ جنگ جمل کے مقتولین کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اظہار خیال۔ از شیعہ کتب

۱۴۹ شہادت عثمان غنی رضی اللہ عنہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ملوث نہ تھے۔

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۴۵۸	طعن سوم سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے امام حسن کو روضہ رسول میں دفن نہ ہونے دیا اور لاش پر تیر پھینکے.....	۱۵۰
۴۵۸	جواب :- جنازہ امام حسن رحمہ کو سیدہ عائشہ نے نہیں بلکہ بنی امیہ نے روکا تھا۔	۱۵۱
۴۶۰	مذکورہ حقیقت پر دونوں فریق شیعہ سنی کتب سے حواہیات۔	۱۵۲
۴۶۳	باب ششم سیدہ عائشہ و طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر کیے گئے مظالم	۱۵۳
۴۶۳	طعن اول جنگ جمل کا تاریخی پس منظر	۱۵۴
۴۸۵	جنگ جمل کے واقعات کا خلاصہ از الاخبار الطوال	۱۵۵
۴۸۱	امام حسنؑ نے جنگ سے پہلے تین باتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہیں حضرت علیؑ کی طرف سے تیغوں کے حواہیات صلح کے بعد یہ جنگ قاتلانہ عثمان کی شرانگیزی کے سبب بلا بارادہ چھیڑ گئی تھی۔ بحوالہ کتب اہل سنت	۱۵۶

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۴۸۲	شیعہ تاریخ سے اس کی تائید !	۱۵۷
۴۹۲	جنگ جمل میں سیدہ عائشہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کی شمولیت اجتہاد کی خطا کی وجہ سے تھی۔ بحوالہ شیعہ کتب۔	۱۵۸
۵۰۴	شہادت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما پر حضرت علیؑ کا غم اور اظہار عقیدت بحوالہ شیعہ کتب	۱۵۹
۵۱۱	حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما جنتی ہیں۔	۱۶۰
۵۱۲	باب ہفتم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر کیے گئے شیعہ مظالم	۱۶۱
۵۱۴	طعن اول (جنگ صفین) امام برحق حضرت علیؑ کا کرم اللہ وجہہ سے جنگ کرنے کی وجہ سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ باغی ٹھہرے	۱۶۲
۵۱۶	جنگ صفین کا پس منظر از کتب شیعہ	۱۶۳
۵۲۳	اغتناء عرب میں دروغی، کا استعمال لفظ نبی قرآنی آیات میں	۱۶۴
۵۳۵	جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے رفقاء کے متعلق آئمہ اہل بیت کے ارشادات جنگ صفین کے اقتداء پر حضرت علیؑ کا وہ فیصلہ جو آپ نے امیر معاویہ اور ان کے رفقاء کے متعلق ممالک اسلامیہ کو روانہ کیا۔	۱۶۵

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۵۳۶	لحمہ فکریہ	۱۵۷
۵۳۹	جنگ صفین کے شرکار کے متعلق اہل سنت کا مسلک	۱۵۸
۵۴۴	طعن دوم حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کی وجہ سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نص قطعی کے مطابق باغی ہیں۔	۱۵۹
۵۴۵	جواب :- ایسی حدیث کے دلوںی کذاب ہیں۔	۱۶۰
۵۵۳	لحمہ فکریہ۔	۱۶۱
۵۵۵	آخری گزارش۔	۱۶۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تقدیم

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو امام الانبیاء و خاتم المرسلین بنا کر دنیا میں مبعوث فرمایا اور آپ کے صدقے سے تعزلات میں گری ہوئی گمراہ انسانیت کو اونٹنوں کی بندیلوں تک پہنچا دیا اور آپ کو ایسے سچے اور مخلص ساتھی عطا فرمادیئے جنہوں نے آپ کی حیاتِ ظاہرہ کے بعد آپ کے مشن اور آپ کے دین کو اپنی سخت ترین کوششوں سے مضبوط سے مضبوط تر کر دیا۔ یہ وہ مخمیینِ اسلام و انسانیت شخصیات ہیں جنہیں صحابہ یا اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہا جاتا ہے۔ جن میں سرفہرست ابو بکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم کی ذواتِ مقدسہ ہیں جنہوں نے نبی علیہ السلام کے بعد زمام اقتدارِ بنیہنِ عالی اور نیابتِ رسول اور خلافتِ اسلامیہ کی ذمہ داریاں اس خوبی سے نبھائیں کہ پوری تاریخِ اسلام میں ان کا دور سب سے زیادہ درخشاں و تابندہ ہے۔

مگر شیعہ فرقہ کا باطل خیال یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کے بعد خلافت و حکومت صرف اور صرف حضرت علی کا حق تھا اور آپ کے بعد آپ کی اولاد کا جو صدیقی اکبر عمر فاروق اور عثمان غنی نے ان سے چھین لیا اور اکثر صحابہ نے ان کی مدد کی اور انہیں ناجائز حکومت قائم کرنے میں مدد دی۔

پہنانچہ اسی باطل خیال کی بنا پر وہ صحابہ کرام خصوصاً خلفاء ثلاثہ کی سیرت کو ہمیشہ بے بنیاد الزامات و مطالبات سے داغدار کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

چنانچہ ابو بکر صدیقؓ پر الزام لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مالی طور پر رپست کرنے کے لیے ان سے باغ فدک چھین لیا۔ عمر فاروقؓ پر الزام ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بوقت وصال اس مقصد کے لیے کاغذ قلم منگوایا کہ حضرت علیؓ کے لیے خلافت کا بلا شرکت بغیر سے استحقاق رکھ جائیں مگر عمرؓ نے آپؐ کو روک دیا اور اس طرح گستاخی کے مرتکب ہوئے (معاذ اللہ) اسی طرح دیگر صحابہ کرامؓ پر طرح طرح کے مظالم نامہ سے جاتے ہیں۔

ان مظالم کے تفصیلی جوابات تو آپؐ آئندہ ابواب میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ مگر حیرت ہے۔ شیعوں نے فرقہ پرکرم صحابہ کبار کی فداست مطہرہ پر انہیں الزامات لگانے کی جرأت اور ہمت کیسے ہوتی ہے۔

کیونکہ اللہ نے اپنے اذلی وابدی کلام قرآن مجید میں امام الانبیاء حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی احادیث میں اور ائمہ اہل بیت نے اپنے ارشادات میں صحابہ کرامؓ کی بے مثال عظمت کو مظالم سے بالاتر کر دیا ہے۔ اختصاراً چند نمونے پیش خدمت ہیں ملاحظہ ہوں۔

عظمت صحابہ قرآنی آیات میں

تمام مہاجرین و انصار کے لیے بخشش ہے:-

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا
فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا
أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَوَسِّلُونَ حَقًّا لَهُمْ مَغْفِرَةٌ

وَسِرَازُكَ كَرِيمٌ۔

(پارہ نمبر ۱ سورہ انفال رکوع نمبر ۹)

ترجمہ:-

جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور راہِ خلیل میں جہاد کیا اور جنہوں نے ان کی مدد کی اور پناہ دی یہی سچے مومن ہیں ان کے لیے بخشش ہے اور عزت والارزق۔

(مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم اللہ کے ہاں صادقین ہیں ۱-)

لِلْمُقَرَّرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ
دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ
اللَّهِ وَيَرْضَوْنَآ وَ يَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ
هُمْ الصَّادِقُونَ۔

(پارہ نمبر ۲۸ سورہ حشر رکوع نمبر ۴)

ترجمہ:-

ان تاوارِ مہاجرین کے لیے جنہیں ان کے گھروں اور مالوں سے نکال دیا گیا وہ اللہ کا فضل اور رضا چاہتے ہیں۔ اور اللہ اور رسول کی مدد کرتے ہیں۔ وہی سچے ہیں۔

راہ خدا میں ہجرت کی تکالیف اٹھانے والے صحابہ کی خطائیں

معاف ہیں اور وہ جنتی ہیں :—

هَٰلَٰذِیْنَ هَاجَرُوا وَآخَرِجُوا مِنْ دِیَارِهِمْ وَ
أُوذُوا فِی سَبِيلِیْ وَقَاتَلُوا وَقَاتَلُوا لِیْ کَثِیْرًا
عَنْهُمْ مَسَیْمَاتٍ لَّهُمْ وَلَا تُخِیْلُهُمْ جَنَٰتٍ تَجْرِی
مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ
عِنْدَہٗ حَسَنُ الثَّوَابِ ۔

(سورہ آل عمران آیت ۱۹۵۔ پارہ ۲)

ترجمہ :-

تو جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکلے اور میرے راہ میں
ستائے گئے۔ پھر جہاد کیا اور شہید ہوئے ہم ان کی خطائیں معاف کر دیں
گئے۔ اور انہیں بانات میں داخل کیا جائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں
گی۔ یہ اجر ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ ہی کے نزدیک بہتر اجر ہے۔

الغرض اس طرح کی قرآنی آیات گنتی سے باہر ہیں جن میں نبی علیہ السلام کے صحابہ
خصوصاً مہاجرین کی عظمت ان کے لیے مغفرت و جنت کا اعلان اور ان کی خطاؤں
کی معافی کا لازماًل مشرودہ موجود ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ابو بکر صدیق عمر فاروق عثمان غنی۔
جناب طلحہ حضرت زبیر اور ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم، مہاجرین میں
داخل ہیں۔

حب اللہ فرما رہا ہے کہ ہم نے ان کی خطائیں معاف کر دیں۔ تو پھر کسی مسلمان کو

حق نہیں کہ ان کے متعلق نازیبا الفاظ استعمال کر لے چر جائیکہ ان پر بے بنیاد الزام لگائے جائیں اور محض ہٹ دھرمی کے ساتھ لغو و بے کار مطالبی اور غور و تراش تراش کرانی کے واسطے کو داغدار کرنے کی کوشش کی جائے۔ اللہ تعالیٰ شیعوں کو راہ مستقیم عطا فرمائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں عظمت صحابہ
(ارشاد نبیؐ خوش نصیب ہے جس نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والوں کو دیکھا۔)

بحار الانوار:

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
طُوبَى لِمَنْ تَابَ إِلَيَّ وَطُوبَى لِمَنْ تَابَ إِلَيَّ مِنْ
وَطُوبَى لِمَنْ رَأَى مَنْ رَأَى مَنْ تَابَ إِلَيَّ.

(۱-۱) الی شیخ صدوق ص ۲۲۱ مطبوعہ قم

طبع قدم

(۲-۱) الی تشیع کی معتبر کتاب بحار الانوار

جلد ۲۲ ص ۵-۳ طبع جدید

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں: فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ خوشخبری ہے اسے جس نے مجھے دیکھا خوشخبری ہے اسے جس نے میرے دیکھنے والے کو دیکھا اور خوشخبری ہے اسے جس نے میرے دیکھنے والوں کے دیکھنے والوں کو دیکھا۔

بحار الانوار: (صحابہ رسول آسمان ہدایت کے روشن ستارے ہیں)

عَنْ جَعْفَرِ عَنْ آبَائِهِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ قَالَ قَالَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَمْ يَكُنْ

سَنَّهُ قِيَّتِي فَمَا كَانَ أَصْحَابِي فَقُولُوا بِهِ حَيَاتَنَا
 مَشَدُّ أَصْحَابِي فِيكُمْ كَمَثَلِ الثَّجُومِ يَا أَيُّهَا أُخِيذْ
 اهْتَدَيْ وَيَا أَيُّهَا أَقَاوِيلُ أَصْحَابِي أَخَذْتُ تُمَاهِدْتُمْ
 وَالتَّحْتِلَاتُ أَصْحَابِي لَكُمْ رَحْمَةً لِي

(۱۔ اہل تشیع کی معتبر کتاب بحار الانوار ج ۲۲)

باب فضل الہما جبرین والانصار

(۲۔ اہل تشیع کی معتبر کتاب معانی الاخبار)

صفحہ نمبر ۱۵۲

(۳۔ اہل تشیع کی معتبر کتاب انوار نعمانیہ)

جلد ۱ ص ۱۵۲ طبع جدید

(۴۔ اہل تشیع کی معتبر کتاب عیون اخبار الرضا)

جلد دوم

ترجمہ

امام جعفر اپنے ائمہ آپاد سے اور وہ حضرت علی سے روایت کرتے ہیں کہ نبی
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کسی امر میں میری حدیث موجود نہ ہو تو پھر جو
 میرے صحابہ فیصلہ دیں وہی مانو کیونکہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس
 کی بھی پیروی کر لو گے ہدایت پاؤ گے اور میرے صحابہ کا اختلاف تمہارے لیے رحمت

نوٹ ۱۔

نبی علیہ السلام کا فرمان ہے کہ میرے صحابہ کا اختلاف تمہارے لیے رحمت ہے۔
 یعنی ان کے اجتہادی اختلافات سے شرع متین کے مسائل کی تشریح ہوتی ہے اور
 امت کے لیے ہدایت کی راہیں کھلتی ہیں۔ لہذا امت کو یہ کب جائز ہے کہ وہ

علی مرتضیٰ حضرت طلحہ وزیر اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کے باہمی اختلافات و جنگ و جدال کے واقعات کو غلط رنگ میں پیش کریں اور صحابہ پر زبان طعن درآئیں۔ صحابہ کے اختلاف میں ہمارے لیے نمبر اور سیر بھی ہے کہ وہ باوجود سخت اختلاف کے بھی ایک دوسرے کی تعریف کرتے تھے۔ گویا وہ ثابت کر دیتے تھے کہ ہمارے درمیان ذاتی اختلاف نہیں مسائل کی انہام و تفہیم کا اختلاف ہے۔ چنانچہ جنگ جمل کے بعد حضرت علی نے حضرت طلحہ کی جائے شہادت پر جا کر ان کی بے پناہ تعریف کی۔ اور زرارہ و قطارہ و پڑے۔ اور حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو نہایت کمال عزت و تکریم سے واپس مدینہ بھیجا۔ اور جناب سیدہ ہمیشہ حضرت علی کے اس کردار کی کھل کر تعریف کرتی رہیں۔

یہی جنگ صفین کے بعد حضرت علی نے امیر معاویہ اور ان کے ساتھیوں کی اپنے خطابات میں تعریف کی۔ اور امیر معاویہ حضرت علی کا ذکر بچڑھانے پر زار زار دیا کرتے تھے۔ اہل تشیع کی مستند اور معتبر کتب مذکورہ امور سے بھری پڑی ہیں اور اس کی تفصیل پیش نظر کتاب کے آئندہ ابواب میں وضاحت سے آرہی ہے لہذا اس سے دوا مودثابت ہو گئے۔

ایک یہ کہ اگر علی مرتضیٰ حضرت معاویہ جناب حضرت طلحہ وزیر وغیرہم رضی اللہ عنہم اختلافات کے باوجود ایک دوسرے کی بے پناہ تعریف کرتے اور ایک دوسرے کا ذکر سن کر رو پڑتے ہیں تو پھر ہمیں کیا حق ہے کہ جنگ جمل و صفین کے واقعات کو بڑھا چڑھا کر پیش کریں اور انہیں مورد الزام ٹھہرائیں اور ان پر زبان طعن درآئیں۔ پھر یہی۔

دوسرا یہ کہ جب صحابہ کرام آپس میں ذاتی اختلافات کے ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے کو برا نہ کہتے تھے ایک دوسرے کو کافر محمد نہ کہتے تھے تو

ہمیں بھی چاہیے کہ ان کی تیسرت کو اپنائیں اور فقہی مسائل کے اختلافات کو ذاتی عداوتوں میں تبدیل نہ کریں اور ایک دوسرے کی نیت پر حملے نہ کریں۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ میرے صحابہ کا اختلافات تمہارے لیے باعث رحمت و ہدایت ہے۔

قول نبی۔ میرے صحابہ امت کے امین ہیں جب تک ان میں سے ایک بھی موجود ہے اسلام غالب رہے گا۔

بخاری الانوار:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا أَمَنَةٌ
لِلصَّحَابَةِ وَاصْحَابِي أَمَنَةٌ لِكُلِّ مَنِّي وَكَأَيِّنْ أَلْ
هَذَا الَّذِينَ غَالِبُوا عَلَيَّ الْاَذْيَانِ كُلِّهَا مَا دَامَ
فِيكُمْ مَنِّي وَآلِيَّ

اہل تشیع کی معتبر کتاب بخاری الانوار
صفحہ ۲۱ طبع جدید

ترجمہ۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا میں اپنے صحابہ کا امین ہوں اور صحابہ میری امت کے امین ہیں۔ اور یہ دین تمام مذاہب پر غالب رہے گا۔ جب تک تم میں کوئی ایک بھی مجھے دیکھنے والا موجود ہے۔

ارشاد پیغمبر صحابہ کی خوبیاں بیان کرو اور عیب چھپاؤ

الاسید خدای رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

بحار الانوار:-

اِنَّ الْاَنْصَارَ تَرْمِيْنَ فَاَعْمُوا عَنْ مَسِيئِهِمْ وَ
اَعْيُنُوا عَلٰى مَحْسَنَاتِهِمْ۔

(۱- اہل تشیع کی معتبر کتاب بحار الانوار

۳۱۲ طبع جدید)

(۲- اہل تشیع کی معتبر کتاب امالی ابن شریعہ ص ۱۳۰

ترجمہ:-

میرے صحابہ میری ڈھال ہیں ان کے عیب چھپاؤ

اور خوبی بیان کرو۔

نوٹ:-

نبی علیہ السلام کا حکم تو یہ ہے کہ صحابہ کی خوبیاں بیان کرو اور اگر ان کی کوئی خطا ہے
تو اسے چھپاؤ کیونکہ وہ خدا سے ڈرنے والے ہیں جان بوجھ کر ایسا نہیں کرتے۔ مگر
شیعوں فرقہ کا حال دیکھو کہ اپنی کتابوں میں موجود احادیث کے خلاف چل کر از خود صحابہ
کے مطابق لکھتے ہیں اور ان کی سیرت کو داغدار بتلاتے ہیں۔ اللہ ہدایت دے۔

فرمان نبی- میرے صحابہ کو گالی دینے والا کافر ہے

جامع الاخبار:-

قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ مَسَّبَنِي فَقَدْ كَفَرَ وَمَنْ مَسَّبَ
اَصْحَابِي فَقَدْ كَفَرَ وَمَنْ مَسَّبَ اَحَدًا مِنْهُمْ فَاجْلِدُوْهُ۔

(شیعوں کی معتبر کتاب جامع الاخبار ص ۱۲۵ فصل ۱۲۵)

ترجمہ

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ جس نے مجھے گالی دی وہ بھی کافر ہے اور جس نے میرے صحابہ کو گالی دی وہ بھی کافر ہے۔ اور جو انہیں گالی دے اسے کوڑے لگاؤ۔

اس ارشاد رسول کو مد نظر رکھ کر شیعہ فرقہ فیصلہ کرے کہ ان کی اپنی معتبر کتاب میں موجود ارشاد رسول کی روشنی میں انکا کردار کہاں تک صحیح ہے اور وہ ابو بکر صدیق عمر فاروق، عثمان غنی امیر معاویہ جناب طلحہ و زبیر و سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہم کو بڑا بھلا کہہ کر کس ذمہ میں شمار ہوتے ہیں۔

ائمہ اہل بیت کی نظر میں عظمت صحابہ

علی مرتضیٰ کے نزدیک شیعیان کا اسلام میں عظیم مقام ہے

وقوعہ صفین

وَلَعَمْرِي إِنَّ مَكَانَهُمَا فِي الْأَسْلَامِ لَعَظِيمٌ
إِنَّ الْمَصَابِيحَ يَهْمَا لَجَدَّحٌ فِي الْأَسْلَامِ شَدِيدٌ
رَحِمَهُمَا اللَّهُ فَجَزَاهُمَا بِأَحْسَنِ الْجَزَاءِ

(وقوعہ صفین ص ۲۳ طبع قدیم بیروت)

ترجمہ

مجھے اپنی جان کی قسم ان دونوں (صدیق و فاروق) کا مقام اسلام میں

عظیم ہے اور ان کی رحلت اسلام کے لیے شدید و حکما ہے اللہ ان پر رحم کرے اور انہیں بہتر جزاء عطا فرمائے۔

صدیق و فاروق و ذو النورین کا گستاخ مردود ہے
امام زین العابدین کا فتوے

عربی عبارت کا ترجمہ اختصاراً پیش خدمت ہے۔

امام زین العابدین کے پاس ایک عراقی وفد آیا انہوں نے ابو بکر عمر بن الخطاب اور عثمان رضی اللہ عنہم کے بارہ میں کچھ کہا۔ جب وہ اپنی بات کہہ چکے تو امام زین العابدین نے پوچھا کیا تم مہاجرین میں سے ہو جن کی نشان ہے، قرآن میں۔

اَمْ تَحْسِبُوهُمْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَنْتَعُونَ فَضَلًا مِّنْ
اللّٰهِ وَ رِيسُوَانَا۔ الخ۔

وفد نے جواب دیا ہم مہاجرین میں سے نہیں ہیں آپ نے چہ فرمایا کیا تم انصار ہر جن کی عظمت قرآن میں یوں ہے۔

وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ۔ الخ کہنے لگے نہیں!

آپ نے فرمایا۔ جب تم مہاجرین ہو تو انصار ہو اور نہ ہی ان کے نقش قدم پر چلنے والے ہو تو پھر تمہیں ابو بکر صدیق و عمر فاروق و عثمان غنی پر اعتراض کیا کیا حق ہے۔ نکل جاؤ یہاں سے دور ہو جاؤ اور اللہ تمہیں اپنے عمل کی سزا دے۔

(اشیعوں کی معتبر کتاب کشف الغمہ جلد دوم ص ۵۷)

(۲۔ جلاء العیون جلد اول ص ۳۹۳)

امام جعفر سے لے کر حضرت علی تک سب ائمہ کا فتویٰ صحابہ کو
بِزبانِ کہو وہ اسلام کے خادم تھے

بحار الانوار :-

عَنِ الصَّادِقِ عَنْ آبَائِهِ عَنِ عَلِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ
قَالَ أَوْصِيَكُمْ بِأَصْحَابِ بَيْتِكُمْ لَا تَسُبُّوهُمْ
الَّذِينَ لَمْ يَجِدُوا بَعْدَهُ وَلَمْ يُوَافِقُوا
هَؤُلَاءِ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
أَوْ صَاحِبِهِ

(بحار الانوار ص ۳۷۷ جلد ۲۷ باب فضل المساجد)

ترجمہ :-

امام جعفر صادق اپنے آباء ائمہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ
نے فرمایا :-

مسلمانوں! میں تمہیں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے متعلق
وصیت کرتا ہوں کہ انہیں برا نہ کہو کیونکہ انہوں نے آپ کے بعد کوئی کام
خلات اسلام نہیں کیا اور نہ ایسا کرنے والوں کو دوست بنایا اور پناہ
دی ہے۔ نبی علیہ السلام نے بھی ان کے متعلق یہی وصیت کی ہے۔

اب شیعوں کو چاہیے کہ صحابہ کرام پر بے بنیاد الزام تراشیوں سے باز
آجائیں کیونکہ ان کی انتہائی معتبر کتابوں میں موجود نبی علیہ السلام اور ائمہ
اہل بیت کے اقوال صحابہ کرام کی فوات خصوصاً خلفاء ثلاثہ کو تمام الزامات

سے بری قرار دے رہے ہیں۔

لیکن جب شیعوں نے قرآن کے باوجود صحابہ کو مورد الزام ٹھہرانے میں ہمیشہ سے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہا ہے تو ہم نے مناسب سمجھا کہ ان کے ہر ایک الزام کو علیحدہ علیحدہ لے کر جواب دیا جائے کہ تم نے ان مقدس ہستیوں پر جو بھی بہتان تراشی کی ہے اپنا تلمذ عاقبت سیاہ کیا ہے۔

شیعہ حضرات کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے جو فطری حسد و بغض ہے اس کی بنا پر وہ جو بے بنیاد اور بے علم عوام کو گمراہ کرنے کے لیے قرآن و حدیث کے اصلی مضموم سے بے تعلق الزامات تراشتے ہیں جن سے ان کا مقصد یہ ثابت کرنا ہوتا ہے کہ صحابہ کرام معاذ اللہ اہل بیت عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے انہی دشمن اور بدخواہ تھے۔ اسی غلط پروپیگنڈہ کے ماتحت ان حضرات نے عوام کے سامنے یہ جوا کر کر رکھا ہے کہ خلافت راشدہ صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لیے ہی مخصوص من اللہ تہی مگر خلفائے ثلاثہ نے زبردستی ان سے غصب کر کے اس پر قبضہ جمایا اور اسی قسم کے اور متعدد الزامات صحابہ کرام پر لگا کر ان حضرات نے عوام کو مضبوط مستقیم سے ہٹانے اور حق کو علی الاعلان منج کرنے کا صدیوں سے بیڑا اختیار کیا ہے اور موجودہ زمانہ میں یہ لوگ اس نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں کہ صحابہ کرام اور اہل بیت عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان ایک ایسی علیحدگی ہے جس کو پائنا محال اور لاحاصل ہے لیکن ان حضرات کے یہ تمام غلط الزامات اور خیالات فاسدہ تباہ ملکوت کی طرح ہیں جن کی حقیقت ہمارے دلائل قاہرہ اور براہین قاطعہ سے کھل کر سامنے آجائے گی۔

لہذا ذیل میں ہم شیعہ حضرات کے اس قسم کے وہ مضامین جو مذہب شیعہ کے

ستون سمجھے جاتے ہیں اور جس کا سہارا لے کر وہ اپنے سوا تمام اہل اسلام کو خارج از دین و ایمان سمجھتے ہیں، نقل کرتے ہیں اور قرآن و احادیث اکملہ اور کتب شیعہ سے ان کے دندان شکن جوابات پیش کرتے ہیں تاکہ وہ لوگ جن کے سینہ میں رائی بھر بھی ایمان اور انصاف کا مادہ ہے وہ حق و باطل کے درمیان تمیز کر سکیں اور یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں کہ شیعہ حضرات سے

ظہر خواب تھا ہم نے جو کچھ دیکھا جو سنا افسانہ تھا۔
ہم امید واثق رکھتے ہیں کہ صاحب انصاف حضرات پر ہمارے دلائل قاطعہ دیکھنے کے بعد یہ غنی نہیں رہے گا۔ کہ جن مطامع کو شیعہ حضرات نے قرآن و احادیث اہل سنت سے ثابت کیا ہے ان کا قرآن و حدیث سے کوئی تعلق نہیں۔ انہیں حضرات کا مذہب مذہب ہے ورنہ ایسے ناپاک عقائد اور کہاں قرآن و حدیث کی تو رافی تعلیمات
چہ نسبت خاک را با عالم پاک

حق مذہب یہی ہے کہ صحابہ کرام اور اہل بیت علیہم السلام جمیع کے آپس کے تعلقات وہ نہیں جو کہ شیعہ حضرات پیش کرتے ہیں بلکہ وہ حضرات باہم شیعہ و شکر تھے۔ اور ان پر لگے گئے الزامات و بہتانات فقط شیعہ اختراع ہیں۔ اسی حقیقت کو آشکارا کرنے کے لیے ہم ذیل میں شیعہ مطامع اور ان کے جوابات لکھتے ہیں ملاحظہ ہوں۔
چنانچہ اب کتاب کا اصل مضمون شروع ہوتا ہے۔

إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي
إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ
محمد علی عفا اللہ عنہ

مہتمم جامعہ رسولیہ شیرازیہ
بلال منج لاہور

۱۲ اگست ۱۹۱۵ء



صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر کیے گئے مطاعن

طعن اول۔ غصب فدک

الحمد لله رب العلمين . والعاقبة للمتقين والصلاة

والسلام على سيد المرسلين وعلى آله واصحابه

الطيبين الطاهرين اجمعين . اما بعد

برادران اسلام۔ اہل علم حضرات اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں۔ کہ اہل سنت و جماعت اور اہل تشیع بہت سے مسائل میں مختلف نقطہ نظر کے قائل اور مؤید ہیں۔ تحریر و تقریر سے اپنے اپنے ان نظریات کی حقانیت اور فوقی مخالفت کی تکذیب کا بازار صدیوں سے گرم ہے۔ اور آج بھی اس کی تہمت میں کوئی کمی نہیں آئی۔ بلکہ اس وقت جب کہ تحقیق و تمحیق کے آسمان پر جمالت، کلمی اور خود غرضی کے بادل چھائے ہوئے ہیں۔ ان میں اور اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اور اپنی فکری تائید کے لیے اگر کسی صہابی کی گستاخی ہو رہی ہو۔ کسی اہل بیت کو دل دکھا رہا ہو۔ کسی آیت قرآنی کی تکذیب ہو رہی ہو۔ یا کسی حدیث سے اعراض برتنا جا رہا ہو۔ تو یہ سب کچھ گوارہ لیکن ابطال حق اور تردید عقیدہ کسی صورت برداشت نہیں۔ ان بہت سے مختلف فیہ مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ ”مسئلہ خلافت“ ہے۔

جس کے بارے میں ہم گذشتہ اوراق میں بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ جنہیں پڑھ کر آپ خود فیصلہ کر سکیں گے۔ کوئی کیا ہے۔ اور باطل کسے پیجاری کون ہیں۔ مہبان اہل بیت کون ہیں۔ اور ”نام نہاد، مہبان اہل بیت“ کون ہیں؟

دوسرا مسئلہ ”فدک“ کا ہے۔ جس کی اہمیت کی وجہ یہ ہے۔ کہ اس بات کی نسبت،

سیدہ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی لون کی جاتی ہے۔ اور آپ کی شخصیت ایسی عظیم ہے کہ بعض روایات کے مطابق آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کائنات کی تمام عورتوں کی سردار فرمایا۔ اور آپ کی افضلیت سب پر قائم فرمائی۔ تو جس شخصیت کی عظمت کا یہ عالم ہو کہ کائنات کی کوئی عورت اس عظمت تک نہ پہنچ سکے۔ اس عظیم شخصیت کو جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ”باغ فدک“ عطا فرمایا تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما اس انتظار میں تھے کہ ہم جتنا جلدی ہو سکے۔ سیدہ فاطمہ سے اس کو چھین لیں۔ اور ان کی گذراؤقات کا بہت بڑا اذلیہ جب ان سے چھین لیا جائے گا تو وہ کس پیر سی کی زندگی بسر کریں گی۔ تو ان دونوں صاحبوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد آپ کی دختر نیک اختر سے چن چن کر بدلے لیے۔ اور دشمنی رسول کا حق ادا کر دیا (معاذ اللہ)

جب دختر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر کی عدالت میں اس باغ کا مطالبہ کیا تو اپنی دیرینہ معنی دشمنی کی بنا پر ابو بکر نے انہیں اس حق سے محروم رکھنے کے لیے خود ایک من گھڑت حدیث پیش کر کے خاموش کرنا چاہا۔ حدیث یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ **لَا نَحْنُ الْآيِسِيَاءُ لَا نُورِثُ دِرْهَمًا وَلَا دِينَارًا إِلَّا مَا يَكُنَّا فِيهِ حَكَمَةً**

ہم انبیاء کرام کی وراثت درہم و دینار نہیں، مگر جو علم و حکمت کی وارث ہم چھوڑ جاتے ہیں۔

اور لوگوں کو اس میں سے ہی حصہ ملے گا۔ لیکن سیدہ فاطمہ جنت بھی کچی گویاں کیلئے والی تھیں۔ کہ وہ اس طرح کی موضوع روایت سن کر (اور وہ بھی اپنے والد گرامی کی طرف نسبت سے) خاموش ہو کر اپنا مطالبہ چھوڑ دیتیں۔ آپ کو اس خفیہ دشمنی اور اہل بیت سے عداوت کا پہلے سے علم تھا۔ اس لیے بنت رسول نے اس حق پر ”شہادت“ سے ثابت کر دیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ”باغ فدک“ میری ملکیت کر دیا تھا۔

ہذا مجھے میری ملک ٹنی چاہیئے۔ اور بجز کے لیے اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ کہ وہ باغ حوالے کر دیتے۔ لہذا انھوں نے بادل نخواستہ مجبور ہو کر اس باغ کا فیصلہ سیدہ خاتونِ جنت کو کھدوایا۔ مگر خدا کا کرنا کہ جب سیدہ وہ مکنامرے کو واپس تشریف لارہی تھیں۔ تو راستہ میں خطاب کا بیٹا ملا۔ اس نے پوچھا۔ وستر رسول! یہ ہاتھ میں کیا ہے؟ تو جواب دیا کہ ایک مکنامہ اور فیصلہ ہے۔ جو ابو بکر نے ”باغِ فک“ کے بارے میں میرے حق میں کیا ہے۔ یہ سن کر عمر بن خطاب نے سیدہ کے ہاتھ سے وہ تحریر شدہ فیصلہ چھین لیا۔ اور اس پر تھوک کر زمین پر پھینکا۔ پھر اسے پاؤں سے روند ڈالا۔

سیدہ یہ دیکھ کر روتی ہوئی گھر واپس تشریف لے آئیں۔ اور ان دونوں کی دیرینہ دشمنی، اس طرح اب کھل کر سامنے آگئی۔ اور یوں اہل بیت کو انھوں نے اپنے ظلم و ستم کی آماجگاہ بنا کر دی کی ہوئی پوری کرنی شروع کی۔

یہ قصہ افسانہ اور ڈرامہ جیسے اس انداز میں بیان کر کے شیعہ حضرات یہ بتانا چاہتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت سے صحابہ کرام کی ملوثگی اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خصوصاً دشمنی تھی۔ اور علی طور پر اس کی ابتدا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد شروع ہو گئی۔ جب یہ لوگ خیالاتی دنیا سے نکل کر علی طور پر دشمن اہل بیت ہو گئے۔ تو ان کی نکالت و امامت کب صحیح اور درست ہو سکتی ہے؟ لہذا معلوم ہوا کہ یہ لوگ (معاذ اللہ) ناممبِ خلافت تھے۔ اور امامت کے بالکل مستحق نہ تھے۔؟

حالانکہ یہ لوگ اگر کچھ معمولی بھی سوچ بوجھ کے مالک ہوتے۔ اور قرآن و حدیث کا انہیں معمولی بھی علم ہوتا۔ اور تعصب کی جھلک نظر سے اتار کر دیکھتے۔ تو انہیں خود بخود معلوم ہو جاتا۔ کہ تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام کا جو طریقہ ان لوگوں نے اپنا رکھا ہے۔ اس سے برباد و دین و ایمان اور عداوتِ اسلام ہی پکٹی نظر آتی ہے۔ قرآن کہے۔ کہ تمام صحابہ،

”رَحِمَاءٌ بَيْنَهُمْ“ کی صفت سے موسوم تھے۔ اور تم ان کے درمیان بغض و عناد

ثابت کرو۔ قرآن ان کے لیے اپنی نعمت کا ان الفاظ میں ذکر فرماتا ہے۔ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلْفَتْ بَِيْنَهُمْ۔۔۔ (پارہ ۱۰ سورۃ انفال) اور تم اس نعمت کی بجائے ان کی باری دشمنی ثابت کرو۔ تو کیا تمہاری بات قابل اعتبار و یقین آیا اعلان رب العالمین: تم عظیم بذات الصدور کی بات کو الٹ ثابت کر کے خود اپنے پاؤں پر کھڑی چلا رہے ہو۔ صحابہ کرام کے بارے میں یہ باتیں اور خبریں اللہ رب العزت کی ہیں۔ جس کی بات کبھی کدب سے متصف نہیں ہو سکتی۔ جب وہ کذب جیسی صفت کی نسبت سے بھی پاک تو تم کہوں اسے بے باک: تمہاری بے باکی نے ہی تو تمہارے ایمان و اسلام کی کشتی ڈبوئی۔ اور خود تمہیں اس کی خبر تک نہ ہوئی۔ پھر جن کی غوی خود صاحب قرآن ان الفاظ میں بیان فرمائیں۔

صَحَابِي كَالْتَّجُومِ بِأَيْكِهِمْ أَقْتَدَيْتُمْ أَهْتَدَيْتُمْ

(۱) انوار نعمانیہ جلد سراسر طبع جدید نور مرثوی

(۲) (عیون اخبار الرضا جلد دوم ص ۸۵ طبع تہران قمی)

(۳) معانی الاخبار ص ۱۵۶ معنی اشک اصحابی کا نجوم

میرے صحابہ آسمان ہدایت کے روشن ستارے ہیں جس کی بھی تم نے اقتدار کی۔ ہدایت پائی۔

ان حضرات کے بارے میں تم دل میں حسد و عناد رکھو۔ اور تحریر و تقریر سے ان کی اذیت کا سبب بنو۔ تو کس منزل سے دربارِ خدا میں اور بارگاہِ مصطفیٰ میں آؤ گے۔ آپ نے فرمایا۔

مَنْ أَذَاهُمْ فَقَدْ أَذَانِي وَمَنْ أَذَانِي فَقَدْ أَذَى اللَّهِ (الحديث)

جس نے ان صحابہ کو کوفت پہنپائی۔ اس نے مجھے دکھ دیا۔ اور جس نے مجھے

دکھایا۔ اس نے اللہ کو اذیت پہنپائی۔

شہید لوگوں نے اس "باغِ خدک" میں اس قدر من گھڑت انسانے تراشے اور پھیلے

ہیں۔ کہ جہاں کہیں بھی فقیر تقریر کے لیے جاتا ہے۔ وہاں اپنے سنی بھائی بار بار رقعہ جات بیج کر دریافت کرتے ہیں کہ میں سب سے پہلے یہ سمجھایا جائے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے وہ باغ فدک، کن وجوہات کی بنا پر چھینا تھا۔ اور بعض دفعہ تو صرف اسی مسئلہ کی حقیقت سمجھانے میں تقریر کا سارا وقت صرف ہو جاتا ہے۔ اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ اس مسئلہ میں بھی تحقیقی بحث قلم بند کروں۔ تاکہ اس کے ذریعہ ہر خاص و عام مستفید ہو سکے اور ان کی افسانہ تراشیوں سے آگاہی حاصل ہو جائے۔

فصل اول

فدک کی تحقیقی بحث

فدک لغتین نام دیہے از خیبر۔ (قاموس) یعنی ”فدک“، حرف فام اور وال کے زبر کے ساتھ خیبر کے ایک گاؤں کا نام ہے۔ دو قاموس اور منتخب، میں بھی اس لفظ کا یہی معنی لکھا ہوا ہے۔

ایک شہر کا نام ہے۔ جو مدینہ منورہ سے دو دن کی مسافت پر واقع ہے۔ اور خیبر سے صرف ایک منزل دور ہے۔ (مصباح اللغۃ)

فدک ایک گاؤں ہے۔ جو مجاز میں واقع ہے۔ اور اس کی مسافت مدینہ منورہ سے دو دن کی ہے۔ بعض روایات کے مطابق تین دن کی راہ کی مسافت بھی آئی ہے۔

(بیم بلدان)

از روئے کتب شیعہ فدک مال فحی تھا جو بحکم قرآن عامرین کے لیے ہوتا ہے۔

فدک کے بارے میں شیعہ سنی تمام اسس پر متفق ہیں۔ کہ یہ مقام و موضع یا شہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں بغیر جنگ و جدال کے آیا۔ اس کی خاطر کوئی منصوبہ بندی اور

طاقت استعمال کرنے کا کوئی موقع اور ضرورت درپیش نہ ہوئی۔ اور ایسا علاقہ یا مالی فائدہ نہیں ہے
دوسرا اس امر پر بھی دونوں گروہوں کا اتفاق ہے۔ کہ مال فنی کی کو ہر نہیں کیا جا
سکتا ان دونوں متفقہ امور کے ثبوت کے لیے ہم شیعہ کتب سے دو حوالہ بات قارئین
کے پیش نظر کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

حوالہ نمبر (۱)

صاحب معجم البلدان گفتہ، فذک قریباً سیست میان حجاز۔ در میان او و مدینہ دو
روزہ راہ است و بعضے گفتہ اند سر روزہ و آل تراز کفار خیبر بود کہ بطریق مصالحہ
در تحت تصرف آل حضرت درآمدہ بود و بموجب دین الہی خالصتہ حضرت
رسالت پناہی شدہ بود۔ و در انجا چشمہ آب رواں و درختہائے غرا بسیار بود
(مجلس المومنین جلد اول مشتملہ مطبوعہ تہران در ذکر فذک)

ترجمہ: ”معجم البلدان“ کے مصنف نے کہا کہ ”فذک“، حجاز میں واقع ایک گاؤں
ہے۔ مدینہ منورہ اور اس کے درمیان دو دن کی مسافت کا فاصلہ ہے۔ اور
بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ ان دونوں کی مسافت تین دن کے فاصلہ کے برابر
ہے۔ یہ گاؤں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تصرف میں لائے۔ جس کی خاطر کوئی
جنگ نہ نہ پڑی۔ اور آپ کے تصرف میں آنے سے قبل یہ خیبر کے
کفار کی ملکیت تھا۔ اور اللہ کے دین کے فیصلہ کے مطابق یہ موضع صرف
صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص ہوا۔ اس موضع میں ایک بہتا
ہوا چشمہ اور کھجوروں کے بہت سے درخت تھے۔

حوالہ نمبر (۲)

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَصْبَاطٍ قَالَ لَتَأْوِرَهُ أَبُو الْحَسَنِ مُؤْمِنِي عَلِيٍّ

الْمَهْدِي رَأً لَا يَرُدُّ الْمَظَالِمَ فَقَالَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ
مَا بَالُكَ مَفْلُحِيَّتَنَا لَا تَرُدُّ فَقَالَ لَهُ وَمَا ذَاكَ يَا أَبَا الْحَسَنِ
قَالَ إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى لَمَّا هَمَّ عَلَى يَتِيمِهِ فَذَكَرَهُ وَمَا
وَالْأَهْلَ الْحَرِيُّوَجَعْتُ عَلَيْهِ بِخَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ.

(اصول کافی جلد اول ص ۳۲ کتاب الجزاء باب الفیء والافعال مطبوعہ تہران)

(نئی تجدید)

ترجمہ: علی بن اسباط سے مروی ہے کہ جب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام مہدی
مہاسی کے پاس آئے۔ تو وہ لوگوں کے غضب شدہ اہلک واپس کرنا تھا حضرت
نے فرمایا ہمارے غضب شدہ مال کو بھی واپس دے دو۔ اس نے کہا۔ وہ کیا
ہے یا ابائمن؟ آپ نے فرمایا جب اللہ نے اپنے نبی کو فک پر فتنے دی۔ اور بغیر
جنگ حاصل کیا۔

(ترجمہ اصول کافی جلد اول ص ۴۱۳)

مذکورہ دونوں حوالہ جات سے وہی دونوں متفقہ امور بالکل مراحت کے ساتھ معلوم ہوتے
ہیں۔ اول یہ کہ وہ فک، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تصرف کی جنگ و جدل کے بغیر آیا۔
دوسرا یہ کہ مال قیمت کے طور پر مقام و موضع بعد اس کے لوازمات کے صرف اور صرف،
مستور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تصرف تھا۔ اس میں از روئے حکم خدا کوئی آپ کے
ساتھ شریک نہ تھا آپ تنہا اس کے والی و متصرف تھے۔

فک کیا تھا؟ اس کے مصارف کیا تھے

یہ دو اہم سوال ہیں۔ جن کے جواب سے اس موضوع پر کچھ کھٹنا مفید ثابت ہو گا تو ہی

ابتدا میں انہی دو امور کی وضاحت کروں گا۔

چند سطور پہلے آپ پڑھ چکے ہیں کہ ”دفک“ ایک موضع اور سستی کا نام ہے۔ جو مدینہ منورہ سے تقریباً تین منزل دوری پر واقع ہے۔ اور اس کی نصف زمین یہودیوں نے بغیر جنگ کے بطور صلح مسلمانوں کی دی تھی۔

ایک یہ قطعہ زمین اور اسی طرح سات اور قطعات زمین بھی تھے۔ جو مدینہ منورہ کے قرب و جوار میں تھے۔ جو یہود کے قبیلہ بنی نضیر سے لیے گئے تھے۔ یہ تمام قطعات زمین بعد ”دفک“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تصرف و قبضہ تھے۔ تاکہ ان کی پیداوار سے اپنی حاجات آپ پوری کر سکیں۔

اس کے ساتھ خیر کے کچھ قطعات بھی آپ کے زیر تصرف تھے۔ جن کی آمدنی کا پانچواں حصہ آپ کا مقرر تھا۔ اور اس کے علاوہ جہاد میں جو مال غنیمت مجاہدین کے ہاتھوں میں آتا اس میں سے بھی پانچواں حصہ آپ کا مقرر تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان مختلف امدادوں سے جو آمدنی حاصل ہوتی تھی۔ آپ انہیں، مندرجہ ذیل امور پر خرچ فرمایا کرتے تھے۔

۱۔ اپنی ذات، اپنے اہل و عیال، اپنی ازواج پر خرچ فرماتے۔ اور تمام بنی ہاشم کو اس آمدنی سے کچھ نہ کچھ ضرور عطا فرماتے تھے۔

۲۔ بادشاہوں کے سیر اور جہانوں کی آویزشگاہ بھی اسی سے ہوتی۔

۳۔ حاجت مندوں اور غریبوں کی امداد بھی اسی سے ہوتی۔

۴۔ جہاد کے لیے اسلحہ بھی اسی سے خریدا جاتا۔

۵۔ مجاہدین کے لیے گھوڑے، اونٹ وغیرہ خریدا۔ بے لیے اسی سے ان کی امداد کی جاتی تھی۔

۶۔ اصحاب صفہ کی خبر گیری اور ان پر اٹھنے والے مصارف بھی اسی سے پورے

کیے جاتے۔

نوٹ:

صدقہ کا مال جو آتا۔ تو آپ اسے فوراً غریب اور مستحقین میں بانٹ دیتے تھے۔ اپنے لیے اس میں سے کچھ نہیں رکھتے تھے۔

ان مصارف کو دیکھا جائے۔ کہ جن کی کفالت اور امداد اس آمدنی سے متعلق تھی۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ آمدنی کا ان تمام مصارف میں پورا ہونا بہت مشکل تھا۔ اسی وجہ سے ازواج مطہرات کو شکایت ہوتی تھی۔ کہ سب کچھ بانٹ دیا جاتا ہے اور گھر پر اخراجات کے لیے مناسب خرچ نہیں رکھا جاتا۔ اس کے برخلاف بنی ہاشم کے لیے جو خرچہ مقرر تھا۔ وہ بھی ان کے حالات کے مناسب تھا۔ اور حضرت سیدہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا باوجودیکہ آپ کو انتہائی عزیز تھیں۔ پھر بھی ان کے حصہ میں آنے والی آمدنی ان کی پوری کفالت نہیں کرتی تھی۔ ان مصارف کو دیکھ کر یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان تعلقات سے مائل شدہ آمدنی مخصوص مہول پر صرف فرماتے تھے۔ اور ان کو اپنی ذاتی ملکیت قرار نہیں دیتے تھے۔ بلکہ اللہ کی راہ میں ہی خرچ کیا کرتے تھے۔

جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلافت کی باگ دوڑ سنبھالی۔ تو انہوں نے بھی اس باغ کی آمدنی کو انہیں مصارف اور غناات پر خرچ کرنا شروع کیا۔ جن پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیاتِ مبارکہ میں صرف فرمایا کرتے تھے۔ وہ غناک، کی پیداوار و ممول ہوتی۔ تو اس میں سے اہل بیت کو کم کا جتنا حصہ ٹھکانا تھا۔ اتنا حصہ لیکال کر ان کے پاس بھیج دیتے۔ اور جن جن کے وظائف اس آمدنی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائے تھے۔ ہر ایک کو اس کا وظیفہ مقررہ باقاعدگی سے ادا کیا جاتا۔ غنائے راشدین نے اس کی آمدنی انہی مدت پر خرچ کی۔ جن پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خرچ فرمایا کرتے تھے۔

لیکن جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حاکم مقرر ہوئے۔ تو ان کی خلافت کے دوران جب امام حسن رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ تو دوران ۱۱ نے اسی باغ کا ایک تہائی حصہ اپنے نام منتقل کر کے اسے اپنی جاگیر بنالیا۔ جب خلافت علی تو تمام قطعہ فدک کو اپنے لیے خاص کر لیا۔ اور اپنی ملکیت میں لے لیا۔ پھر یہی وہ باغ فدک، دوران کی اولاد کے پاس رہا۔ اور یہ لوگ اس سے اپنی ضروریات پوری کرتے رہے۔ وقت گزرتا گیا۔ بالآخر جب حضرت عمر بن عبدالعزیز منہ خلافت پر بیٹھیں ہوئے۔ تو انہوں نے جہاں اور اصلاحات کیں۔ وہاں ایک یہ بھی کام کیا۔ کہ "باغ فدک" کو دوران کی اولاد سے واپس لے کر اس کی وہی حیثیت برقرار کر دی۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دوران قدس میں تھی۔ اور خلفائے راشدین جس طرح اس کی آمدنی کو جن مصارف پر خرچ کرتے رہے۔ اسی طرح انہی مصارف پر پھر سے اس کی آمدنی خرچ ہونا شروع ہو گئی۔

فدک کیا تھا۔ اور اس کے مصارف کیا تھے؟ اس ضمن میں یہاں تک جو کچھ ہم نے تحریر کیا۔ اتنا شیعوں نے دونوں کو تسلیم ہے۔ اور اس کی اتنی تاریخ پر دونوں متفق ہیں۔ اس صاف اور سیدھی تاریخ فدک سے ثابت ہوا۔ کہ یہ معاملہ کچھ بھی نہ تھا۔ جسے اتنا اہم بنالیا گیا محض ایک بات تھی۔ جسے یار لوگوں نے جھگڑنا کر لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ اور اس میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خواہ مخواہ ہدیت و امامت بنانے کی ناکام کوشش کی گئی۔ اور ان کے بارے میں زبان طعن و دراز کی گئی۔ مذکورہ طور سے چند باتیں بطور خلاصہ معلوم ہوتی ہیں۔ جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ فدک کی آمدنی کے مصارف خلفائے راشدین کے دور میں بھی وہی تھے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائے تھے۔

۲۔ یہ کسی کی ملکیت نہ تھا۔ بلکہ بیت المال کا حصہ تھا۔ صرف اس کی آمدنی کی مدت مقرر کی گئی تھیں۔ تاکہ ان پر اس کی آمدنی خرچ کی جائے۔

۲۔ خلفائے راشدین نے اس کی آمدنی بحیثیت وکیل ہونے کے وصول کی۔ کیونکہ بوجہ خلافت نظام حکومت ان کے پاس تھا۔ اس لیے وہ اس بات کے ذمہ دار تھے۔ کہ فدک کی آمدنی انہی مدت پر خرچ ہو۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقرر فرما گئے تھے۔

خود شیعوں کے کتب اور شیعہ علماء بھی اس بات کا اعتراف و اعلان کرتے ہیں۔ کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فدک کی آمدنی انہی مصارف پر خرچ فرمایا کرتے تھے۔ جو حضور نے مقرر فرمائے۔ اور آپ کے مطابق اہل بیت کو بھی ان کا مقررہ حصہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ دیا کرتے تھے۔

باغ فدک کی حدود اربعہ کے بارہ میں شیعہ روایات پر تنقیدی نظر

جس باغ فدک کے بارے میں اول و آخر اس بات پر زور دیا جاتا ہے۔ کہ یہ باغ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت تھا۔ اور دختر رسول سے ابو بکر صدیق نے زبردستی عین لیا۔ اس بارے میں انہیں یہ بھی یاد نہ رہا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی تخت پر کو یہ باغ عطا فرمایا بھی تھا؟ اسی باغ کے بارے میں جب میں نے کتب شیعہ کو دیکھا۔ تو ان میں اس کی حدود اربعہ کی کیفیت نے مجھے اور حیران کر دیا۔ یا رب یہ ماجرا کیا ہے۔ باغ فدک روئے زمین پر ایک ہی تھا۔ اور ایک ہوتے ہوئے اعلیٰ کی حدود اور میں اتحاد نہیں۔ اس قدر نزاع نظر آیا۔ کہ یقین نہیں آتا۔ کہ ایسا نزاع ہوتے ہوئے کوئی اس نام کا ایک باغ ہو گا بھی یا نہیں۔ اور اسی مختلف الحدود باغ میں اختلاف کی وجہ سے امت کو شیرازہ بکھر گیا۔

۱۔ میان حضرات (اہل تشیع) اور ائمہ اہل بیت کی بیان کردہ حدود میں باہمی اتفاق نہیں۔ اگر ایک کو سچا کہیں۔ دوسرے کا کذب لازم آتا ہے۔ اس لیے میں یقین

سے کہتا ہوں کہ ان مختلف اقوال کے ملاحظہ کر لینے کے بعد کوئی شخص یہ درجہ جان سکے گا کہ
 ”بانغ فذک“ کی حقیقت کیا ہے۔؟

جس شئی کی حقیقت معلوم نہ ہو۔ وہ معمول کہلاتی ہے۔ اور معمول کے بارے میں
 کسی قسم کا دعویٰ، لغو اور بے معنی ہوتا ہے۔ اور نہ ہی اس میں کوئی تاویل ہو سکتی ہے۔
 کیونکہ اس کی حدود اور بعد میں اس قدر اختلاف ہے۔ جن کا جمع کرنا ناممکن ہے۔ آپ
 خود ائمہ اہل بیت اور شیعہ حضرات کی کتب کے حوالہ جات اس سلسلہ میں ملاحظہ فرما کر
 اندازہ لگائیں گے۔ کہ جو کچھ میں نے کہا۔ وہ درست ہے یا غلط؟

روایت اول: بانغ فذک خیبر سے رقبہ میں چھوٹا تھا

فذک بفتح حرف اول و ثانی ایک قریہ کا نام ہے۔ کہ مدینہ سے دو منزل
 اور خیبر سے قریب ایک منزل کے ہے۔

(تہذیب المتین جلد اول فی تاریخ امیر المومنین ص ۳۰۸/ ذکر
 قضیہ غصب فذک مطبوعہ دہلی)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ فذک ایک قریہ کا نام ہے۔ جس کی وضاحت اسی
 کتاب میں ص ۱۲ پر ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے۔ ”فذک کا علاقہ آبادی میں خیبر کے
 برابر تھا“ یعنی اس کا رقبہ خیبر کے برابر تھا۔

روایت دوم

صاحب معجم البلدان گفتہ کہ فذک قریہ ایست میان حجاز و میان او مدینہ
 دوروزہ راہ است و بعضے گفتہ اند سرروزہاں قریہ از کفار خیبر بود

کہ بطریق مصالحہ در تحت تصرف آنحضرت درآمدہ بود بموجب دین الہی فاصلہ
حضرت رسالت پناہی شدہ بود و در آنجا پیشتر آب رواں و درختہائے
غرا بسیار بود۔

(مجلس المؤمنین جلد اول ص ۲۵ / ذکر فک مطبوعہ تہران سن بیاعت

(۱۳۷۵ھ)

ترجمہ : صاحب معجم اہل بک نے کہا۔ کہ فک ایک بستی کا نام ہے۔ جو حجاز میں ہے
اس کے اور مدینہ منورہ کے درمیان دو دن کی مسافت کا فاصلہ ہے۔ اور
بعض کہتے ہیں کہ تین دن کی مسافت ہے۔ یہ بستی خیبر کے کفار کی تھی۔
جو انہوں نے مصالحت کے طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف میں دی تھی۔
اور اللہ کے دین کے مطابق یہ فطر زمین صرف اور صرف رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کا ہی تھا۔ اگلے (فک) میں ایک بہتا چشمہ اور چوڑوں کے بہت
سے درخت تھے۔

روایت سوم : باغ فک کی حدود اربعہ کے کریمش محلہ و بیت السجود و مزار النبی اکرم نقیب

اصول کافی : (کا کچھ حصہ مذکور ہے)

عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُحَمَّدٍ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِنَا أَظُنُّهُ الْيَتَارِقَ
عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَسْبَاطٍ قَالَ لَمَّا وَرَدَ أَبُو الْحَسَنِ مُوَلًى عَلَيْهِ السَّلَامُ
عَلَى الْمَهْدِيِّ رَأَاهُ يَرُدُّ الْمَطْلِعَ فَقَالَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ
مَا بَالُ مُطْلِعَتِنَا لَا تَرُدُّ فَقَالَ لَهُ وَمَا ذَاكَ يَا أَبَا
الْحَسَنِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى لَمَّا فَتَحَ عَلَيَّ يَدَيْهِ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ فَذَكَرَ مَا وَالَاهَا لَمْ يُوجِفْ عَلَيْهِ
 بِخَيْلٍ وَلَا بِكَابٍ فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَى نَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ
 وَأَتَتْ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ فَلَمْ يَذِرْ رَسُولُ اللَّهِ مِنْهُمْ قَرَأَ جَعْفَرُ فِي
 ذَلِكَ حَبْرِيْلُ رَبِّهِ فَأَوْحَى اللَّهُ إِلَيْهِ أَنْ أَدْعُ فَذَكَرَ إِلَى فَايَمَةً
 فَدَعَا رَسُولُ اللَّهِ فَقَالَ لَهَا يَا فَايَمَةُ إِنَّ اللَّهَ أَمَرَنِي أَنْ أَدْعُ إِلَيْكَ
 فَذَكَرَ فَقَالَتْ قَدْ قَبِلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ هِيَ اللَّهُ وَمَعَكَ
 فَقَالَ لَهُ الْمُهْدِيُّ يَا أَبَا الْحَسَنِ! حَدِّثْنِي فَقَالَ حَدِّثْنِيهَا
 جَبَلٌ أَحَدٌ وَحَدٌّ مِنْهَا عَرِيشٌ مُضَرٌّ وَحَدٌّ مِنْهَا سَيْفٌ بَلْعَرٌ
 وَحَدٌّ مِنْهَا دُومَةٌ الْجَنْدَلِ فَقَالَ لَهُ كُلُّ هَذَا أَقَالَ نَعَمْ يَا أَمِيرَ
 الْمُؤْمِنِينَ هَذَا كُلُّهُ إِنَّ هَذَا كُلُّهُ مُتَمَّا لَمْ يُوجِفْ عَلَى أَهْلِ رَسُولِ
 اللَّهِ بِخَيْلٍ وَلَا بِكَابٍ فَقَالَ كَثِيرٌ وَ أَنْظِرْ فِيهِ .

(امول کافی مطبوعہ لا مکتور کتاب الحجۃ باب الفی والا انفال ص ۳۵۴)

طبع قدیم / امول کافی جلد اول ص ۳۵۴ کتاب الحجۃ مطبوعہ تہران
 طبع جدید)

ترجمہ: علی بن محمد بن عبد اللہ نے ہمارے بعض اصحاب سے نقل کیا۔ جسے میں
 ”دیاری“، گمان کرتا ہوں۔ اور اس نے علی بن ابی طالب سے روایت کی۔
 کہ جب امام ابو الحسن موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ ہمدی کے پاس گئے۔ تو
 اس وقت غلیفہ زیادیتوں کو رفع کر رہا تھا۔ تو امام موسیٰ نے کہا: امیر المؤمنین
 ہمارے اوپر زیادیتوں کا کیا عمل ہے؟ وہ ہمیں کیوں نہیں لوٹائی جاتیں۔
 تو غلیفہ نے پوچھا۔ وہ کیا ہیں؟ امام موسیٰ کاظم نے کہا۔ وہ یہ ہیں۔ کہ جب
 اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ”فدک“، عطا فرمایا۔ اور اس کے

لمنی کو بھی عطا کیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کے حصول کے لیے زکوٰۃوں سے ملو کیا۔ اور نہ ہی اونٹ اس پر دوڑائے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس (فدک) کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ ”قرابت والوں کو ان کا حق دیجئے“، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس اشارہ کو نہ جان سکے۔ پھر جبریل سے اللہ نے فرمایا۔ کہ اس کا مقصد یہ ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فدک کا رقبہ اپنی نعمتِ جگر فاطمہ کو عطا کر دیں۔ اس کے بعد آپ نے جناب فاطمہ کو بلایا۔ اور فرمایا: فاطمہ! اللہ نے مجھے حکم دیا ہے۔ کہ میں تجھے فدک دے دوں۔ تو عرض کی: یا رسول اللہ! اللہ اور آپ کی عطا مجھے قبول ہے۔

یہ سُن کر خلیفہ مہدی نے امام موسیٰ کاظم سے کہا۔ اے ابومن! اس (فدک) کی حدود اربعہ بتلاؤ! کہا اس کی حد بندی یہ ہے۔ کہ ایک طرف اس کے احد پہاڑ دوسری طرف عریش مصر تیسری طرف سیف البحر اور چوتھی طرف دومت الجندل ہے۔ (ان پیار اطراف کے اندر تمام رقبہ ”فدک“، ہے) پوچھ لیا ان اطراف کے اندر پورا رقبہ کہا۔ ہاں یا امیر المؤمنین مکمل رقبہ اس کا رقبہ ہے۔ اور یہ تمام ملا تو رقبہ دوسرا ہے۔ کہ جس کے بایوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دھکھوڑے دوڑائے۔ اور نہ ہی اونٹ۔ تو یہ سُن کر خلیفہ مہدی نے کہا۔ بہت بڑا رقبہ ہے۔ میں اس بارے میں سوچوں گا۔

سوال:

جب آپ نے تین روایات کے ذریعہ اس کی حد بندی ملاحظہ فرمائی۔ تو میں اس کے بعد شیعہ حضرات سے یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہوں۔ کہ ”فدک“ کی حد بندی جو امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی۔ جو روایت سوم میں ہے۔

وہ درست سمجھتے ہو! یا وہ حدود اربعہ جو نور اللہ شوستری یا سید مظہر حسین نے بیان کی ہیں وہ قابل اعتبار ہیں؟

اگر نور اللہ شوستری اور سید مظہر حسین کی بیان کردہ حدود فدک تمہارے ہاں درست تسلیم کی جاتی ہیں۔ تو انہیں صحیح ماننے سے یہ لازم آیا کہ امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ ”حدود فدک“، ان کی طرف محض فسوب کی گئی ہیں۔ خود ان کی بیان کردہ نہیں۔ اور ایک من گھڑت اور بے سرو پا روایت کو امام موصوف کی طرف نسبت کر کے دراصل اس روایت کو صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی ذات پر کھینچ کر اچھالنے کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ تاکہ مگرچہ کچھ کی طرح آنسو بہا کر جاہل لوگوں میں یہ تاثر دیا جاسکے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ”فدک“، کی اتنی بڑی جائیداد تھی۔ جس کو اس وقت کے خلیفہ نے زبردستی یا کسی بہانہ سے ان سے چھین لیا تھا۔ تاکہ سیدہ اپنی زندگی بے کسی اور بے بسی میں بسر کریں۔ اور یہ غاصب لوگ ان کی بے بسی پر خوش و غرم ہوں۔

اور اگر اس کے برعکس خود امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کی طرف فسوب کردہ روایت درست ہے۔ تو اس کے حدود اربعہ کے اعتبار سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ ایک بہت بڑا وسیع رقبہ تھا۔ جس کے ایک طرف کوہ احد ہے۔ جو مدینہ منورہ سے تقریباً تین میل جانب شمال میں ہے۔ دوسری طرف حریش مصر ہے۔ جو شام کی طرف سے مصر جانے والے راستہ پر واقع ہے۔ بحیرہ روم کے ساحل پر مصر کی سرحد ہے۔ تیسری طرف کنارہ بحر جس سے مراد اکثر طور پر ”بحر عمان“ کا کنارہ ہوتا ہے۔ واقع ہے۔ اور چوتھی طرف دوترا البندل جو دمشق کی جنوبی طرف پانچ دن کی مسافت پر واقع ہے۔ اور مدینہ منورہ سے تقریباً پندرہ سولہ دن کی راہ بنتی ہے۔

(صافی شہرہ کافی)

باغ فدک کے علاوہ سات باغ اور بھی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے قبضہ میں تھے نبی علیہ السلام پر کنبہ پروری کا اتہام

فروع کافی :-

اس بابیہ اور کے علاوہ اور بھی سات باغ امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کی روایت سے سیدہ فاطمہ کی ملکیت میں مذکور ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

فَلَمَّا قَبِضَ بَجَاءِ الْعَبَّاسِ يُخَاصِمُهَا طِمَّةً فِيهَا قَتِيلَةٌ عَلَيْهِ
عَلَيْهِ السَّلَامُ وَغَيْرُهُ أَتَاهَا وَقَفَتْ عَلَى فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ
وَوَحَى الذِّكْرُ لَهُ وَالْعِصْفَانِ وَالْحُسْنَى وَالْمُتَافِقَةُ وَمَا لَكُمْ إِبْرَاهِيمَ
وَالْمِشْبُوبَ وَالْبَرْقَةَ۔

ترجمہ : پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحلت فرما گئے۔ تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے سات باغات کے بارے میں تنگنوا کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ و غیرہ نے ان کے بارے میں شہادت دی۔ کہ یہ سب حضرت فاطمہ کو وقف کر دیئے گئے ہیں۔ وہ سات باغات یہ ہیں۔ دلال۔ حفاف، حسنی، صافیہ، مالام، ابراہیم، میشب اور برقہ۔

۱۱) (فروع کافی جلد ہفتم کتاب الوصایا باب صدقات انبی ص ۳۳)

(۱۲) (تاج التواریخ جلد ۱۰ فاطمہ رضی اللہ عنہا ص ۲۴) (بیع تنرا)

امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ سے منقول دونوں روایتوں کو درست تسلیم کر لیا جائے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ملکیت دو فدک، کے

وسیع و عریض رقبہ کے علاوہ مذکورہ سات باغات بھی تھے۔ اور ان دونوں بامدادوں کے علاوہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اراضی اور باغات بھی ان کے زیر قبضہ و تصرف تھے تو اس تفصیل کے جاننے اور مان لینے کے بعد یہ ماننا بہت مشکل ہو گا۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ”فدک“ کے یہ اموال اپنی نعمت جگہ کو ہر کر دیئے تھے۔ کیونکہ اس کے ماننے سے شانِ نبوت پر ایک ریکھ حملہ ہوتا ہے۔ جس کا تذکرہ چند سطور آگے مل کر کروں گا۔ اور کتب شیعہ اس بات کو ملاحظہ بیان کرتی ہیں کہ ”فدک“ کی پیداوار ہزاروں دینار، تھی۔ ”محمد باقر مجلسی“ اپنی تصنیف ”روحیات القلوب“ میں ذکر کرتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک سے معاہدہ کر لیا کہ وہ ہر سال چوبیس ہزار دینار دیں۔ اور یہ بھی ہے کہ آپ نے خیبر کا سارا خمس بھی فاطمہ کو دے دیا تھا۔ نسخ التواریخ زندگانی فاطمہؓ ان تمام باتوں سے معلوم ہوا۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ سات باغات بھی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو عطا فرمائے۔ اور وہ فدک کے اموال نے جو کہ بموجب معاہدہ چوبیس ہزار دینار (جو لاکھوں روپے بنتے ہیں) رہتے۔ وہ بھی سیدہ کو دے دیئے۔ یہ تو وہ بامداد تھی۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اپنی نعمت جگہ کو ملی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اراضی اور باغات اس کے علاوہ ان کی ملک میں تھے۔

اتنی بڑی بامداد کی وارثہ بنا دینا کیا قرآن پاک کی اس آیت کے خلاف نہیں تھا۔
 حَتَّىٰ لَا يَكُونَتْ دَوْلَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِمَّنْ كُنُوْا۔ تو اس آیت کریمہ کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ اتنی بڑی بامداد کسی ایک شخص کو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمادی وراثت آپ کی ذات پر یہ الزام لگانا ہے۔ کہ آپ (معاذ اللہ) خویش پرور، خود غرض اور احکامات قرآنہ کی پرواہ نہ کرنے والے تھے۔ اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو رحمتہ الاعلیٰ عطا فرمائی، بایا۔ آپ اس کے عملی طور پر نمودار تھے۔

اصحاب مضافہ و دیگر وہ مہاجرین کہ جو غریب و مسکین تھے۔ اور انصار میں سے کچھ

وہ لوگ جو متاج تھے۔ ان میں سے بعض تو ایسے بھی تھے۔ کہ جنہیں تن ڈھانپنے کے لیے پورا کپڑا اور بھوک مٹانے کے لیے نان جو یہ بھی میرزا تھا۔ اور صرفی اقبال سے جہاد فی سبیل اللہ کے لیے ضروریات جہاد اور مصارف میں اتنی کمی تھی۔ کہ جس کا ثبوت آخری غزوہ تبوک کی صورت میں ہمارے سامنے نظر آتا ہے۔ اس غزوہ میں ابتداءً ہر ایک مجاہد کو کھجور کا ایک ایک دانہ کھانے کے لیے عطا ہوا۔ بعد میں چند مجاہدوں کو محرمی طود پر ایک ایک دانہ کھجور میرا سنا ہوا۔ اس تنگی اور بے سروسامانی کی وجہ سے اس غزوہ کو ہمیشہ العسر والہ کہا گیا۔ خود رب ذوالجلال نے قرآن پاک میں اس غزوہ کی ساریوں کی کیفیت ان الفاظ میں بیان فرمائی۔

ہمد رسالت میں صحابہ کرام کی شگدستی کا عالم

آیت:

وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا اتَّوَلَّوْا لِيَتَحِبَّهُمْ قُلْتُ مَا أَحْجَدُ مَا أَحْبَبْتُكُمْ عَلَيْهِ
تَوَلَّوْا عَيْنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ اللَّمْعِ حَزَنًا لَا يَجِدُ قَامًا يَتَفَقَّوْنَ
(پٹ آخری رکوع)

ترجمہ: اور نہ ہی ان صحابہ پر کوئی گناہ کا بوجھ ہے۔ جو آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے درخواست کرتے تھے۔ حضور! جہاد میں شرکت کے لیے ہمیں کوئی سامان اور سواری عنایت کیجئے۔ آپ نے انہیں فرمایا۔ کہ تمہارے لیے سامان و سواری کا انتظام میرے پاس نہیں ہے۔ یہ سن کر وہ غریب صحابہ اسی حالت میں واپس لوٹے۔ کہ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش جاری تھی۔ یہ حالت اس لیے ہوئی۔ کہ ان بیچاروں کے پاس اللہ کی راہ

میں فرج کرنے کے لیے کچھ بھی میسر نہ تھا۔

ایک طرف اصحاب صفاء اور مغرب مہاجرین ہوں۔ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے ضروری سامان و خوراک بھی نہ ہو۔ اور دوسری طرف لاکھوں کروڑوں کی جائیداد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خاتونِ جنت کو عطا فرمادی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ رویہ کیا درجۂ علوٰی کے وصیت کا غماز ہے؟ کیا اتنی بڑی جائیداد ثابت کرنے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خیر خواہ ہو سکتے ہیں!

یہ لوگ ایک طرف تو سیدہ خاتونِ جنت کی محبت کے دعویٰ میں اور دوسری طرف اس محبت سے حضرت ابو بکر صدیق کے ساتھ بغض و عداوت میں اس قدر حواس باختہ نظر آتے ہیں کہ خود اپنی کتابوں میں اس واقعہ کی طرف ان کی نظر ہی نہیں اٹھتیں۔ کہ جب خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا نے اپنے خانگی کام کاج میں ہاتھ بٹانے کے لیے لونڈی کا سوال کیا۔ تو بارگاہِ نبوی سے لونڈی کی بجائے در مسبحات اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر، کی تسبیحات پڑھنے کو ملیں۔ اور فرمایا۔ بیٹی! خادم اور نوکر سے ان تسبیحات کا پڑھنا تمہارے لیے بہت بہتر ہے۔ اگر اتنی بڑی جائیداد کی آپ مالک تھیں تو خدا دارِ دوت سے آپ کئی لونڈیاں خرید سکتی تھیں۔ اور کم از کم اپنی گھر یوز زندگی اتنی ٹھاٹھ باٹھ سے بسر فرمائیں۔ کہ کسی قسم کی کمی اور ضرورت نہ رہتی۔ لیکن سچی پیستے پیستے ہاتھوں کو چھالے پڑ جاتے ہیں۔ اور کئی کئی دن گھر کھانا نہیں پختا۔

ملکوتہ اور ابوداؤد میں مذکور ہے۔ کہ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے "فدک" کا سوال کیا۔ تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف انکار فرمادیا۔ اور اس کی آمد فی آپ اپنی زندگی میں فی سبیل اللہ، بنی ہاشم اور دیگر یتیم اور مسکین ضرورت مندوں پر صرف فرماتے رہے۔

اہل بیت رسول کو اللہ نے دنیاوی مال و دولت اور زینت و
زینت سے منع فرمایا

آیت:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قَدْ لَازَ وَاحِدَكَ إِنْ كُنْتُمْ تُشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَ
زِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا - وَإِنْ
كُنْتُمْ تُشْرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالذَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ
لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا.

(پہلے رکوع آخری)

ترجمہ: اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اپنی بیویوں کو فرادیں۔ اگر تم دنیوی زندگی
اور اس کی زینت کی تمہنی ہو۔ تو چلو تمہاری تنہا پوری کیے دیتے ہیں۔
اور تمہیں اچھے طریقے سے اپنے سے ملیندہ کر دیتے ہیں۔ اور اگر تمہاری
خواہش دینی ساز و سامان کی بجائے، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم
اور دار آخرت کا حصول ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ نے نیکو کار عورتوں کے لیے
بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔

اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ بھی اعلان فرمایا کہ

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ
تَطْهِيرًا -

(پہلے رکوع مل)

بے شک اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ ہے کہ اہل بیت! تم سے مال و دولت
کی حسب دور کر کے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دار آخرت

کی محبت کے مالی مقام و مرتبہ سے تم کو نواز دے۔

جب ازواجِ مطہراتِ سامانِ دنیا کا تصور اسامطابک کیا۔ تو اس کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھا نہ سمجھا۔ اور اس منغوض و مذموم دنیا کی حرص ان کے دل سے نکال کر لہارتِ قلبی مطافِ فرامی۔ تو کیا سیدہ خاتونِ جنت کے لیے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لعنت اور قابلِ مذمت چیز کو پسند فرما کر انہیں عطا کر دیا۔ جس دل میں لہارت اور پاکیزگی اُنی مٹی۔ وہ محبتِ دنیا سے معمور ہو گیا۔ اور جس غربت و فقر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لیے باعثِ فخر کہیں۔ اس سے سیدہ کو کوسوں دور رکھیں۔ جب سونے کے پہاڑ اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دینے پاہے۔ اور فرمایا۔ اے محبوب! اگر تم چاہو۔ تو یہ پہاڑ سونے کے بن کر تمہارے ساتھ اور احرامِ پلٹے رہیں۔ لیکن آپ نے منظور نہ کیا۔ شبِ معراج ایک بڑھیا کی شکل میں ”دنیا“ نے آپ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے داؤ لگایا۔ لیکن آپ متوجہ نہ ہوئے۔ اور اُسے منہ نہ لگایا۔ کیا ایسی الواعزم شخصیت سے یہ بادریا جاسکتا ہے۔ کہ جو خود ٹھکرا دیا۔ وہ اپنی محبتِ بگڑ کے سپرد کر دیا۔ جسے خود نفرت سے دیکھتے رہے۔ اُسے اپنی مٹی کا مطلع نظر نہ آیا۔ ماشاء اللہ ماشاء اللہ آپ خود دنیا کے طالب تھے۔ اور نہ ہی آپ کی اولاد امجاد میں اس کی طلب تھی۔ یہ محض افتراء و بہتان ہے۔ جو کسی نام نہاد و محبتِ اہل بیت کو ہی زیب دیتا ہے۔

مقامِ غور:

مذکورہ روایات میں دو باتیں قابلِ غور ہیں۔

۱۔ ”اِنَّ ذَا النُّفْرٰی حَقَّقَ“، کا جو شانِ نزول بیان کیا گیا۔ واقعی یہی

شانِ نزول ہے۔

۲۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے حق میں ”فدک“ کا فیصلہ ایک عورت اور ایک مرد کی شہادت سے کیا تھا۔ کیا یہ درست ہے؟
 جہاں تک ”آیت ذَا الْقُرْبَىٰ حَقُّهُ“ کے ضمن میں ”اصول کافی“ کے اندر جو قصہ مذکور ہے۔ وہ بے سرو پا ہے۔ جس کی ایک وجہ یہ ہے کہ شیعہ حضرات کے تمام مترجمین جن میں ”مقبول احمد“ بھی شامل ہے۔ اور تمام مفسرین نے اس بات کو تسلیم کیا۔ کہ ”سورۃ روم“ اور ”سورۃ بنی اسرائیل“ دونوں میں یہی۔ زیر بحث آیت کے ایران دونوں میں موجود ہے۔ گویا مکی زندگی کے دوران ”قرابت و اولیٰ“ کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیا جا رہا ہے۔ لہذا جس وقت یہ آیت اتری۔ اس وقت ابھی ”فدک“ کا مسئلہ ہی نہیں تھا۔ کیونکہ ”بائیاد“ محسوس ہجرت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تصرف آئی۔

تو کس قدر جہالت ہے۔ کہ ابھی ایک چیز زیر تصرف ہی نہیں آئی۔ اور نہ ہی اس کا کوئی چرچا تھا۔ تو ایسی معدوم بائیاد میں سے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو ”ذوی القربیٰ“ کے حقوق دینے کا حکم دیا۔ جس سے نہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف الایطاق کا حکم دیا جا رہا ہے۔ بلکہ خود اللہ رب العزت کی شان میں یہ کہنا پڑے گا۔ کہ اُسے بھی علم نہیں۔ کہ جو چیز ابھی زیر تصرف نہیں۔ اس کا حکم دے رہا ہے۔ اور یہ لوگ ”شیعوں“ ہیں۔ کہ اس معدوم کے ہر کرنے کی رٹ لگا کر جا رہے ہیں۔ اگر ایک اور پہلو سے اس مسئلے میں غور و فکر کی جائے۔ تو بھی ان حضرات کے دامن میں سوائے فدا کے اور کچھ نظر نہ آئے گا۔ جسے ہاتھوں میں لے کر قیامت تک اپنے منہ پر ناناں کا شیوہ ٹھہرا۔ ذرا روایات کا انداز دیکھئے۔

لکھتے ہیں۔ کہ جب جبرائیل امین ”آیت ذَا الْقُرْبَىٰ حَقُّهُ“ آیت لے کر حاضر ہوئے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کا مقصد و مضمون نہ سمجھ سکے۔ جس کی بنا پر آپ کو جبرائیل

شیعوں کی ایک گپ

ابو بکرؓ نے سیدہ فاطمہؓ کو فدک کی ملکیت کا پروانہ لکھ دیا

تھا مگر عمرؓ نے چھین کر پھاڑ ڈالا

شیعہ حضرات کی تقریباً اکثر چھوٹی بڑی کتب میں یہ من گھڑت قصہ ہمیں پڑھنے کو ملتا ہے کہ اُمّ ایمن اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما کی شہادت پر کہ نبی علیہ السلام نے باغ فدک سیدہ فاطمہؓ کے ملک کیا تھا۔ ابو بکرؓ نے جناب فاطمہؓ کو فدک کی ملکیت کا پروانہ لکھ دیا۔ اور وہ بخوشی لے کر گھر آ رہی تھیں کہ راستہ میں عمرؓ پڑے انہوں نے (معاذ اللہ) سیدہ فاطمہؓ کو دھکا دیا اور ان سے وہ پروانہ چھین کر پھاڑ ڈالا۔

جواب ہے :

اس من گھڑت قصہ کی تردید بالتفصیل تراجمہ آنے والی تمام اسماث سے بخوبی ہوگی۔ من جملہ اُن کہ باغ فدک مال فقی تھا۔ جو کسی کی ملک میں دیا جا ہی نہیں سکتا۔ لہذا یہ کہنا کہ نبی علیہ السلام نے سیدہ کو باغ فدک دے دیا تھا۔ جس کے چھین جانے پر فاطمہؓ نے دعویٰ کیا سیدہ فاطمہؓ، اُمّ ایمن اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم سب کی توہین ہے۔

فی الحال اختصاراً ہم شیعوں کی مذکورہ گپ کا جواب انہی کی معتبر کتاب سے پیش کیے دیتے ہیں۔

شرح ابن میثم۔

فَقَالَتْ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 قَدَّ وَهَبَهَا لِي، قَالَ فَمَنْ كَيْشَهِدُ بِذَلِكَ
 فَجَاءَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ وَ أُمُّ أَيْمَنَ فَشَهِدَا
 لَهَا بِذَلِكَ فَجَاءَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَ
 عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ فَشَهِدَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ يُقَسِّمُهَا، فَقَالَ
 أَبُو بَكْرٍ صَدَقْتَ يَا ابْنَةَ رَسُولِ اللَّهِ وَصَدَّقَ
 عَلِيٌّ وَصَدَقَتْ أُمُّ أَيْمَنَ وَصَدَّقَ عُمَرُ وَ
 صَدَّقَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ وَ ذَلِكَ أَنَّ لَكَ مَا لِي بِكَ
 كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْخُذُ
 مِنْ قَدَرِ قُوَّتِكُمْ وَ يُقَسِّمُ الْبَاقِي وَ يَحْمِلُ
 مِنْهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَ لَكَ عَلَى اللَّهِ أَنْ أَصْنَعَ
 بِهَا كَمَا أَكُنْ يَصْنَعُ، فََرْضَيْتُ بِذَلِكَ وَ أَخَذْتُ
 الْعَهْدَ عَلَيْهِ بِهِ .

(ابن میثم شرح نہج البلاغہ جلد ۳ صفحہ ۴۴۳)

ترجمہ: سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا (ابو بکر سے) کہ فدک نبی علیہ السلام نے
 مجھے ہبہ کیا تھا۔ ابو بکر صدیق نے پوچھا۔ اس پر کوئی گواہ؟ چنانچہ
 علی بن ابی طالب اور ام ایمن آئے اور انہوں نے اس کی گواہی دی
 اسنے میں عمر بن الخطاب اور عبد الرحمن بن عوف بھی آگئے، انہوں نے

گواہی دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فدک (کی آمدن) کو تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ ابو بکر نے کہا۔ اے بنت رسول! آپ نے سچ کہا۔ اتم زمین اور علی نے بھی سچ کہا۔ عمر اور عبدالرحمن نے بھی سچ کہا۔ یعنی اسے فاطمہؓ! آپ کو وہی کچھ ملتا رہے گا جو نبی علیہ السلام کے لیے تھا جیسا کہ نبی علیہ السلام فدک سے تمہاری خوراک بھرے لیتے تھے اور باقی تقسیم کر دیتے اور اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے تھے۔ اور میں خدا کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ آپ کو وہی کچھ دیتا رہوں گا۔ جیسے نبی علیہ السلام کا دستور تھا۔ حسن پر سیدہ راضی ہو گئیں اور اس پر ابو بکر صدیق سے عہد لے لیا۔

اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ علی مرتضیٰ اور ام ایمن نے فاطمہؓ کو فدک ہمہ کیے جانے کی گواہی ضرور دی تھی مگر بعد میں عمر فاروق اور عبدالرحمان بن عوف نے گواہی دی کہ عہد رسالت میں فدک کی آمدن تقسیم ہوتی تھی جس پر ابو بکر صدیق نے دونوں طرح کی گواہی میں یوں تطبیق دی کہ نبی علیہ السلام نے سیدہ فاطمہؓ کو فدک مکمل طور پر نہیں بلکہ آمدن کا کچھ حصہ دے رکھا تھا اور بقیہ آمدن فقرائے میں تقسیم ہو جاتی تھی اور ابو بکر نے قسم اٹھائی کہ عہد رسالت سے فاطمہؓ کا مقرر حصہ انہیں ضرور ملتا رہے گا۔ جس پر وہ راضی ہو گئیں اور اس پر ابو بکر صدیق سے عہد لے لیا۔



جواب ۵: یہ بارگاہ صدیقی میں افتراد ہے۔ کیونکہ اگر اس بات کو درست تسلیم کر لیا جائے۔ تو لازم آتا ہے۔ کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حکم قرآن کی اس بارے میں مخالفت کی۔ اور یہ بھی لازم آتا ہے۔ کہ آپ کے اس خلاف شرع فیصلہ پر کسی نے اعتراض نہ کیا۔ حالانکہ یہ ایسا زمانہ تھا کہ اس میں آزادگی رائے کا اتنا اہتمام تھا۔ کہ خلیفہ وقت کے فیصلہ کے خلاف بھرے مجمع میں ایک معمولی عورت کھڑے ہو کر لوگ سکھاتی تھی۔ کہ آپ نے غلط کہا۔ اور وقت کا خلیفہ اس بڑھیا کی بات بڑی خندہ پیشانی سے سنتا تھا۔ اگر درست ہوتی تو سر تسلیم خم و رد کوئی گرفت نہیں تھی۔

ہمد فاروقی میں عدل و انصاف کا عالم

منہج الصادقین

در وقتیکہ عمر بر بالائے منبر رفت و از مقالات در صدق منع کردنی بر خواست و ادوا گفت اَمْتَعْنَا مَا جَعَلَهُ اللّٰهُ لَنَا اِیْمَارًا مِّنْ یَّحْیٰی اَزْ اَنْبِیَآءِ حَقَّ عَلٰی اَزْوَاجِیْ مَا مَقَرُّوْهُ وِزَامًا اَنْتِیَارًا لِّبَدَسْتِ مَا دَادَهُ بَعْدَ اَزْ اَیْنِ اَیْتِ تَلَاوَتْ کَرْدَ (وَ اَمْسَکْتُ مَا حَدَّاهُتْ فِیْ نَظَارًا هَلَّا نَاخُذُ وَاِیْمَةً شَیْئًا).... پس عمر از رائے خود رجوع کرد۔ (تفسیر منہج الصادقین جلد دوم ص ۴۵۸ مطبوعہ تہران زیر آیت و اٰیتم احد بن قنطار)

ترجمہ: جس وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف لائے اور حق ہر میں گرانی کو منع فرمایا تو ایک عورت اٹھی اور کہنے لگی کیا آپ ہم سے اس چیز کو منع رکھنا چاہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے مقرر کی

ہے۔ اور اس کا ہمیں اختیار دیا ہے۔ اور اس کے بعد میرے ایک کوہِ تلاوت کی یعنی اور اگر تم عورت کو حتیٰ مہر میں ایک ڈھیر مال کا ابھی دو تو اس میں سے کوئی چیز نہ لو۔ عورت کی یہ بات کن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا۔

ہمارا اس واقعہ کو عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قارئین کے سامنے اس دور کی آزادی رائے کی تصویر اُبلے۔ جس میں کسی امیر و غریب، شاہ و گدا، شریف و ذلیل میں کوئی امتیاز نہ تھا۔ اور نہ ہی آیات و احکام قرآن کے خلاف کسی کی بات مسمیٰ تھی۔ جب غلامے راشدین کا دور ایسا مسود تھا۔ تو ہم کس طرح باور کر سکتے ہیں کہ خلیفہ اول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ”وَأَسْتَشْهِدُ وَاشْهَيْدُونِي مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونُوا رَجُلَيْنِ فَمَجْلُومًا مُتْرَكًا“ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ایک عورت اور ایک مرد کی گواہی پر فیصلہ فرما دیا۔ بلکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سامنے گواہی کا مسئلہ ہی نہ تھا۔ کیونکہ آپ نے اُس اصل بات کو ہی ختم فرما دیا۔ جس میں دعوئی وغیرہ تھا۔ ”انبیاء کرام کی وراثت درہم و دینار نہیں ہوتی۔ بلکہ علم ہوتا ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بتانے کا مطلب یہ تھا کہ اسے فاطمہ زہرا کی وراثت زرد جو اہر اور دینی مال و جائیداد نہیں ہوتی۔ بلکہ علم دین ہوتا ہے۔ تو انہیں اپنے والد کے ارشاد کے مطابق اس مسئلہ کو اٹھانا ہی نہیں چاہیے تھا۔ جب ابو جعفر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بتلایا۔ تو کیا اس مقام پر ہم کہیں کہ ”خاتونِ جنت“ ہونے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن کر اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ اور اس پر ناراضگی کا اظہار کیا۔ نہیں نہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس ارشاد سے قبل اگر کوئی بات دل میں تھی بھی۔ تو وہ بھی مناف ہو گئی ہوگی اور بلاچوں و چہرا سے حتیٰ سمجھتے ہوئے ابو جعفر رضی اللہ عنہ کو داد انصاف دی ہوگی۔

فدک کا مطالبہ سیدہ فاطمہ کی عصمت کے خلاف تھا۔
بقول شیعہ مؤرخ

ناسخ التواریخ؛

کلمہ اور دویعہ خداوند رحمن و مناعت محل اواز ملکوت رفیع تر بود باعوالی
وفدک چہ رسد و چہ بسیار وقت کہ حسین را اگر سنہ میخواست بانید و مطلق یک شبہ
ایشان را بساکی میرساند۔ مملکت دنیا و چشم او با پر ذبابے بمیزان،
نیرفت وفدک و عوالی چسیت حاصل عوالی کدام است،
اگر کوئی این خطا بد و خطبہ چہ بود و ای ہمد فزع و شکوئی چہ واجب
مے نمود پس در حضرت امیر المومنین اٹھارہ سارت کردن و معذرت
جستن با جلاب عصمت بنی نوت داشت، پاسخ این سخن را بدیں
گو نہ ساختگی کنیم کہ اسرار اہل بیت مستور است،

(ناسخ التواریخ زندگانی حضرت فاطمہ ص ۱۵۸)

مرزا محمد تقی شیعہ۔ طبع جدید تہران)

ترجمہ: سیدہ فاطمہ کی ہر بات اللہ کی طرف سے ودیعت کردہ ہوتی ہے
آپ کا مقام تمام جہانوں سے بلند تر ہے۔ آپ کو فدک اور اس
کے عوالی سے کیا قیمت حاصل ہونی تھی۔ آپ تو کئی وقت اپنے
بچوں حسن و حسین کو بھوکا سلا دیتی اور ان کا رات بھر کا کھانا سائل
کو دے دیتی تھیں۔ دنیا کی دولت تو ان کی نگاہ میں مکھی کے ایک
پر کے برابر بھی نہ تھی، فدک اور عوالی کی حیثیت ہی کیا ہے؟ اور ان کی

آمدن کس زمرے میں ہے؟

اگر تم پوچھو کہ سیدہ کے مذکورہ خطبے اور خطابات (ابو بکرؓ کے ساتھ) کیا معنی رکھتے ہیں اور وہ شکوے اور شکایتیں کیا تھیں؟ چنانچہ حضرت علیؓ کی بارگاہ میں سیدہ کا جسارت کرنا پھر معذرت کرنا لباس عصمت کے خلاف ہے۔

اس اعتراض کے جواب میں ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ اہل بیت کے اسرار چھپے ہوئے ہیں۔

مندرجہ بالا عبارت سے یہ امور ثابت ہوئے

۱۔ سیدہ فاطمہؓ کی ہر بات اللہ کی طرف سے ودیعت کردہ ہے۔ لہذا آپؓ کی شان کے خلاف کوئی بات آپؓ کی طرف منسوب کرنا آپؓ کی توہین ہے۔
۲۔ آپؓ کا مقام آتنا بلند ہے کہ ساری دنیا کی دولت آپؓ کی نگاہ میں ٹھیک کے برابر بھی نہیں فک کی توحیثیت ہی کیا ہے؟

۲۔ مذکورہ عبارت سے ثابت ہوا کہ شیعہ کتب میں جو اس قسم کی روایات ہیں کہ باغ فدک چین جانے پر سیدہ نے حضرت علیؓ کو سخت سست کہا اور کہا کہ تم لوں گھر میں چھپے بیٹھے ہو جیسے بچہ ماں کے رحم میں ہوتا ہے۔ اور یوں شیر خدا کی سخت بے ادبی کی (معاذ اللہ) یہ سب شیعہ روایات جھوٹ کا بلندہ ہیں اسی طرح فدک جیسی حقیر چیز کے لیے دختر رسول خداؐ ہوتے ہوئے

شکوہ دشکایت کرنے کی تمام شیعوہ روایات سیدہ کی عصمت کے خلاف اور آپ کے
دامن عصمت کو داغدار کرنے کی بدترین جسارت ہیں۔

دعوت فکر:

مذکورہ عبارت سے ایک درس ہمیں حاصل ہوتا ہے جو ہم انصاف کے نام پر
پورے مسلک شیعہ کے سامنے رکھتے ہیں۔ ممکن ہے کہ گم کردہ راہ کو ہدایت مل جائے
دیکھئے سیدہ فاطمہ کا علی مرتضیٰ پر ندک کے متعلق غضب ناک ہونا جب
شیعہ مورخ نے عصمت سیدہ فاطمہ کے خلاف دیکھا تو فوراً یہ تاویل کر دی کہ یہاں
کے اسرار میں سے ہے لہذا علی مرتضیٰ پر کوئی اعتراض نہیں! شیعو! سیدہ کا غضب
علیؑ پر اگر اسرار اہل بیت میں سے ہے تو ابو بکرؓ پر سیدہ کا غضب اور ناراضگی اسرار
اہل بیت سے قرار دیتے ہوئے شفیقت صدیقی کو تم بے داغ کیوں نہیں سمجھتے؟
ع شامد کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات؟



مال فی انفال کی تعریف اور اس کا حکم قرآن و ائمہ اہل بیت کے اقوال سے

نوٹ:

”باغ فدک“ کے بارے میں ہم نے جو مختلف روایات کتب شیعہ سے پیش کی ہیں۔ ان میں اگرچہ ان لوگوں نے بہت رطب و یابس سے کام لیا ہے۔ و درود و کوئی تک سے باز نہیں آئے۔ جس کی تردید ہم نے ٹھوس دلائل سے رد دی ہے۔ ان تمام باتوں کے باوجود ان روایات میں ایک بات سب سے قیمتی کی۔ مودہ یہ ہے۔ کہ ”باغ فدک و مال ہے۔ جو بغیر جنگ و جدال بطور صلحت نمودر سلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ آیا“

اور جو مال اس طریقہ سے مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ اسے ”مال فے“ کہتے ہیں۔ مودہ حشر میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

آیت:

وَمَا آتَاكَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ
رَنْ خَيْبٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَى مَنْ
يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

(سورۃ الحشر رکوع ۴ / پٹا)

ترجمہ: اور جو مال حق تعالیٰ نے اپنے رسول کو ان لوگوں سے بغیر رن و عطا کیا ہے

تو اس پر تم نے زنگھوڑے دوڑائے ہیں نہ اونٹ لیکن اللہ اپنے رسول کو جس جس پر چاہتا ہے مسلط فرمادیتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے۔

(ترجمہ مقبول احمد)

اس آیت کریمہ میں ”مال فتنے“ کی خود اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمادی۔ یعنی جو مال جنگ و جدل کے بغیر حاصل ہو۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ ”فدک“ روایت شیعوں کے مطابق اور تعریف قرآن کے مطابق ”مال فتنے“ ہے۔ تو اس قسم کے مال کا حکم کیا ہے؟ یعنی وہ کس کی ملکیت ہوتا ہے؟ اور اس کا مصرف کیا ہوتا ہے؟ ان چند باتوں کے جواب سے زیر نظر مسئلہ کی مزید وضاحت ہو گی۔ ہم اس سلسلہ میں مکتب شیعہ سے ہی اس کا حکم ذکر کرتے ہیں۔ سرِ دست پانچ حوالہ جات پیش خدمت ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

حوالہ نمبر (۱)

تہذیب الاحکام میں جناب باقر علیہ السلام اور جناب امام جعفر علیہ السلام سے فتنے اور افعال کے بارے میں منقول ہے کہ جو زمین اس طرح ہاتھ آئے کہ اس میں نہ خون بہایا گیا ہو (اور نہ ہی اس میں جہاد کی نیت سے گھوڑے دوڑائے گئے ہوں) بلکہ کسی قوم سے مصالحت کی گئی ہو۔ اور انہوں نے اپنے ہاتھ سے کچھ دیا ہو۔ اور جو زمین غیر آباد پڑی ہو۔ یا پانی کی تہ میں ہو۔ یا پانی کے راستہ میں ہو۔ سب کی سب فتنے اور افعال میں داخل ہے۔ اور اللہ اور اللہ کے رسول کی ملکیت ہے۔ اور اللہ کا حصہ بھی اس کے رسول کے اختیار میں ہے۔ کہ جس

صرف میں چاہے اسے صرف کرے۔ اور بعد رسول کے امام کو بھی وہی حق ہے۔

(ضمیمہ جات مقبول حواشی ص ۱۵۶ / انتقاد یک ڈپو لاہور)

حوالہ نمبر (۲)

ابو امانہ میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے منقول ہے۔ کہ انفال میں ہر وہ چیز داخل ہے۔ جو بغیر لڑائی کے کفار کے ملک سے ہاتھ آئے اور ہر وہ زمین جس سے اس کے رہنے والے بغیر لڑائی کے نکل جائیں جس کو فقہاء کی اصطلاح میں دھنئے کہتے ہیں۔

(ضمیمہ جات مقبول حواشی ص ۱۵۶)

حوالہ نمبر (۳)

عَنِ الْبَاقِرِ وَالصَّادِقِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ النَّبِيُّ وَالْإِنْفَالُ مَا كَانَ مِنْ أَرْضٍ لَمْ تَكُنْ فِيهَا هَرَاقَةٌ دَمٌ وَقَوْمٌ صَوْلِيَعُوا أَوْ أُعْطُوا بِأَيْدِيهِمْ وَمَا كَانَ مِنْ أَرْضٍ حَرْبِيَّةٍ أَوْ بَطُونٍ أَوْ دِيَّةٍ فَهُوَ كُلُّهُ مِنَ النَّبِيِّ وَالْإِنْفَالِ فَهَذَا كُلُّهُ لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَمَا كَانَ لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ يَضَعُهُ حَيْثُ شَاءَ وَهُوَ لِلَّهِ مَا مِمَّا بَعْدَ الرَّسُولِ

(تفسیر سانی جلد اول ص ۶۳۶ مطبوعہ تہران / زیر آیت یہ لفظ تک)

عن الانفال

ترجمہ: اما باقر اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ کہ انفال ہر وہ زمین ہے۔ جس کے حصول کے لیے خون ریزی نہ کی گئی ہو۔ اور

لوگوں نے بطور صلح اپنے ہاتھوں خود دوسے دی ہو۔ اور وہ زمین جو
غیر آباد ہو۔ یا پانی کی تہہ میں ہو۔ وہ بھی تمام کی تمام فے اور انفال میں
داخل ہے۔ اور فے انفال کا مالک اللہ اور اس کا رسول ہوتا ہے
تو جو اللہ کی ملکیت ہے۔ وہ بھی نیابتاً اس کے رسول کی ملکیت میں
ہوتی ہے۔ رسول کی مرضی اسے جہاں چاہے مرنے فرمائے۔ اور رسول
کے انتقال کے بعد امام اس کا مالک ہوتا ہے۔

حوالہ نمبر (۳)

عَنِ الصَّادِقِ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْأَنْفَالُ كُلُّ مَا أُخِذَ مِنْ دَارِ الْحَرْبِ
بِغَيْرِ قِتَالٍ وَكُلُّ أَرْضٍ انْجَلَى أَهْلُهَا عَنْهَا بِغَيْرِ قِتَالٍ وَتَسْتَعْرِضُ
الْقُتْمَاءُ فِيمَا وَالْأَسْرَ حُورُ الْمَوَاتِ وَالْحَامُ وَبَطْنُونَ أَوْدِيهِ
وَقَطَايِةُ الْمُنَازِلِ وَمِيرْيَاتُ مَنْ لَا وَارِثَ لَهُ وَهِيَ لِرَسُولٍ
يَلْبَسُ قَامَ مَقَامَهُ بَعْدَهُ (تفسیر صافی جلد اول ص ۶۳۶)

ترجمہ: امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”انفال“ ہر وہ
چیز ہے جو دار الحرب سے لڑائی کے بغیر حاصل ہو۔ اور ہر وہ زمین
جسے اس کے مالک بغیر لڑائی کے چھوڑ کر چلے جائیں۔ اسی قسم کی زمین
کو قہار مرنے، کہتے ہیں۔ غیر آباد زمین۔ جنگلات، پانی کے استے
بادشاہوں کی جاگیریں اور اس شخص کی وراثت جس کا کوئی وارث
نہ ہو۔ یہ تمام اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں۔ اور رسول کے بعد
اس کے لیے جو ان (رسول) کا قائم مقام ہو۔

حوالہ نمبر (۵)

سوم فئے است (یعنی منجملہ اموالیکہ ائمہ و ولایۃ وراں تصرف دارند و اُن
ملے است کہ اگر کفار مسلمانان مقتول شود بدون قتال و ایسات خلیہ و رکاب
و اُن رسول را باشد و در حال حیوۃ وی و بعد از وی کسی را کہ قائم مقام وی باشد
از ائمہ دین پیشانی ہر کسی را کہ نخواہند و خند و بر ہر چہ صلاح باشد صرف نمایند
و این قول امیر المومنین است۔

(تفسیر منہج الصادقین جلد ۲ ص ۲۲۳ مطبوعہ تہران / زیر آیت ما آفام
اللہ علی رسولہ / سورۃ حشر ۳)

ترجمہ: تیسرا مال فئے ہے۔ یعنی من جملہ ان اموال کے کہ جن میں ائمہ اور والیان حکومت
تصرف رکھتے ہیں۔ یہ وہ مال ہوتا ہے۔ جو کفار کی ملکیت سے مسلمانوں
کے پاس بغیر حرب و ضرب کے منتقل ہو کر آجائے۔ اس کے الگ رسول
خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوتے ہیں۔ جب تک بقید حیات ہیں۔ اور ان
کی وفات کے بعد اس شخص کی ملکیت قرار پاتے ہیں۔ جو پیغمبر کے
قائم مقام ائمہ دین میں سے ہوتے ہیں۔ پھر یہ لوگ جس کو چاہیں اس
میں سے عطا کریں۔ اور ہر اس کام پر خرچ کریں۔ جو بہتر ہو تا ہو یہی
قول امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ہے۔

ان پانچ حوالہ جات سے دو مال فئے، کی تعریف اور اس کا مصرف بخوبی
واضح ہو گیا۔ اب ہم اپنے مقصد کی طرف لوٹتے ہیں۔ وہ یہ کہ جب وہ مذکور کے
مصلحتی خود شنید روایات سے ثابت ہوا۔ کہ اسے بغیر جنگ و جدال کے بعض
مصلحتی طور پر کفار خیر نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تصرف دیا تھا۔ تو اس

طریقہ سے ”فدک“ کا شمار بھی مذکورہ روایات کی روشنی میں ”مال فئے“ میں ہوتا اور جب ”فدک“ مال فئے ٹھہرا تو اس کی ملکیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہوئی۔ اور اس کی آمدنی کا تصرف بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا۔ آپ کے وصال کے بعد جو شخص امام امت اور والی مملکت اسلامیہ بنا۔ یہ جائیداد نیا بتہ اس کے زیر تصرف آئی۔ اور وہ بھی اس کی آمدنی انہی ذات میں خرچ کرنے کا پابند تھا۔ جن پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف فرمایا کرتے تھے۔ لہذا معلوم ہوا کہ ”مال فئے“ جب کسی کی ملکیت میں نہیں دیا جا سکتا اور نہ ہی اس کا کوئی مالک بن سکتا ہے۔ تو ”فدک“ بھی کسی کی ملکیت نہ قرار پایا۔ اور نہ ہی اس کی ملکیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابو بکر صدیق (عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ) حضرت علی (امام حسن رضی اللہ عنہم) میں سے کسی کی طرف منتقل ہوئی۔ بلکہ اپنے اپنے دور میں یہ حضرات اس کے آئین ہو کر تصرف کرنے کا نیا بتہ اختیار رکھتے تھے۔ لہذا اگر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بالفرض سیدہ طاہرہ کے سوال کرنے پر انہیں یہ نہیں دیا تھا تو انہیں ایسا کرنا از روئے شرع لازم تھا۔ اور اس پر ان کے عدل و انصاف اور شریعتی استقامت کی داد دینی چاہیے۔ نہ کہ انہیں ظالم بنا کر لوگوں کے سامنے ان کا ڈنڈہ حورا پٹا جائے۔ لیکن عقل کے اندھوں کو اتنی بھد کہاں؟

سوال:

اگر کوئی شخص مذکورہ پانچ حوالہ جات کی روشنی میں اورایت کریر کے ضمن میں یہ سوال کرے۔ کہ ان میں صرف ”مال فئے“ کی تعریف اور اس کے مصارف کا ذکر آیا۔ یہ کہاں آیا ہے۔ کہ ”فدک“ بھی ”مال فئے“ تھا؟ یا کہ اس کے ثبات ہونے کے بعد بقیہ باتیں درست مانی جائیں۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے۔ کہ کچھ پھلی سطور میں ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ ان حوالہ جات

اور آیت قرآنی میں ”مال فئے“ کی تشریح و مصحف ذکر کیا گیا ہے کہ ”فدک“ مال فئے تھا یا نہیں؟ تو ایک قاعدہ کلیہ جب بیان کر دیا جائے۔ تو اس وقت اس قاعدہ کے تحت جو بھی چیز آئے گی۔ اسے وہی حکم دیا جائے گا۔ اس کی تمام جزئیات کا نام لے کر شمار کرنا نہ ضروری ہے۔ اور نہ ہی اس کی پابندی جب تمہارے حوالہ جات سے یہ ثابت کیا گیا ہے۔ کہ ”فدک“ بغیر جنگ و جدال کے حاصل ہوا۔ اور اس کی خاطر کوئی خون ریزی نہیں ہوئی۔ کفار نے مصالحتی راہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کیا تھا۔ اور جب ”فئے“ کی تشریح اس پر صادق آتی ہے۔ تو اسے ہم ”مال فئے“ کیوں نہ کہیں؟ جب ”فدک“ تشریح کے مطابق ”مال فئے“ ٹھہرا۔ تو ایسے مال کی کسی کو ملکیت نہیں دی جاتی۔ بلکہ اللہ اور اس کے رسول یا رسول کے نائب اس کے متصرف ہوتے ہیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ ”فدک“ مال فئے ہونے کے اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تصرف تھا۔ اور آپ کے انتقال کے بعد آپ کے نائب علیہ السلام کے زیر تصرف آیا۔ اس طرح یہ ایک دوسرے کی طرف منتقل ہوتا رہا۔

فدک مال فئے میں سے تھا

ناسخ التواریخ؛

وچوں فتح فدک نبیر دے سوارہ و پیادہ نمود بہتامت غاصغیر
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گشت وایں آید مبارکہ دلالت براین معنی تو
امدداشت

وَمَا آفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا

أَوْ جَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَكِنَّ اللَّهَ
يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيرٌ وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى
فِيهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ
وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْدًا يَكُونُ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ
وَالْفُقَرَاءِ وَمَا أَتَاكُمْ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ
فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ -

ترجمہ فارسی:

میں فرماید: انچیز ملک و مال کفار بار رسول متارگذاشتیم، سواران و پیاد
گان شمارنج تا سختن و دشمنانج ازم ساختن ندیدند کہ بہرہ و نصیبہ توانند کرد
لاجرم خاصہ و خالصہ خدا و رسولست و مقرر راست از برای منی نویشانندان
پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم و مساکین ایشاں تا در میان تو ننگراں دست بہت
نرود۔

(ناسخ التواریخ زندگانی حضرت فاطمہ ص ۸۳ ذکر

تفویض ضوابط فدک بغافلہ)

ترجمہ: جب فدک کی فتح سواروں اور پیادوں کی طاقت سے دشمنی اس
لیے تمام تر خاصہ پیغمبر ٹھہری۔ اور یہ آریہ مبارکہ اسی معنی پر حمل ہوتی
ہے کہ کفار سے جو کچھ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو مال فتنے دیتا ہے تو
وہ ایسا مال و علاقہ ہے جس پر تم نے گھوڑے نہ دوڑائے ہوں۔
اور فوڈونٹ مگر اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو جس علاقہ پر چاہے تسلط
دے دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ کچھ ملا توں

سے اپنے رسول کو جو کچھ مال فنی دیتا ہے تو اس کا حق دار اللہ اس کا رسول، رسول کا رشتہ دار۔ یتیم مساکین اور مسافریں ہیں تاکہ یہ مال تم میں سے دولت مندوں کے درمیان نہ گھومتا رہے۔ اور جو رسول تمہیں دے وہ لے لو اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ۔

مذکورہ بالا عبارت سے یہ امور ثابت ہوئے۔

(۱) علاقہ فدک پر فوج کشی نہیں کی گئی۔ بلکہ بغیر جنگ کے صلح کے ساتھ یہ علاقہ اسلام میں داخل ہوا اور ایسے علاقہ اور ایسے مال کو اللہ تعالیٰ کا قرآن اموال فنی قرار دیتا ہے۔

(۲) قرآن کی رو سے مال فنی رسول کے لیے ہے کہ وہ اس سے اپنا گھروں پر خرچہ پٹائیں اسی طرح آپ کے رشتہ داروں کے لیے ہے کہ اس میں سے انہیں بھی کچھ دیا جائے گا۔ اسی طرح مسلمانوں میں سے غریب مساکین یتامیٰ اور مسافریں کسے لیے ہے۔ گویا اس میں تمام اہل اسلام کا حق ہے۔

(۳) قرآن کریم نے اسے تمام یتامیٰ و مساکین و مسافریں پر خرچ کرنے کا حکم اس لیے دیا ہے تاکہ اسے صرف دولت مندوں کے لیے مختص نہ کر دیا جائے۔ اور غریب لوگ فاقہ کشی میں مبتلا نہ رہیں۔

یاد رہے کہ مذکورہ عبارت سے قبل بھی مرزا محمد تقی نے ناسخ التواریخ میں شرح و بسط کے ساتھ ثبوت کیا ہے۔ کہ فدک بغیر جنگ کے صلح کے ساتھ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا تھا۔ اس لیے مال فنی کہلہا۔

اور ابھی آپ گذشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ یہ مال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے اختیار و تصرف میں ہوتا ہے اور آپ اسے اللہ کے قرآن کے احکام کے مطابق اس کے ارشاد کردہ مصارف پر خرچ فرماتے ہیں۔ اور آپ کے بعد آپ کے جانشین خلیفہ کے تصرف میں ہوتا ہے اور وہ اسے سنت نبوی اور ارشاد قرآن کے مطابق لے شدہ مصارف پر خرچ کرتا ہے۔ اور بلا شک و شبہ خلفاء ثلاثہ نے یہی کچھ کیا فدک کا مال فی ہونا مجالس المؤمنین کے حوالہ سے بھی بحث کے آغاز میں بیان ہو چکا ہے اور مزید تسلی کے لیے اصول کافی کی عبارت پیش کی جا رہی ہے۔



عَنْ عَلِيٍّ بْنِ سَبَاطٍ قَالَ سَمِعْتُ وَرَدَ أَبُو الْحَسَنِ مُوسَى
عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى الْهَدْيِيِّ رَأَاهُ يُرِيدُ الْمَطَالِمَةَ قَالَ
يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ مَا بَالُ مُظْلِمَتِنَا لَا تُرَدُّ؟ فَقَالَ
وَمَا ذَاكَ يَا أَبَا الْحَسَنِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى
لَتَأْتِيَهُ عَلَى يَدَيْهِ مِنَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَلِكَ وَمَا وَالَاهَا لَمْ
يُوجِبْ عَلَيْهِ بِخَيْلٍ وَلَا بِرُكَابٍ (اصول کافی جلد اول ص ۲۰۰)

علی بن سباط سے روایت ہے کہ جب امام موسیٰ کاظم عباسی خلیفہ ہمدانی
کے پاس آئے تو دیکھا کہ وہ لوگوں کی غضب شدہ اولاک واپس کر رہا ہے
آپ نے کہا ہماری غضب لگ واپس کیوں نہیں کر رہا؟ کہا وہ کہوئی ہے
ابو الحسن؟ کہا جب اللہ نے نبی کو مذکور فتح دی تو اس پر گھوڑے نہیں ڈرائے
اب صافی شرح اصول کافی سے اسی جگہ مذکورہ حدیث کی وضاحت ملاحظہ فرمائیں
لَمْ يُوجِبْ مَعْلُومٌ مِنْ بَابِ أَعْمَالٍ اسْت - وضمیر مستتر راجع برسول
است - «بار» در پختیل برائے تعدیہ مفعول دوم است -
و مفعول اول مخذون است - بتقدیر لَمْ يُوجِبْ الْعُسُكُ -
و اشارہ است - بقول اللہ تعالیٰ در سورہ حشر «وَمَا آفَاءُ اللَّهِ

مَعْلَى رَسُولِهِ» (سورہ حشر پ ۲)

ترجمہ «لَمْ يُوجِبْ» نفعی جہد معلوم باب افعال سے ہے۔ اس
میں مستتر ضمیر «هُوَ» رسول کی طرف لوثی ہے۔ «بِخَيْلٍ» کے
لفظ پر داخل شدہ درحرف بارہ اس فعل کو دوسرے مفعول کی طرف
متعدی کرنے کے لیے آتی ہے۔ اور مفعول اول عبارت میں مخذون
کیا گیا ہے۔ یعنی «لَمْ يُوجِبْ الْعُسُكُ»، ان الفاظ

(لَمْ يُوجِفْ بِحَيْلٍ) کے ذکر فرمانے کا مقصد دراصل اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ جو سورہ شہر میں واقع ہے۔ ”وَمَا آفَاءَ اللَّهِ عَلَى رَسُولِهِ الْخَمَّ“

وضاحت

مذکورہ عبارت میں ”صاحب صافی“ نے یہ بات واضح کر دی۔ کہ امام موسیٰ کاظمی رضی اللہ عنہ نے خلیفہ مہدی کے دربار میں ”باغ فدک“ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے جو یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔

”وَلَمَّا هَمَّتْ عَلَى حَبِيبَةٍ فَذَكَرَ مَا وَالَاهَا وَلَمْ يُوجِفْ حَيْلًا بِحَيْلٍ وَلَا زَكَايَا“ تو ان سے ان کی صاف طور پر مراد تھی۔ کہ ”باغ فدک“ بھی آیتانے میں داخل ہے کیونکہ ”مال فتنے کی طرح اس کے حصول کے لیے کوئی جنگ و جدال نہ ہوئی۔ بلکہ کائنات نے محض صلح کرتے ہوئے یہ جائیداد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تصرف دے دی تھی۔

دو ضروری باتیں :

۱۔ شیعہ دینی دونوں کی معتبر کتب سے ثابت ہے۔ کہ اموال فتنے (جس میں فدک بھی شامل ہے) کے متعلق جو عمل اور طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا اور جن مصارف پر آپ اسے خرچ فرمایا کرتے تھے۔ انہی مصارف پر آپ کے انتقال کے بعد خلیفہ اول ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، خلیفہ ثانی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، خلیفہ ثالث عثمان غنی رضی اللہ عنہ، خلیفہ رابع علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور امام حسن رضی اللہ عنہ صرف کرتے رہے۔ آپ کے عمل اور طریقہ میں کوئی بے فرق نہ کیا۔ اور نہ ہی ان اموال میں کوئی تغیر و تبدل کیا، گویا قرآن پاک میں

مذکور ہدایت اور حکم کے مطابق اسے تصرف میں لاتے رہے۔ حتیٰ کہ ”مروان“ کا دور آیا۔ تو اس نے ”فدک“ میں رد و بدل کیا۔ اس کے بعد جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا۔ تو انہوں نے ”مروان“ کے طریقہ کو ختم فرما کر پھر سے وہی طریقہ و عمل جاری فرمایا۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کا تھا۔

اس وضاحت کے پیش نظر اگر کوئی متعصب، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس بنا پر غاصب، ظالم اور منافق تک کے الفاظ کہتا ہے۔ کہ ان حضرات نے ”فدک“ میں رد و بدل کیا۔ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بیٹے کی بجائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل و طریقہ کو مقدم رکھا۔ تو پھر صرف یہی دو حضرات ہی مورد الزام نہ ٹھہریں گے۔ بلکہ اس طریقہ اور عمل پر جو بھی کاربند رہا۔ وہ بھی ان الفاظ کا مصداق قرار پائے گا۔ کیونکہ یہ طریقہ و عمل جب یکساں ٹھہرا۔ تو اس طریقہ پر حکم بھی ایک بیسا ہو گا۔ لہذا یہ الفاظ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، امام حسن رضی اللہ عنہ، بلکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات پر بھی صادق آئیں گے۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

۲۔ دونوں فریق کی کتب اس بات کی بھی شہادت دیتی ہیں۔ کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ اے دختر رسول خدا میں جب تک زندہ ہوں۔ اموال منے (فدک وغیرہ) میں وہی طریقہ اور عمل جاری رکھوں گا۔ جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا تھا۔ اس میں قطعاً کوئی رد و بدل نہ کروں گا۔ اور تغیر و تبدل کے ذریعہ کوئی دوسرا طریقہ ہرگز نہ اپناؤں گا۔

ہاں یہ پیش کش کئے دینا ہوں۔ کہ میرے ذاتی مال و جائیداد میں اے دختر رسول! تمہیں کئی اختیار ہے۔ جو چاہیں، اسے لیں۔ یہ سب آپ پر قربان ہے، شہید کتاب ”حقائق التقلید“ کی عبارت ملاحظہ ہو۔

اموال و احوال خود را از تو مضائقہ ندارد۔ منہ آنچہ خواہی بکیر تفسید و اتمت

پدر خودی و شجرہ طبرہ از برائے فرزندان خود انکار فضل تو کسے نمی تواند کرد۔
و حکم تو نافذ است در مال من۔ اما در اموال مسلمانان مخالفت گفته پدر
تو نمی توانم کرد۔

(۱) (حق یقین ص ۱۲) باب پنجم ذکر احتیاج حضرت زہرا بابو بکورد

امر فدک (مطبوعہ تہران)

(۲) تاریخ التواریخ جزء اول از تاریخ خلفائے ۱۵ بالفاظ مختلفہ مطبوعہ تہران
طبع جدید تہران مصنف مرزا محمد تقی، نیز تاریخ التواریخ زندگانی فاطمہ ص ۱۳۸

ترجمہ: میں اپنے اموال و احوال کو تم سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا آپ
اس میں خود مختار ہیں۔ جو چاہیں لے سکتی ہیں آپ اپنے والد گرامی کی امت
کی سیدہ ہیں اور اپنے فرزند کے لیے ”شجرہ طبرہ“ ہیں۔ آپ کے
فضل کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ اور آپ کا حکم میرے ذاتی مال میں
نافذ ہے۔ لیکن مسلمانوں کے اجتماعی مال میں آپ کے والد بزرگوار کے
ارشاد کی مخالفت نہیں کر سکتا۔

اسی مقام پر کچھ سطور پہلے اسی کتاب ”حق یقین“ میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ
نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کچھ فرمایا۔ اس کی جھلک ملاحظہ ہو۔
فدک کے متعلق خدمت فاطمہ میں صدیق اکبر کی نہایت مختصراً گزارش
حق یقین:

ابو بکر گفت۔ اسے دختر رسول خدا پدر تو نسبت بومنان ششوق و کریم
و مہربان و رحیم بود۔ و بر کافران عذاب الیم و عقاب عظیم بود۔
و اورا کہ نسبت میدہم پدرت دزدان دیگو و برادر شوہرت دزدان
دیگو اورا اختیار کرد برہم خویشی و او یاری او نمود و در ہر امر عظیم دوست

نیدار دشمار انکو ہر سعادت مندی و دشمن نیدار و شمار انکو ہر بد بختی
پس شما عزت پاکیزہ رسول اید و نیکان و برگزیدگان و راہ نمایان ماید
بسوی خیر و سعادت و جنت و قوی برگزیدہ و زنان و دختران بہترین
پسند بان راست گوئی در گفتار خود سبقت داری بر ہمہ بسبب وفور و عقل
خود و کسی تو را از حق خود بر نمیگرداند بخدا سوگند کہ من از رائی رسول خدا تجاوز
نہ کردہ ام و آنچه کردہ ام باذن او کردہ ام و خدا را گواہ میگردم کہ شینہ ام
از رسول خدا کہ گفت ما گردہ انبیاء میراث نمیگذاریم نہ طلا و نہ نقرہ و نہ قاذو و نہ
عقار و نیست میراث ما مگر کتاب و حکمت و علم پیغمبری و آنچه طعمہ بالاست
ولی امر خلافت بعد از ما و رآن حکم میکند بحکم خود و من چنان کردہ حکم کردم
کہ آنچه تو از ما طلب می کنی صرف اسباب و اسلحہ شود کہ مسلمانان با کفار قتال
کنند و ای را با اتفاق مسلمانان کردہ ام و درین امر منفرقہ نہا نبودہ ام۔
(حق الیقین ص ۱۲۶) باب پنجم خطبہ حضرت صدیق اکبر علی

ناخ اتواریخ زندگانی فاطمہ ص ۱۴ طبع تہران

ترجمہ: ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اے خدا کے پیغمبر کی نعمت بجز
آپ کے والد گرامی مومنوں کے لیے انتہائی مشفق، کریم، مہربان اور
رحیم تھے۔ اور کفار کے لیے دردناک عذاب اور ہیبت بڑی سزا تھے
ان کے بارے میں جو کچھ نسبت کر سکتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ وہ آپ
کے والد تھے۔ نہ کہ دوسری عورتوں کے۔ اور آپ کے خاندان کے
بھائی تھے کسی اور کے نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو
اپنے اعزہ و اقارب پر پسند فرمایا۔ اور حضرت علی نے بھی ان کی
خوب مدد کی۔ ہر سعادت خدا ہی آپ کو عزت کی نگاہ سے دیکھے گا۔

اور صرف بد بخت ہی آپس سے دشمنی کرے گا۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ اولاد ہیں۔ اور ہم میں سے نیک اور برگزیدہ ہیں۔ ہر سعادت اور خیر و رحمت کی آپ ہمارے لیے راہ نمایں۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دختران نیک اختر سے پاکیزہ تر ہیں۔ گفتار میں سچی ہیں۔ عقل و سمجھ میں سب سے بڑھ کر ہیں۔ کوئی بھی آپ کو آپ کے حق سے محروم نہیں کر سکتا۔ اللہ کی قسم! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے سے تجاوز نہیں کیا۔ اور جو کچھ کیا ہے۔ ان کے ہی اذن سے کیا ہے۔ میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں۔ کریں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا۔ آپ نے فرمایا۔ ہم گروہ انبیاء میراث چھوڑ کر نہیں جاتے۔ دچاندی، نہ سونا نہ گہر نہ ہی زمین ہماری وراثت ہوتی ہے۔ ہماری وراثت صرف کتابیں، حکمت اور علم پیغمبرانہ ہوتا ہے۔ اور جو کچھ ہماری خوراک ہوتی ہے۔ اس میں ولی امر ہمارے بعد خلیفہ ہوتا ہے۔ اور اس بارے میں وہ ہی فیصلہ کرتا ہے۔ میں نے بھی اسی طرح فیصلہ کیا۔ اور جو آپ نے مجھ سے طلب فرمایا۔ وہ مسلمانوں کے اجتماعی امور میں صرف ہو گا۔ مسلمان اس سے سامان جنگ خریدیں گے۔ اور کفار کے ساتھ جنگ کریں گے۔ اور یہ فیصلہ میں نے مسلمانوں کے اتفاق سے کیا ہے۔ اس فیصلہ میں میں تنہا نہیں۔

خلاصہ کلام :

”حق ایتین، کی اس عبارت سے یہ بات بالکل ٹھکر کر سامنے آ جاتی ہے

کر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت خاتونِ جنت کو اپنے مال و متاع میں تصرف کرنے کا بھی اختیار عطا کر دیا۔ لیکن باغِ فدک، چونکہ اجتماعی مفاد کے لیے وقتِ نقد اس لیے اس کو دینے سے معذرت کی۔ اور یہ مرت ان کی اپنی رائے اور ذات کا فیصلہ تھا۔ بلکہ صحابہ کرام کا اجتماعی اور متفقہ فیصلہ تھا۔ جس کی پشت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک تھی۔ یہ ہی وجہ ہے کہ اس کی مخالفت حضرت علیؑ نے اپنے زمانہ خلافت میں بھی نہیں فرمائی۔ بلکہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فیصلہ پر ہی عمل فرماتے رہے۔

باغِ فدک سے محرومی پر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خلیفہ وقت سے ناراضگی کی تحقیق

”مسئد فدک“ میں ایک بات خاص طور پر توجہ طلب ہے۔ وہ یہ کہ فدک سے محرومی کی وجہ سے سیدہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا اس وقت کے خلیفہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ناراض ہو گئیں تھیں۔ ناراضگی کی یہ کہانی اہل سنت و جماعت کی کسی معتبر کتاب سے ان الفاظ کے ساتھ مراحۃً ثابت نہیں کی جاسکتی۔ کہ سیدہ نے خود فرمایا ہو۔ ”کہ میرا حق غصب ہوا۔ لہذا میں ابو بکر سے سخت ناراض ہوں۔“ انہوں نے مجھ پر زیادتی کی۔ اس لیے میں ان سے کبھی بھی بات چیت نہ کروں گی۔“

اس بارے میں راقم الحروف کا دعویٰ ہے۔ کہ کوئی شخص اہل سنت و جماعت کی کسی معتبر کتاب سے اس قسم کا ثبوت پیش نہیں کر سکتا۔ ہاں جو الفاظ پیش کیے جاسکتے ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ ”فَقَصَبْتُ حَاطَةَ الْبَا بَكْرٍ“ یعنی فاطمہ رضی اللہ عنہا غصہ کر گئیں۔ اور ابو بکر سے گھٹو ترک کر دی۔ اس سے زیادہ کوئی حوالہ پیش نہیں کیا

جاسکتا۔

اے ان الفاظ کے بارے میں تحقیق کریں۔ کہ کیا ان الفاظ سے واقعی سیدہ کی ابو بکر سے ناراضگی ثابت ہوئی۔ اور عمر بھر کے لیے انہوں نے ابو بکر صدیق سے غلط کرنا بند کر دی۔ سب سے اہم بات یہ ہے۔ کہ یہ الفاظ راوی روایت کے خیالی کی ترجمانی تو کر سکتے ہیں۔ سیدہ خاتون جنت کا ارشاد نہیں بن سکتے۔ یعنی اس روایت کے راوی نے اپنا خیال ظاہر کیا۔ کہ میرے خیال میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ابو بکر سے ناراضگی کی۔ اور اس کی بنا پر قطع تعلق کر لیا۔ اس کی تائید اور دلیل یہ ہے۔ کہ ناراضگی ایک ایسا فعل ہے جس کا تعلق قلب انسانی سے ہوتا ہے جب تک منکظم اپنی ناراضگی اور خوشی وغیرہ افعال قلبیہ کا خود اظہار نہ کرے۔ دوسرے کو اس کا علم نہیں ہو سکتا۔ ہاں بعض دفعہ قرآن و حالات سے ان امور کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے لیکن حالات و قرآن سے لگایا ہوا اندازہ غلط بھی ہو سکتا ہے۔

وہ اندازہ لگانے والا معصوم ہی کیوں نہ ہو۔ حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کا واقعہ ہمارے سامنے ہے۔ جب جناب خضر علیہ السلام نے کشتی کو ناکارہ بنا دیا۔ تو حضرت موسیٰ نے حالات اور قرآن سے یہ معلوم کیا کہ کشتی اس لیے توڑی گئی ہے تاکہ اس کے اندر سوار لوگوں کو ڈبو یا جائے۔ گویا ان کی رائے میں حضرت خضر علیہ السلام کے فعل کا مقصد یہی آیا۔ لیکن یہ اندازہ درست نہ تھا۔ بلکہ حورادہ تھا۔ اُسے حضرت خضر ہی جانتے تھے۔ کیونکہ اس کا تعلق افعال قلبیہ سے تھا پھر وقت آنے پر اپنے ارادہ بتلا دیا۔

اسی طرح جب حضرت موسیٰ علیہ السلام طوہر پہاڑ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلامی کے بعد فارغ ہوئے۔ اور واپس قوم میں تشریف لائے۔ تو حالات و واقعات سے ایک اندازہ لگایا۔ کہ میرے طور پر جانے کے بعد میرے بھائی ہارون نے

میری ہدایات پر پوری طرح عمل نہیں کیا۔ اور لوگ ان کی سستی یا کابل سے ناجائز فائدہ اٹھانے میں کامیاب ہو گئے۔ خدا وعدہ لا شریک کے ساتھ پھڑے کو شریک بنایا۔ اور اس کی پرستش شروع کر دی۔ حتیٰ کہ اتنا غصہ آیا۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کی دائڑھی اور سر کے بال پکڑ کر جھجھوڑا۔ لیکن یہ اندازہ درست نہ تھا۔ اور حضرت ہارون علیہ السلام سے کوتاہی اور سستی واقع نہ ہوئی تھی۔ اور حضرت ہارون علیہ السلام بالکل بے تصور تھے۔ ان دو قرآنی واقعات سے معلوم ہوا۔ کہ کبھی فعل کے لیے حالات و واقعات اور قرائن راہنما تو بن سکتے ہیں۔ لیکن اس کی حقیقت کی وضاحت اسی وقت درست اور یقینی ہو سکتی ہے۔ جب کہ محکم اور فاعل خود اس کبھی فعل کی حالت کا اظہار کرے۔

نوٹ:

یاد رہے بعض واقعات اور حالات کو راوی اپنے قیاس کے مطابق صریح سمجھ کر بیان کر دیتا ہے۔ لیکن اس کا وہ قیاس درست ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ محض ایک تاثر تھا۔ جو اس نے بیان کر دیا۔ حقیقت کچھ اور ہوتی ہے۔ تاریخ میں اس قسم کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ بلکہ حدیث پاک میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایسے واقعات موجود ہیں۔ ایک واقعہ غاظر ہو۔

ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ازواجِ مطہرات سے الگ ہو کر چند روز بلا غانا میں قیام پذیر ہو گئے۔ تو آپ کے اس رویہ سے کچھ لوگوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواجِ مطہرات کو طلاق دے دی ہے۔ جب یہ خبر اڑتی اڑتی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لائے جہاں بیٹھے ہوئے لوگوں میں آپس میں یہی گفتگو ہو رہی تھی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم طلاق دے دی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس بات

کی تحقیق و تفتیش کے لیے بالا خانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور اس بارے میں دریافت کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ طلاق کوئی نہیں دی۔ وہ سب میرے نکاح میں ہی ہیں۔

تو جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلطی نشیمنی اور علیحدگی سے کچھ لوگوں نے یہ قیاس و اندازہ لگایا۔ کہ آپ نے اپنی ازدواج کو طلاق دے دی ہے۔ حالانکہ ایسا قطعاً نہ ہوا تھا۔ اسی طرح اس روایت کے راوی نے جب اپنے شیخ اور استاد سے ”لَمْ تَنْكَحْهُ“ کے الفاظ سنے۔ تو اس سے یہ قیاس کر لیا۔ کہ یہ الفاظ ”سیدہ“ کی حالت غضب کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ لہذا اس قیاس کے مطابق غلط فہمی سے ”عَفِیَتْ“ کا لفظ زیادہ کر دیا۔ اور ایک دوسرے سے یہی نقل ہوتا رہا۔

حالانکہ ”لَمْ تَنْكَحْهُ“ کا مقصد یہ نہ تھا۔ کہ سیدہ غصہ ہو گئیں۔ اور غصہ میں اگر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کلام نہ کیا۔ اور واپس گھر آگئیں۔ بلکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ جب سیدہ خاتونِ جنت کو ”فدک“ کے بارے میں تسلی ہو گئی۔ اور انہیں اس کا علم ہو گیا۔ کہ اس میں بقول رسول خدا وراثت نہیں ملتی۔ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں وہی عمل و طریقہ باقی رکھا ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتی میں تھا۔ تو اس تسلی و تشفی کے بعد انہوں نے اس معاملہ میں مزید گفتگو نہ کی۔

یہ مفہوم جو لفظ ”لَمْ تَنْكَحْهُ“ کا ابھی بیان ہوا۔ اس کے مطابق ہم صحتِ اتنا کہہ سکتے ہیں۔ کہ راوی کو غلط فہمی ہوئی۔ کہ جس سے اس نے ان الفاظ سے ناراضگی سمجھی۔ لہذا اس غلط فہمی کی بنا پر راوی کے عدل و ثقاہت اور عدالت میں کوئی شک نہیں ہو سکتا۔

تو جس طرح پچھلے دو واقعات قرآن میں ہم ذکر کر چکے ہیں۔ کہ حالات و واقعات

کے غلط قیاس ہوا تھا۔ اور اس کی تصحیح اس طرح ہوئی کہ خود فاعل نے اپنے فعل کی وضاحت کر دی۔ کہ اس فعل میں میری کیفیت قلبی کیا تھی؟ تو اسی طرح جب تک سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی زبان اقدس سے صراحت یہ معلوم ہو کہ کہ اپنے اپنی قلبی کیفیت یعنی غصہ کا خود اقرار کیا۔ اور اس کا اپنی زبان سے اظہار کیا۔ اس وقت تک یہ کس طرح یقین کیا جاسکتا ہے۔ کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کن کر حضرت خاتون جنت ناراض ہو گئی تھیں۔ بلکہ اس وقت یہی کہا جائے گا۔ کہ راوی نے اپنے انداز سے اور قیاس سے اس عبارت سے ”غصۃ ہو نا، سمحا۔ حالانکہ ایسا نہ تھا۔ اور نہ ہی ایسا واقعہ تھا۔“ لَمْ تَكَلَّمْ کے الفاظ اپنے شیخ اور استاد سے سنے۔ اور ان سے ناراضگی کا مفہوم مراد مے کر ”غَضِبَتْ“ کا اپنی طرف سے اضافہ کر دیا۔ لہذا ایک اعتبار سے یہ روایت بالمعنی ہوئی۔

یہ سلبات ہے۔ کہ روایت بالمعنی میں غلط فہمی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ محکم کے الفاظ سے جو معنی سامع مخاطب کے ذہن میں آیا۔ اُس نے یہ سمجھا۔ کہ محکم کی اپنے کلام سے مراد بھی یہی ہوگی۔ حالانکہ بعض دفعہ سمجھا اور جاتا ہے۔ اور مراد محکم کچھ اور بھی ہوتی ہے۔

غَضِبَتْ فَاطِمَةُ والی روایت، روایت بالمعنی ہے، اس کے دلائل

ہم جب مختلف کتب حدیث کو اٹھاتے ہیں۔ اور ان میں ”روایت مذکور“ پڑھتے ہیں۔ تو اس روایت کو ہم تین صحابہ سے مروی پاتے ہیں۔ وہ تین یہ ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ، ابو ظہیر اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم۔

جہاں تک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ظہیر رضی اللہ عنہ

سے اس بارے میں روایت ہے۔ اس میں سرے سے ”عَفِیْبَتْ فَاطِمَةُ“ الفاظ میں ہی نہیں۔ تیسری راویہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت بذریعہ ”زہری“ ہے۔ اور امام زہری کے بیٹے سے شاگردوں میں سے بعض نے ناراضگی کا ذکر کیا۔ اور بعض نے سرے سے اس کا نام تک نہ لیا۔ جن بعض نے یہ الفاظ ذکر کیے۔ انہوں نے بھی بعض مواضع پر ان کا ترک کیا ہے۔ اور جہاں جہاں ناراضگی کا ذکر آیا ہے۔ ان میں سے کسی جگہ ناراضگی خود سیدہ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کے طور پر بیان نہیں کی گئی۔ تاکہ ان کی وجہ سے سیدہ کا غضب ناک اور ناراض نہ ہو۔ ثابت ہو سکے۔

ہم مزید اطمینان کے لیے ان تین صحابہ کرام سے مروی روایت کے مکمل الفاظ نقل کرتے ہیں۔ جن میں کوئی قطع و برید نہ ہوگی۔ تاکہ آپ خود پڑھ کر اطمینان حاصل کر سکیں۔ کہ یہ روایت، روایت بالمعنی ہے۔ اور روایت بالمعنی میں راوی کو غلطی ہو سکتی ہے جس کی بنا پر راوی نے ”لَمْ تَتَّكَلَّمْ“ سے ناراضگی سمجھ کر اسے بیان کر دیا اور بعد میں اُس نے والوں نے اسی رسم کو باقی رکھا۔

روایت البوفیل:

عَنْ أَبِي الْوَفِيلِ قَالَ لَمَّا قُبِضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْسَلَتْ فَاطِمَةُ إِلَى أَبِي بَكْرٍ أَنْتَ وَرَثَتَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْ أَهْلُهُ ؟ قَالَ فَقَالَ لَا بَلْ أَهْلُهُ قَالَتْ فَأَيْنَ سَهْمُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ إِذَا أَطْعَمَ

نَبِيًّا طَعَمَهُ ثُمَّ قَبَعَنَهُ جَعَلَهُ لِلَّذِي يَقُومُ مِنْ
بَعْدِهِ قَدْرًا يَتُ أَنْ أَدَاكَ إِلَى مُسْلِمِينَ فَقَالَتْ
فَأَنْتَ كَمَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(الفتح الربانی لترقیب مسند الامام احمد بن حنبل ایضاً فی جلد ۲)

۲۶۳ فی تذکرہ امتناع ابی بکر بن عطا فاطمہ مطہرہ بیروت طبع جدید

ترجمہ: ابو طفیل روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا۔ تو حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا نے کسی کو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ تاکہ دریافت کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تم وارث ہو یا آپ کے اہل! ابو بکر صدیق نے جواب دیا۔ نہیں بلکہ آپ کے اہل آپ کے وارث ہیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث کہاں گئی! ابو بکر صدیق کہنے لگے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ جب کسی پیغمبر کو میں کوئی چیز عطا کرتا ہوں۔ پھر وہ پیغمبر فوت ہو جاتا ہے۔ تو وہ چیز اس کے بعد بننے والے غیظہ کی حفاظت میں ہوتی ہے۔ لہذا میں نے یہ فیصلہ کیا ہے۔ کہ اس (باغ فدک) کو مسلمانوں پر خرچ کروں۔ جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غریب کرتے تھے۔ تو اس پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ کہ میں نے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا۔

روایت ابو ہریرہ :

عَنْ ابْنِ هُرَيْرَةَ عَنْ عَبْدِ التَّيْمِذِيِّ جَاءَتْهَا طِمَّةٌ إِلَى ابْنِ بَكْرِ
فَقَالَتْ مَنْ تَبْرِيكَ قَالَ أَهْلِي وَوَلَدِي قَالَتْ فَتَمَلَّ
لَا أَرَيْتُ ابْنًا قَالَ أَبُو بَكْرٍ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تُورِثُ وَلَكِنَّهُ أَعُولُ مَنْ كَانَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُولُهُ

(فتح الباری شرح بحاری کتاب فرض الخمس جلد ۶ ص ۱۵۱ مطبوعہ مصر)

ترجمہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس
تشریف لائیں۔ اور پوچھا تمہارا (مرنے کے بعد) کون وارث ہو گا۔
ابو بکر صدیق نے کہا میری اولاد اور میرے اہل۔ تو جناب فاطمہ رضی اللہ
عنہا نے پوچھا تو میں اپنے والد کی وارث کیوں نہیں؟ صدیق اکبر رضی اللہ
عنہ نے فرمایا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔ آپ نے فرمایا۔
ہم وراثت نہیں چھوڑتے۔ لیکن میں ہر اس آدمی کی کفالت کروں گا۔ جس
کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفالت فرماتے رہے۔

روایت صالح عن الزہری:

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي عَرَبَةَ عَنْ ابْنِ عَرَبَةَ عَنْ ابْنِ عَرَبَةَ عَنْ
صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ
هَاشِمَةَ أُمَ الْمُؤْمِنِينَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ فاطمة بنت رسول الله صَلَّى
الله عليه وسلم سَأَلَتْ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ بَعْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
أَنْ يَقِيمَ لَهَا مِيرَاثَهَا مَا تَرَكَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَسَلَّمَ مِمَّا أَفَاءَ اللهُ عَلَيْهِ فَقَالَ لَهَا أَبُو بَكْرٍ إِنَّ رَسُولَ

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تُورِثُ مَا تَرَكَنَا
 صَدَقَہُ فَعَضِبَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُولِ اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم فَهَجَرَتْ أَبَا بَكْرٍ فَلَمْ تَزَلْ مُهَاجِرَتُهُ
 حَتَّى تُوَفِّيَتْ وَعَاشَتْ بَعْدَ رَسُولِ اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم سِتَّةَ أَشْهُرٍ قَالَتْ وَكَانَتْ فَاطِمَةُ تُسَالُّ أَبَا
 بَكْرٍ تَصِيبُهَا مِمَّا تَرَكَ رَسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم مِنْ خَيْبَرٍ وَهَذَلِكَ وَصَدَقْتِهِ بِالْمَدِينَةِ فَأَبَى
 أَبُو بَكْرٍ عَلَيْهَا ذَلِكَ وَقَالَ لَسْتُ تَارِكًا شَيْئًا كَانَ
 رَسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يَعْمَلُ بِهِ إِلَّا آتَيْتُ
 عَمِلْتُ بِهِ فَإِنِّي أَخْشَى أَنْ تَرَكَتُ شَيْئًا مِنْ أَمْرِ
 أَنْ أُرِيعَ فَأَمَّا صَدَقَتُهُ بِالْمَدِينَةِ فَدَفَعَهَا عُمَرُ إِلَى
 عَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ فَأَمَّا خَيْبَرُ وَفَنْدَكُ فَأَمَسَكُمَا عُمَرُ
 وَقَالَ هُمَا صَدَقَہُ رَسُولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 كَانَتَا لِحَقُوقِهِ الَّتِي تُعْرَوُہُ وَنَوَائِيِہِ وَأَمْرُهُمَا إِلَى
 مَنْ وَلِيَ الْأَمْرَ قَالَ فَيُعْمَا عَلَى ذَلِكَ إِنْ يَوْمَ

• بخاری شریف باب فرض الخس جلد اول ص ۳۲۵ ملخص

نور محمد صالح المطالع کراچی

ترجمہ: حضرت عبدالعزیز بن عبداللہ ابراہیم بن سعد سے اوریر صالح سے
 صالح نے ابن شہاب سے روایت کی کہ عروۃ بن زبیر فرماتے ہیں کہ
 کرام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے مجھے بتایا کہ
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی دختر نکاح فرمیدہ فاطمہ

رضی اللہ عنہا نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث کے بارے میں دریافت کیا۔ جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بطور وقفے، دی تھی۔ تو انہیں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ہمارے مال میں میراث جاری نہیں ہوتی۔ ہم جو کچھ چھوڑ کر جاتے ہیں۔ وہ صدقہ ہوتا ہے۔ تو اس پر رسول خدا کی بیٹی عصفہ میں آگئیں۔ اور ابو بکر صدیق سے قطع کلامی کر لی۔ اور یہ قطع کلامی ان کی مدت عمر تک رہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد سیدہ فاطمہ صرحت چھ ماہ زندہ رہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ کہ جناب فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا، ابو بکر صدیق سے اس مترکہ مال کا حصہ بھی مانگتی تھیں۔ جو خیبر و فدک اور اس مال کا جو مدینہ میں تھا۔ لیکن ابو بکر صدیق نے انکار کر دیا۔ اور فرمایا۔ کہ ان اشیاء میں جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم تصرف فرمایا کرتے تھے۔ میں بھی اسی طرح تصرف کروں گا۔ کیونکہ میں ڈرتا ہوں، کہ اگر آپ کے طریقہ تصرف میں کچھ بھی کمی بیشی کی۔ تو گمراہ ہو جاؤں گا۔ لیکن آپ کا جو وقف مدینہ میں تھا وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی اور عباس رضی اللہ عنہما کو دے دیا۔ اور خیبر و فدک اپنے قبضہ میں رکھا تھا۔ اور کہا تھا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وقف تھا۔ جسے آپ نے ان ضروریات اور حاجات کے لیے رکھا ہوا تھا۔ جو گاہے بگاہے پیش آتی تھیں۔ آپ کے بعد اب ان کا اختیار و تصرف غلیف کو ہے۔ راوی کہتا ہے۔ کہ آج تک وہ اسی طرح ہیں۔

روایت شعیب عن الزہری

أَبُو الْيَمَانِ أَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ تَبَيَّنَ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ عَنْ
عَائِشَةَ أَنَّ فَاطِمَةَ أَرْسَلَتْ إِلَى أَبِي بَكْرٍ تَسْأَلُهُ مِيرَاثَهَا
مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّا آفَأَهُ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ تَطْلُبُ
مَدَقَّةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّتِي بِالنَّدِيَّةِ وَفَذَلِكَ وَمَا
بَعِيَ مِنْ خُمْسٍ خَيْرٌ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُورِثُ مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ لَكُمْ أَيْهَا كُلُّ آلِ مُحَمَّدٍ
مِنْ هَذَا الْمَالِ يَبْعِي مَا لَ اللَّهِ لَيْسَ لَهُمْ أَنْ يَزِيدُوا عَلَى الْمَاكِلِ وَ
إِنِّي وَاللَّهِ لَا أُخِيرُ شَيْئًا مِنْ مَدَقَّاتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهَا فِي عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ
لَا عَمَلَتْ فِيهَا بِمَا عَمِلَ فِيهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَتَشَقَّدَ عَلَيَّ ثُمَّ قَالَ إِنَّا قَدْ عَرَفْنَا يَا أَبَا بَكْرٍ فَضِيلَتَكَ وَذَكَرَ هَرَابَهُمْ
مِنَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَقَّقَهُمْ وَكَلَّمَ أَبُو بَكْرٍ هَذَا وَلَقَدْ
تَشَبَّهَ بِهِ الْقُرَابَةُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ أَمِلَ مِنْ قَرَابَتِي
(انھ) بخاری شریف جلد اول ص ۵۲۶ مناقب قرابت الرسول

ترجمہ: ابو الیمان بیان کرتے ہیں۔ کہ شعیب، زہری سے اور وہ مروی ہے
زہری سے اور یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے
ہیں۔ کہ یہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کسی آدمی کو حضرت ابو بکر صدیق رضی
اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ تاکہ ان سے اپنی اس میراث کا پوچھے۔

خلاصہ:

ہم نے تفصیل کے ساتھ روایات ذکر کر دی ہیں جو موضوع کے متعلق تھیں۔ آپ نے توجہ فرمائی ہوگی۔ کہ سلسلہ روایت میں ”ابو الطیٰل اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما“ سے ذکر کردہ الفاظ روایت میں تو ”عَلَيْهِ سَلَامٌ“ کا لفظ ہی موجود نہیں۔ باقی تین روایات جو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہیں۔ ان میں امام زہری کے واسطے سے ان کے صرف ایک شاگرد ”صالح“ کی ذکر کردہ روایت میں یہ لفظ آیا ہے۔ اہل امام زہری اسے روایات کرنے والے دو راوی (شعیب، خالد) اس لفظ کا ذکر نہیں کرتے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام زہری کے شاگرد و صالح نے جب اس واقعہ میں اپنے استاد زہری سے ”وَلَمْ تَكُنْ حَتَّى مَاتَتْ“ کے الفاظ سنے۔ تو اس سے خود اندازہ لگایا کہ سیدہ فاطمہ کا انتقال ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اپنی وفات تک کلام نہ کرنا بوجہ غصہ اور ناراضگی کے تھا۔ اس انداز سے اور قیاس کی بنا پر ”صالح“ نے ”وَعَلَيْهِ سَلَامٌ“ کا لفظ اپنی طرف سے بڑھا دیا۔ جو صرف اس کی اپنی سوچ کے مطابق تھا۔ حقیقت حال سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ کیونکہ سیدہ کا دم آخر تک کلام نہ کرنے کا اس مقام پر مفہوم یہ ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سوال و جواب کے بعد انہیں یہ بات سمجھ آگئی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ وہ صرف ان مستحقین پر صرف ہوگی۔ جن پر آپ خود صرف فرماتے رہے۔ تو اس حقیقت سے اگلا ہی کے بعد سیدہ نے پھر تادم آخر اس معاملہ میں ابو بکر صدیق سے قطعاً گفتگو نہ کی۔

اگر حقیقت میں آپ ناراض ہوتیں۔ اور بوجہ ناراضگی گفتگو کا بائیکاٹ

فرماتیں۔ تو اس کا صحابہ کرام، اہل بیت اور تابعین وغیرہ میں بہت چرچا ہوتا۔ اور خاص کر اہل مدینہ سے یہ بات چھپی زد رہ سکتی۔ لیکن ہیں صرف امام ازہری کے ایک شاگرد کی روایت میں اس کا تذکرہ ملتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی دوسرے شاگرد نے ان الفاظ کو ذکر نہیں کیا۔ جس سے معلوم ہوا۔ کہ ناراضگی واقعی۔ بلکہ راوی کا اپنا خیال تھا۔ جو اس نے ذکر کر دیا۔

فائدہ احادیث مذکورہ

فائدہ نمبر (۱)

”اَرَسَلْتُ قَاطِعَةً“ کے الفاظ سے معلوم ہوا، کہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کی شخصیتیں عدالت میں حاضری ایک غلط کہانی ہے۔ درست یہ ہے۔ کہ آپ نے کسی معتمد شخص کو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تھا۔

فائدہ نمبر (۲)

”جَعَلَهُ لِلَّذِي يَقُومُ مَقَامَهُ“ سے یہ فائدہ حاصل ہوا۔ کہ ”باغِ فدک“ اور دیگر اموال فتنے کے بارے میں شرعی ہدایات یہ تھیں۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ان میں تصرف کا وہ شخص مجاز ہوگا۔ جو آپ کے قائم مقام (خلیفہ) ہوگا۔

فائدہ نمبر (۳)

”مَا سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“ کے الفاظ

بتلاتے ہیں۔ کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، دربارِ فدک وغیرہ، کا سوال کرنا اس وجہ سے تھا۔ کہ انہیں یہ حدیث نہیں پہنچی تھی۔ جب سن لی۔ تو آخری دم تک پھر اس موضوع پر کلام نہ فرمایا۔ ”لَوْ تَتَحَدَّثُ حَقًّا مَا تَشْتِ“ کے الفاظ اسی مفہوم کو بیان کر رہے ہیں۔ یہ نہیں کہ مارے غصہ کے آپ نے تادم آخر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے گفتگو نہ فرمائی۔

فائدہ نمبر (۴)

مَنْ تَرَكْتَ قَالَ أَهْلِي وَوَلَدِي فَأَكْتُفِي مَا لِي لَا أَسِيْتُ کے الفاظ یہ بتلاتے ہیں۔ کہ سیدہ کے ذہن میں ایک سیدہ حاسا مسئلہ تھا۔ کہ جس طرح کوئی فوت ہو جائے اس کے اہل و عیال اس کے مال کے وارث ہوتے ہیں۔ اسی طرح میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ترک کی وارث ہوں۔ لہذا معلوم ہوا۔ کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف ”ہبہ“ کرنے کی روایت بے اصل ہے۔ حضرت خاتونِ جنت ہی نہیں بلکہ تقریباً انہماک المؤمنین بھی یہی سمجھتی تھیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث سے ہمیں بھی کچھ ملنا چاہیے۔ اسی بنا پر انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اپنا وکیل بنایا۔ تاکہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر ہمارے حقوق کا مطالبہ کریں۔ جب ان ازواجِ مطہرات نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ کاخِ حورِ ثناء والی حدیث سنی۔ تو اہمات المؤمنین نے اپنا مطالبہ ترک کر دیا۔ کیونکہ مسئلہ کی اصلیت معلوم ہو چکی تھی۔

فائدہ نمبر (۵)

جب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس مال کے بارے میں یہ فرمایا۔ کہ میں اس کو اسی طریقہ و حالت سے صرف کروں گا۔ جس کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف فرماتے رہے۔ تو یہ سن کر حضرت خاتونِ جنت بغیر ناراضگی کے خاموش

ہو گئیں۔

فائدہ نمبر (۶):

قَالَ أَبُو بَكْرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ ذَلِكَ فَقَالَ لَسْتُ تَدْرِي مَا تَقُولُ كَأَنَّكَ تَقُولُ مَا تَقُولُ
 کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دو باغ فدک کی آمدنی کو اسی طرح خرچ کیا۔ جس
 طرح سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف فرمایا تھا۔ صرف ابو بکر صدیق کے دور خلافت
 میں ہی انہیں بلکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت تک ”باغ فدک“
 کا صرف بیٹہ وہی رہا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور اقدس میں تھا۔
 ملاحظہ ہو۔

(ابن میثم شرح نہج البلاغۃ جلد نمبر ۵ صفحہ نمبر ۷۷، ۱، مطبوعہ

تہران خطبہ علی)

وَكَانَ يَأْخُذُ غَنَّتَهَا فَيَدْفَعُ إِلَيْهِمْ مِمَّنْهَا مَا يَكْفِيهِمْ
 ثُمَّ فَعَلَتِ الْخُلَفَاءُ بَعْدَهُ كَذَلِكَ إِلَى أَنْ
 مَعَاوِيَةَ

ترجمہ: یعنی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ باغ فدک کے غلہ کو سب سے پہلے
 اہل بیت کی ضرورت کے مطابق انہیں عطا فرماتے تھے اور اسی طرح
 آپ کے بعد کے خلفاء نے بھی کیا۔ حتیٰ کہ امیر معاویہ والی
 سلطنت ہوئے۔

فائدہ نمبر (۷):

قَالَ أَخْبَثُ إِن كَرِهْتُ شَيْئًا مِنْ أَمْرِ أَنْ أُبَيِّعَ - کے الفاظ
 پر بتلاتے ہیں کہ صدیق اکبر نے ”باغ فدک“ وغیرہ کسی دیرینہ دشمنی کی بنا پر
 سیدہ فاطمہ کو دینے سے منع نہیں کیا تھا۔ بلکہ یہ اتباع رسول کی خاطر تھا۔

اسی لیے فرمایا کہ اگر میں آپ کی اتباع کو چھوڑ دوں۔ تو گمراہ ہو جاؤں گا۔ اس کی واضح دلیل یہ بھی ہے کہ کسی بھی شیعہ کتاب میں اس بات کا ثبوت نہیں مل سکتا۔ کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کی آمدنی اپنی ذات اور اپنی اولاد وغیرہ پر خرچ کی ہو۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

جیسا کہ ہم فائدہ مل میں بتلا چکے ہیں کہ ”اَرُسَلْتُ اِلٰی اٰتِیْیَ بَکْرٍ“ کے الفاظ میں یہ بات بالکل واضح ہے۔ کہ سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا خود عدالت صدیقی میں نہیں گئیں۔ بلکہ کسی معتمد آدمی کو بھیجا تھا۔ اس صراحت کے باوجود کچھ ہمارے اپنے غیر منطاط علماء بھی یہ کہہ دیتے ہیں۔ کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنفس نفیس عدالت صدیقی میں تشریف لے گئیں۔ اور ان سے وراثت کا مطالبہ کیا۔ تحقیق یہی ہے۔ کہ سیدہ وراثت کے سلسلہ میں وہاں نہیں گئیں۔ کیونکہ آپ کا عدالت صدیقی میں جانا منقل و نقل دونوں کے خلاف ہے۔ کیونکہ سیدہ کے شوہر وہ مالی مرتبت شخصیت میں نہ کہ ان کے مقابلہ میں سارا عرب بھی اُجائے۔ تو بھی فراموش کریں کہ میں ان کی گردنیں اڑانے کی دیر نہ کروں گا۔ تو ایسے جبری اور شیر خدا کو بزیب دیتا ہے۔ کہ ان کی زوجہ اور دختر رسول عدالت صدیقی میں ایک حقیر دنیوی چیز کے لیے دست طلب دراز کریں اور سب کے سامنے چند درختوں کے حصول کی خاطر باہر تشریف لے آئیں۔ اس کے ساتھ جب ہم حضرت سیدہ کی وہ وصیت دیکھتے ہیں جو آپ نے ”اسماء بنت عیینہ“ کو فرمائی تھی کہ ”جب میرا انتقال ہو۔ تو مجھے جنت البقیع“ تک پاکی میں لے جانا۔ یہ وصیت اس لیے تھی۔ تاکہ بعد از وفات بھی کوئی غیر محرم آپ کے بدن پاک کی قامت نہ دیکھ سکے۔ پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو وصیت فرمائی کہ مجھے آپ کے سوا کوئی دوسرا نفل نہ دے۔ تاکہ وقت غسل کسی کی میرے جسم پر

نظر نہ پڑے۔ اور یہ بھی کہا۔ کہ مجھے دفن کرنے کے لیے رات کی تاریکی میں لے جانا تاکہ میرے جسم کا چار پائی پر پڑے ہوئے کوئی اندازہ بھی نہ کر سکے۔ اور نہ ہی کوئی اشارہ کر سکے۔ کہ وہ بنت رسول کا جنازہ جا رہا ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ جس خاتون جنت کی عفت و پاکدامنی اور شرم و حیا کا یہ عالم ہو۔ اس کے متعلق یہ باور کر لینا کہ محض چند درختوں کی فاطمہ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا ہوگا۔ اور خود عدالت صدیقی میں اپنے پاؤں سے چل کر تشریف لے گئی ہوں گی۔ بالکل خلاف عقل ہے۔ ہاں اگر ”مہمانِ محبت اہل بیت“ اس قسم کے افسانے تراشیں تو کوئی عجب نہیں۔ کیونکہ ”محبتِ اہل بیت میں وہ اس قدر“ وارفتہ“ ہیں۔ کہ ”توہینِ اہل بیت“ بھی ان کے ہاں ”محبتِ اہل بیت“ قرار پائی ہے۔ اور ان کا ہر وہ لفظ جو دل زخمی کرنے میں تیر و تفنگ سے کم نہیں، اسے وہ ”حقیقت کے پھول“ تصور کرتے ہیں۔ **الَّذِينَ هَمَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا**۔ (پہلے رکوع سورۃ الکہف)

ہاں جن مقامات میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا عدالتِ صدیقی میں جانا مذکور ہے۔ ان مقامات اور ان روایات سے دراصل ایک ہی واقعہ کا اظہار کرنا مقصود ہے۔ یعنی ”باغِ فدک“ وغیرہ کے بارے میں عدالتِ صدیقی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا رجوع کرنا ایک ہی مرتبہ ہوا۔ جب واقعہ ایک ہی ہو۔ تو اس واقعہ کو سراسر انجام دینے کے لیے دو ایسے طریقے جن میں تضاد ہو۔ اپنائے نہیں جاسکتے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ اس ایک واقعہ میں یا تو سیدہ رضی اللہ عنہا نے کسی کو بطور وکیل عدالتِ صدیقی میں بھیجا ہوگا۔ یا خود بنفسِ نفیس تشریف لے گئیں ہوں گی۔ جیسا کہ ہم با دلائل ثابت کر چکے ہیں۔ کہ آپ خود نہیں گئیں۔ بلکہ آپ نے کسی متمدن کو بھیجا تھا۔ تو اب ان روایات کی تاویل کرنا پڑے گی۔ جن میں ان کا خود جانا آیا ہے۔

سوائے کامل یہ ہو گا۔ کہ جن روایات میں کسی کو بھیجنے کا ذکر ہے۔ وہ حقیقت پر
محول ہیں۔ اور جن میں سیدہ خاتونِ جنت کا خود چانا مذکور ہے وہ مجازاً ہو گا۔ کیونکہ
وکیل کا کام اس کے موکل کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ رعیت میں سے کسی کا کام جو
بادشاہ کے حکم سے ہو۔ وہ بادشاہ کا کام کہلاتا ہے۔ کسی کے سفیر کی گفتگو اس کے بھیجنے
والے کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ عزرائیل کا کسی کو موت دینا اللہ کی طرف منسوب
ہوتا ہے۔ اور وڈرائے کرام کا کسی کو کچھ عطا کرنا بادشاہ کی عطا شمار ہوتا ہے اس لیے ان
روایات میں مجاز سے کام لیا گیا۔ اور اس کی نسبت حضرت سیدہ خاتونِ جنت کی
طرف کردی گئی ہے۔ کیونکہ ان کا کسی کو بھیجنا گویا خود چانا تھا۔

واللہ اعلم بالصواب

کیا بنت رسول کی ناراضگی خلافت کے استحقاق پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔

روایت صالح عن الزہری کا، روایت بالمعنی، ہونا ہم نے ثابت کر دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف ”وَعَصْبَتْ“ کی نسبت راوی کے قیاس و اندازہ کی بنا پر ہے۔ حقیقت حال اس کے خلاف ہے۔ اگر بقاضائے بشری سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ناراض ہونا ثابت بھی ہو جائے تو اس بنا پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر کوئی شرعی ضابطہ نافذ نہ کرو گے؛ اگر تمہارا جواب یہ ہو کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ناراضگی اتنا اہم معاملہ ہے کہ خاتونِ جنت جس سے ناراض ہو جائیں۔ وہ امتِ مسلمہ کا خلیفہ بننے کا مستحق نہیں رہتا۔ کیونکہ خلافت دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت اور نیابت ہے۔ اور جس سے خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دخترِ یک اختر ناراض ہو جائیں۔ اُسے خلافتِ رسول کا حق کب باقی رہتا ہے۔

تو پھر ہم تم سے دریافت کریں گے کہ اگر واقعی یہی قاعدہ اور قانون ہے۔ تو کیا صرف اس کا اطلاق ابو بکر صدیق پر ہو گا۔ یا کسی دوسرے پر بھی؟ اگر صرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک تم محدود کرتے ہو۔ تو یہ سخت ناانصافی ہے۔ (جو تمہاری دیرینہ عادت ہے) اگر سب کے لیے مانو۔ تو ہم ثابت کیے دیتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ناراض بھی رہیں۔ اور ہم تم سب اُن کو خلیفہِ رسول مانتے ہیں۔ بلکہ تم تو ان کو ”خلیفہ بلا فصل“ مانتے ہو۔ اور ہم ہمیں تمہاری کتابوں سے یہ بھی ثابت کر دکھائیں کہ خاتونِ جنت بارہا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ناراض ہوئیں۔ یہ مجھے ملاحظہ فرمائیے۔

حوالہ نمبر (۱۱) :

ابو جہل کی لڑکی سے علیؑ نے نکاح کا ارادہ کیا تو سیدہ

فاطمہؑ ناراض ہو گئیں

امالی صدوق :

إِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَرَادَ أَنْ يَتَزَوَّجَ ابْنَتَهُ ابْنِ جَهْلٍ عَلَى
 فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ وَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ شَكَاهُ عَلَى الْمُنْبِرِ إِلَى الْمُسْلِمِينَ كَقَالَ إِنَّ عَدِيًّا عَلَيْهِ
 السَّلَامُ يُرِيدُ أَنْ يَتَزَوَّجَ ابْنَتَ عَدُوِّ اللَّهِ عَلَى ابْنَةِ سَيِّحِي
 اللَّهِ إِنَّ فَاطِمَةَ بَصْنَعَهُ لَمِخِي فَمَنْ إِذَا هَا فَقَدْ أَذَانِي وَمَنْ
 سَرَّهَا فَقَدْ سَرَّنِي وَمَنْ عَاظَهَا فَقَدْ عَاظَنِي .

(۱۱) (امالی صدوق ص ۶۴۰ المجلس الثانی والعشرون مطبوعہ قم)

(۲) جلاء العیون ص ۲۳۷ جلد اول زندگانی فاطمہؑ طبع جدید

(۳) تاریخ التواریخ زندگانی فاطمہؑ ص ۲۰۷

(۴) انوار نہایت جلد اول ص ۷۳ نور نقوی طبع تبریز جدید

ترجمہ: حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ نے حضرت فاطمہؑ کے ہوتے ہوئے۔ ابو جہل
 کی بیٹی سے شادی کرنا چاہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے برسر منبر تمام صحابہ کرام
 کے سامنے اس کا اظہار فرمایا۔ اور فرمایا۔ علی (رضی اللہ عنہ) چاہتا ہے۔
 کہ اللہ کے پیغمبر کی بیٹی کے ہوتے ہوئے۔ اللہ کے دشمن کی بیٹی سے
 شادی رچائے۔ خیر و دار! فاطمہؑ میرا لکڑا ہے۔ جس نے اسے دکھایا۔

اس نے مجھے دکھایا۔ اور جس نے اُسے خوش کیا۔ اُس نے مجھے خوش کیا جس نے اسے غضبناک کیا۔ اُس نے مجھے غضبناک کیا۔

حوالہ ۲:
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے باغ صدقہ کیا تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے انہیں غصہ سے مارا (معاذ اللہ)

امالی صدوق

حدیث میں وارد ہے۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سلمان فارسی کو بلایا۔ اور فرمایا کہ وہ باغ جس کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا تھا۔ بازار میں جا کر تجار حضرات کے پاس فروخت کر دو۔ چنانچہ سلمان فارسی نے بارہ ہزار درہم پر اُسے فروخت کر دیا۔ اور یہ رقم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پیش کر دی۔ وہاں ایک اعرابی تھا۔ اُس نے آپ سے سوال کیا تو آپ نے اس رقم میں سے چار ہزار چالیس درہم اس کو عطا فرمادیئے۔ تو یہ خبر مدینہ شریف میں پھیل گئی۔ لہذا تمام لوگ جمع ہو گئے۔ اور ایک آدمی انصاری سے سیدہ فاطمہ کے پاس گیا۔ اور اُس نے آپ کو مذکورہ واقعہ کی خبر دی۔ تو آپ نے اس کو دما دی۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہی بیٹھے ہوئے بقایا تمام رقم لوگوں میں تقسیم کر دی۔ یہاں تک کہ ایک درہم بھی باقی نہ رکھا۔ اس کے بعد سیدہ فاطمہ نے حضرت علی سے پوچھا۔ کہ آپ نے میرے باپ کے باغ کو فروخت کر دیا ہے! تو حضرت علی نے جواب دیا۔ ہاں میں نے فروخت کر دیا ہے۔ سیدہ فاطمہ نے سوال کیا کہ رقم

کہاں ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں نے وہ اللہ کے راستہ میں تقسیم کر دی ہے اس کے جواب میں پھر حضرت فاطمہ نے فرمایا کہ میں بھوکے ہوں ہمارے بیٹے بھوکے ہیں۔ اور آپ بھی ہماری مثل بھوکے ہیں اور ہمارے پاس ایک درہم بھی نہیں ہے۔ اور یہ کہہ کر فاطمہ نے حضرت علی کے دامن کو پکڑ لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اے فاطمہ! مجھے چھوڑ دے۔ تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں خدا کی قسم ہرگز آپ کو نہیں چھوڑوں گی۔ یہاں تک کہ میرے اور آپ کے درمیان میرے ابا جان فیصلہ فرمائیں۔ پس جبرئیل نازل ہوئے اور فرمایا۔ کہ اے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو اور علی کو اللہ تعالیٰ سلام فرماتا ہے۔

قَدْ لِفَاطِمَہَ کَیْسٌ لِّکَ اَنَّ تَقْصِرَ فِی عَلَیَّ دَیْہِ وَ تَلْذِجِی بِشَوْبِہِ۔

ترجمہ: یعنی فاطمہ کو فرمادیجئے کہ تیرے لیے یہ جائز نہیں کہ تو حضرت علی کے ہاتھوں پر اسے اور اس کے دامن کو نہ چھوڑے۔

لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمہ کے گھر آئے۔ تو فاطمہ کو دیکھا کہ انہوں نے حضرت علی کا دامن پکڑا ہوا تھا۔ تو آپ نے فرمایا کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دامن کو کیوں پکڑا ہوا ہے؟ سیدہ فاطمہ نے مذکورہ بالا دعا قوسنایا۔ تو اس پر آپ نے فرمایا۔ اے بیٹی! میرے پاس جبرئیل تشریف لائے۔ اور مجھے اور حضرت علی کو اللہ کا سلام پہنچایا۔ اور فرمایا ہے کہ فاطمہ کو فرمادیجئے کہ تیرے لیے جائز نہیں ہے کہ تو حضرت علی کے ہاتھوں پر اسے۔ لہذا حضرت

فاطمہ رضی اللہ عنہا نے چھوڑ دیا اور معافی مانگی۔

(۱) (المی صدوق ص ۲۸۱ مجلس الحمادی والبعوان)

(۲) جلاء العیون جلد اول ص ۱۹۳ زندگانی فاطمہؑ بالفاظ مختلفہ

(۳) انوار النعمانیہ جلد اول ص ۵۱ نور مرتضیٰ

نوٹ:

ان دونوں واقعات میں سے دوسرے واقعہ میں صرف سیدہ فاطمہؑ کی ناراضگی ہی نہیں بلکہ اس نے تک کا ذکر موجود ہے۔ اور پہلے واقعہ میں سیدہ فاطمہؑ جنت کی ناراضگی کی وجہ سے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا یہ عالم تھا کہ آپؐ نے برسرِ مہتاب سما پر کرام کے سامنے اس کا اظہار فرمایا۔ اور یہاں تک فرمایا کہ فاطمہؑ کی ناراضگی میری ناراضگی۔ اور اس کی خوشی میری خوشی ہے۔ اور جس نے اسے تکلیف پہنچائی اس نے مجھے تکلیف دی۔

ان دونوں روایات میں بالکل صاف صاف نظر آ رہا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ناراض بھی کیا۔ اور تکلیف کا باعث بھی بنے۔ اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے برسرِ مہتاب اس امر کا اظہار فرمایا۔ ان روایات میں تو یہ روایت بالمعنی، کا احتمال بھی نہیں نکل سکتا۔ تاکہ اس پر محمول کر دیا جائے۔ جیسا کہ پچھلی ”مستحیبت“ والی روایت میں اس کا احتمال تھا۔ تو اس مراحت کے ساتھ ناراضگی جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت میں کوئی اثر نہیں ڈالتی کہ اس کی وجہ سے آپؐ کی خلافت کو ”جلی“ ثابت کیا جائے۔ تو وہ ناراضگی جو در روایت بالمعنی، سے ثابت ہوئی۔ اس سے یہ فائدہ حاصل کرنا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت صاف اللہ منافقانہ تھی۔ اور آپؐ خلیفہ برحق نہیں تھے۔ کہاں کی منطقی ہے۔ اور کس دانشمند کی تعلیم ہے؟

حوالہ ۲: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عقد ہو جانے کے بعد

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا غم و غصہ سے رو پڑیں بوجہ ان

امالی صدوق: کے فقیر ہونے کے (معاذ اللہ)

قَالَ كُنَّا قُعُودًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَاءَتْ
فَاطِمَةُ تَبْكِي بُكَاءً شَدِيدًا فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يُبْكِيكِ يَا فَاطِمَةُ قَالَتْ يَا أَبَا عَبْدِ اللَّهِ
يَسَاءَ قُرْبِي وَقَتْنِ إِنَّ أَبَاكَ رَجَلَ مِنْ مَعْنَدِ قَوْمٍ لَا مَالَ
لَهُ فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ لَا تَبْكِينَ فَوَاللَّهِ مَا زَوْجْتُكَ حَتَّى
زَوَّجَكَ اللَّهُ مِنْ هَوَاقِ عَرْشِهِ وَأَشْهَدُ بِذَلِكَ
جَبَدَيْكَ وَمَيْكَامَيْكَ

(۱) (امالی صدوق ص ۲۶۲ / المجلس السابع والستون)

(۲) بحار الانوار جلد ۳ ص ۳۶۱ باب کیفیت معاشر تقاض علی

طبع قدیم)

ترجمہ: راوی کہتا ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بیٹھے ہوئے

تھے کہ اچانک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سمعت روتی ہوئی تشریف

لائیں۔ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ فاطمہ! تمہیں کس نے

رُلا یا؟ عرض کی ابا یان! قریشی عورتوں نے مجھے طعنہ دیا ہے۔ کہتم ہے

والد نے تمہاری شادی ایسے شخص سے کی جس کے پاس کچھ مال

نہیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ بیٹی مت روؤ۔ اللہ کی قسم! میں نے تیری

شادی اس وقت کی جب اللہ نے تیری شادی مرثی پر کر دی تھی۔ اور
اس پر حضرت جبرائیل اور میکائیل گواہ بنے تھے۔

لمحہ فکر یہ !

ناظرین کرام ! آپ بنظر انصاف اور غور سے اس روایت کو پڑھیں۔ ایک
طرف تو شیخہ حضرات فرضی ناراضگی کو اتنی اہمیت دیتے ہیں۔ کہ اس کی بنا پر حضرت
ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو معاذ اللہ کافرو منافق تک کہنے سے گریز نہیں کرتے۔ اور
دوسری طرف ائمہ مذہب کے بانی مہمانی اور صحاح اربعہ میں سے ایک کے مستفت
”شیخ صدوق“ نے اس روایت میں کھلے الفاظ میں جو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی
گستاخی اور توہین کی۔ وہ کسی سے مخفی نہیں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جن کے بارے میں
سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ”بتول“ فرمایا۔ جس کے معنی دنیا سے بے نیاز
کے ہیں۔ ”شیخ صدوق“ نے اس روایت کے فواید اس سیدہ کو بہت بڑا دنیا دار ثابت
کیا۔ اور کہا کہ اپنے اس کمینہ دنیا کی خاطر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو فقیر سمجھتے ہوئے
انہما کی گریو بجا کیا۔ اور روتی ہوئی بارگاہ رسالت میں آئیں۔ اور تمام صحابہ کرام کے
سامنے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی عزت اور اپنی بدقسمتی کا رونا رویا۔ تو کیا یہ انداز
روایت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شدید توہین کے مترادف نہیں؟ اگر ہے۔ اور
واقعی ہے۔ تو خود اس روایت کا راوی اور اس کے متبعین اور بناوٹی مخلصین مومنین
کا ایمان و خلوص کدھر گیا؟ ادھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرضی داستان
عقربے سے کفر و نفاق کا فتویٰ، ادھر حقیقی گستاخی اور توہین سے خالص ایمان؟

حوالہ نمبر (۴) : حضرت علی کے ایک جانشین پر سیدہ ان سے ناراض
ہو کر میکے چلی گئیں

فَدَخَلَتْ فَاطِمَةُ عَلَيْهَا السَّلَامُ يَوْمًا فَتَنَظَرَتْ
إِلَى رَأْسِ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي حُجْرِ
الْجَارِيَةِ فَقَالَتْ يَا أَبَا الْحَسَنِ فَعَلْتَهَا فَقَالَ
لَا وَاللَّهِ يَا بِنْتُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مَا فَعَلْتُ شَيْئًا فَمَا الَّذِي تُرِيدِينَ فَقَالَتْ
تَأْذُنُ لِي فِي الْمَسِيرِ إِلَى مَنْزِلِ أَخِي رَسُولِ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ فَقَالَ لَهَا وَقَدْ
أَذْنْتُ لَكَ

تاریخ

ترجمہ : حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کو شواہد نے ایک لونڈی بہک انہوں
نے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہر کردی ایک دن حضرت فاطمہ
رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سر مبارک اس لونڈی کی
گود میں تھا۔ تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اسے ابوالحسن آپ نے
اس سے جماع کیا ہے؟ آپ نے فرمایا خدا کی قسم اسے بیٹی رسول
میں نے اس سے کچھ نہیں کیا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ناراضگی کے
مالم میں کہا آپ مجھے رخصت دے دیں کہ میں اپنے والد گرامی کے
گھر چلی جاؤں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں اس کی اجازت دے دی۔
لیکن اس ناراضگی سے حضرت علی کی خلافت پر قطعاً کوئی اثر نہ پڑا۔ اسی طرح ان کی
ناراضگی صدیق اکبر سے فرض کر بھی نہیں تو بھی اس سے ان کی خلافت باطل نہیں ٹھہرتی۔

”باغ فک“ کے ہرہ کی روایات اور ان کی تحقیق

ایک موضوع پر روایات کے ذکر کرنے سے پہلے ایک بات ذکر کرنی مناسب سمجھتا ہوں۔ وہ یہ کہ شیعہ حضرات یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت صرف سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی تھی۔ تو اس حقیقی وراثت کو آپ کی مہر و کما بیاہاد (باغ فک) سے محروم کیوں رکھا گیا؟

دوسری طرف ان لوگوں کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ حضور صلی علیہ وسلم نے ”باغ فک“ اپنی منت بلکہ سیدہ فاطمہؑ از ہر رضی اللہ عنہا کو ”حبہ“ کر دیا تھا۔ اگر یہ دوسرا دعویٰ درست ہے۔ تو پھر وراثت کے طور پر ”باغ فک“ کا مطالبہ کس طرح درست ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ باغ اپنی زندگی میں سیدہ فاطمہ کے نام ”حبہ“ کر دیا تھا۔ تو اس وقت سے اس باغ کی ملکیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منتقل ہو کر سیدہ کے پاس آگئی۔ تو کیا اپنی ملکیت میں بھی وراثت کا مسئلہ نہ سکتا ہے۔ جی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت تو وہ مال ہوا جو بوقت انتقال آپ کی ملک میں تھا۔ اور جو آپ کی ملک میں نہ تھا۔ وہ وراثت میں داخل ہی نہیں۔ جب وراثت میں داخل نہیں۔ تو اس کے متعلق وراثت کا مقدمہ بے معنی ہو گا۔ تو معلوم ہوا کہ شیعہ لوگوں کے دونوں دعویٰ ایک دوسرے کی نفی ہی ہیں۔

اور اجتماع نقضین باجماع عقلاء محال ہے۔ لہذا یہ دونوں دعویٰ بیک وقت ایک ہی شخص پر ایک ہی شخص کے لیے صحیح ہونا محال ہے۔

اس محال کے ہوتے ہوئے ہم ان روایات کو پیش کرتے ہیں۔ جن میں ”میں“ کا ذکر آیا ہے۔ ان کے ذکر کے بعد ہم یہ ثابت کریں گے کہ ان روایات کا کیا مطلب ہے؟ اور ایسی روایات سے کیا کچھ ثابت ہو سکتا ہے؟
روایت ۱:

تفسیر ”در منثور“ میں ”اِنَّ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقُّهُ“ کے تحت سیوطی نے لکھا ہے۔

در منثور:

اَخْرَجَ الْبَرَّازُ وَ اَبُو يَعْلَىٰ وَ ابْنُ ابِي حَاتِمٍ
وَ ابْنُ مَرْدَوَيْهٖ عَنْ ابِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ
لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ وَ اِنَّ ذَا الْقُرْبَىٰ
حَقُّهُ دَعَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ
فَاَطْمَءَ فَاَعْطَاهَا فَذَكَرَ .

(در منثور جلد ۴ ص ۷۷ ازیرایت و انت ذی القربی الخ)

پتہ مطبوعہ بیروت لبنان طبع جدید

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ”اِنَّ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقُّهُ“ آیت نازل ہوئی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلوایا۔ اور انہیں ”ذکرہ“ عطا کر دیا۔

روایت ۱۲۱

مجمع البیان: قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ بْنُ سَعِيدٍ بْنُ جَعْفَرٍ وَعَلِيُّ بْنُ
 الْقَاسِمِ الْكِنْدِيُّ وَيَحْيَى بْنُ يَعْلَى وَعَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ فَصِيلِ
 ابْنِ مَرْزُوقٍ عَنْ عَطِيَّةَ الْعَوْنِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ بْنِ الْخُدْرِيِّ قَالَ لَمَّا
 نَزَلَتْ قَوْلُهُ "وَإِنَّ ذَٰلِكَ لَشَرٌّ لِّي حَقَّقَهُ" أَعْطَى رَسُولُ
 اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاطِمَةَ قَدَافًا.

(مجمع البیان تحت آیت "وَإِنَّ ذَٰلِكَ لَشَرٌّ لِّي حَقَّقَهُ"،

جلد سوم جز ہشتم ص ۱۱۴ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ جب یہ آیت "وَإِنَّ
 ذَٰلِكَ لَشَرٌّ لِّي حَقَّقَهُ" نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
 بیٹہ فاطمہ کو "قدافہ" عطا فرمایا۔

ان دونوں روایات کا سلسلہ "ابوسعید" پر ختم ہوتا ہے جنہیں "خدری" لکھا گیا
 ہے۔ ان دونوں روایات کا سلسلہ اسناد "ابوسعید" سے "عطیہ العونی" اور اس سے
 فضیل ابن مرزوق سے ہوتا ہوا راوی "ابومعمر بن سعید" تک پہنچتا ہے۔ گویا اسناد
 کی اہتمام "ابوسعید" پر ہی ہے۔ لہذا اس "ابوسعید" کے بارے میں ہم ناقدین حدیث
 کی تحقیقی پیشکش کرتے ہیں۔ تاکہ "ابوسعید" اور "ابوسعید خدری" صحابی رسول، کے
 درمیان وضاحت ہو جائے۔

یہ ابوسعید کون ہیں؟

یہ وہ ابوسعید ہیں۔ جو کبھی کے لقب سے مشہور ہیں۔ اور صاحب تفسیر ہیں۔ ان کے

بہت سے نام اور مختلف کیفیتیں ہیں۔ جن کی بنا پر ان کے نام میں دھوکہ ہو جاتا ہے۔ کبھی ان کا نام درمحمد بن سائب لکھی، یا جاتا ہے۔ اور کبھی انہیں "حماد" سائب لکھی، کہتے ہیں۔ ان کی کیفیت کبھی "ابونصر"، اور کبھی "ابوبشام"، اور کبھی "ابوسعید"، لکھی ہوتی ہے۔ "عطیہ عوفی الکوفی"، انہی سے روایت کرتا ہے۔ لیکن ان کا انداز روایت ایسا ہوتا ہے۔ جس سے یہ شبہ پڑ جاتا ہے۔ کہ یہ "ابوسعید" وہی ہے جو "ابوسعید خدری"، مشہور صحابی ہیں۔ حالانکہ یہ دو مختلف شخصیتیں ہیں۔ شبہ کی وجہ یہ کہ وہ "عطیہ الکوفی"، بوقت روایت ان کی طرف حدثنایا قال کے الفاظ تو منسوب کرتا ہے۔ لیکن ان کا نام اور مشہور کیفیت "کبھی"، ذکر نہیں کرتا ہے۔ یہ ایسا اس لیے کرتا ہے۔ کیونکہ "عطیہ الکوفی" شیعہ ہے۔ اور اپنے شیخ کا مکمل اتر پڑا اس لیے در حدثنایا کرتا ہے۔ تاکہ لوگ دھوکہ سے اس کے شیخ کو "ابوسعید خدری"، سمجھ لیں۔ اور اس طرح ان کی مرویات قابل اعتبار ہو جائیں۔ چنانچہ یہ مضابطہ ظاہر ہو گیا اور ان کی یہ ہوشیاری کو لکھی

مزید وضاحت کے لیے ہم کتب اسامہ الربال سے "ابوسعید"، کا اور اس کے شاگرد "عطیہ"، کا حال لکھتے ہیں

عِطِيَّةُ بْنُ سَعْدِ الْكُوفِيِّ يُحْطَى كَثِيرًا اَوْ كَانَ شَيْعِيًّا مَدْلِسًا.
(تقریب جلد ثانی ص ۱۱۱) باب ۱۱۱ ج ۱ مطبوعہ بیروت لبنان
طبع جدید

یعنی عطیہ بن سعد الکوفی اکثر خطا کرتا ہے۔ اور شیعہ ہے۔ اور مدلس کرتا ہے۔

روایات میں خطا کرنا اور شیعہ ہونا تو واضح ہے۔ اس کی تشریح کی چنداں ضرورت نہیں۔ مگر "مدلس" کسے کہتے ہیں۔ اس کے بارے میں "اشعة اللمعات"

تصنیف شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے مقدمہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اشعة اللغات:

صورتش آنست کہ راوی نام شیخ خود نیز دوازہ شیخ کو فوق اداست۔
روایت کند و لفظیکہ موہم سماع است بیارو۔ و حال آنکہ از وی
سماع ندارد۔ چنانکہ گوید عن فلان و قال فلان و تدیس مذموم و مکروہ
است مگر آنکہ ثابت شود کہ وی تدیس نمیکند مگر از ثقت و در آن
مرض فاسد نباشد۔ مثل اختلافی سماع از شیخ بجهت صغر سن و عدم
جاه و شهرت و ستر حال کہ بسبب طعن گردد

(اشعة اللغات ص ۳۲ جلد دوم طبع قدیم)

ترجمہ: اس کی صورت یہ ہے کہ راوی اپنے شیخ کا نام دے بلکہ اپنے شیخ
کے شیوخ سے روایت کرے اور ایسے لفظ کے ساتھ روایت
کرے کہ جو موہم سماع ہو۔ حالانکہ اس کا اس سے سماع ثابت نہ ہو۔
جیسے کہے فلاں سے یا فلاں نے کہا۔ تدیس مذموم و مکروہ ہے۔
مگر جب ثابت ہو جائے کہ راوی ایسے لوگوں سے تدیس کرتا ہے۔ جو
کثرت میں اور اس میں کوئی مرض فاسد نہ ہو۔ جیسے کہ اپنے شیخ سے سماع کو وہ معرفی
یا عدم و جاہت و شهرت اور ستر حال کی بنا پر ذکر کرے کیونکہ یہ
سبب طعن ہے۔

و میزان الاعتدال، میں عطیہ کی نسبت مذکور ہے

میزان الاعتدال

عَطِيَّةُ بْنُ سَعْدِ الْعَوْنِ تَابِعِيٌّ شَيْخٌ ضَعِيفٌ قَالَ سَالِمُ
 الْمُرَادِيُّ كَانَ عَطِيَّةٌ يَتَنَبَّئُهُ وَقَالَ ابْنُ مَعِينٍ صَالِحٌ وَقَالَ أَحْمَدُ
 ضَعِيفٌ الْحَدِيثُ فِي كَانَ هُتَمٌ يَتَكَلَّمُ فِي عَطِيَّةٍ وَرَوَى ابْنُ الْمَدِينِ
 عَنْ يَحْيَى قَالَ عَطِيَّةٌ وَأَبُو هَارُونَ وَبِشْرُ بْنُ حَرْبٍ عِنْدِي
 سَوَاءٌ وَقَالَ أَحْمَدُ بَلَّغَنِي أَنَّ عَطِيَّةَ كَانَ يَأْتِي الْكَلْبِيَّ فَيَأْخُذُ
 عَنْهُ التَّنْفِيسَ كَانَ يُكَيِّتُهُ بِأَبِي سَعِيدٍ فَيَقُولُ قَالَ أَبُو سَعِيدٍ
 قُلْتُ يَعْجَبُ يُوْهِمُ أَنَّ الْمُنْذِرِيَّ وَقَالَ النَّسَائِيُّ وَجَمَاعَةٌ
 ضَعِيفٌ (إِنْتَهَى)

(میزان الاعتدال جلد دوم ص ۲۰۱ فی تذکرہ عطا البصری عطا

بن سنیان مطبوعہ مصر طبع قدیم)

ترجمہ: یعنی عطیہ بن سعد العونی الکوفی مشہور تابعی ہے اور روایت میں ضعیف ہے۔
 سالم المرادی نے کہا کہ ٹیپہ شیعہ تھا اور بن معین نے کہا کہ صالح ہے، امام احمد نے کہا
 یہ ”ضعیف الحدیث“ ہے۔ اور ہمیشہ کم عطیہ میں کلام ہے کئی سے
 ابن المدینی نے روایت کیا کہ عطیہ، ابو ہارون اور بشر بن حرب
 میرے نزدیک روایت حدیث میں ایک جیسے ہیں۔ امام احمد
 نے کہا کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ ”عطیہ“، ”الکلبی“ کے پاس آتا اور ان سے
 تفسیر قرآن حاصل کرتا تھا۔ اور ان کی کینت ”ابوسعید“ بیان کرتا۔
 بوقت ضرورت کہتا ”ابوسعید“ نے کہا۔ میں کہتا ہوں کہ وہ ”الکلبی“
 کی کینت ابوسعید اس لیے ذکر کرتا۔ تاکہ لوگوں کو وہم میں ڈالے۔
 کہ اس (ابوسعید) سے مراد ابوسعید الخدری ہیں۔ امام نسائی اور ایک

جماعت محدثین نے کہا۔ ”علیہ“ حدیث میں ضعیف ہے۔

علامہ سخاوی نے اپنے منظوم رسالہ ”جزری“ میں ”بَابُ مَنْ لَكَ اسْمَاءٌ
... مُتَّصِلَةٌ وَنَعُوْتُ مُتَّعِدَّةٌ“ میں جہاں لکھی کا ذکر کیا ہے۔ وہاں
اس کے متعلق یہ بھی بیان کیا ہے۔

وَهُوَ أَبُو سَعِيدٍ الرَّدِّي رَوَى عَنْهُ عَيْتَةُ الْعَوْفِي

مَوْحَا آتَهُ الْخُذْرِي (بحوالہ تحفہ شیعہ جلد دوم ص ۱۲۱)

ترجمہ: اور یہ وہی ابوسعید ہے۔ جس سے علیہ عوفی روایت کرتا ہے۔ ابوسعید
کی کنیت سے اس لیے ذکر کرتا ہے۔ تاکہ ابوسعید الخدریؓ، ہونے
کا وہم گزرے۔

”علیہ العوفی“ کے حالات و واقعات سے یہ ظاہر ہو گیا۔ کہ اس کے شیخ کا
نام محمد بن سائب یا حماد بن سائب تھا۔ اور ابوسعید اس کی تین کنیتوں میں سے
ایک کنیت تھی۔ تو یہ ابوسعید الکلبیؓ ہے۔ ابوسعید الخدریؓ نہیں۔ اسی ابوسعید
الکلبیؓ کے بارے میں تہذیب التہذیب میں یوں مذکور ہے۔

تہذیب التہذیب:

قَالَ مَعْقِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ أَبِيهِ كَانَ بِالْكُوفَةِ كَذَا ابْنِ أَحَدِهَا

الْكَلْبِيِّ..... وَقَالَ الدَّورِيُّ عَنْ يَحْيَى بْنِ مُعِينٍ لَيْسَ بِشَيْءٍ

وَقَالَ مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ يَحْيَى ضَعِيفٌ وَقَالَ الْخُزَاعِيُّ

تَرَكَهُ يَحْيَى وَابْنُ مَهْدِيٍّ..... وَقَالَ عَلِيُّ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ

عِيَاثٍ عَنْ ابْنِ مَهْدِيٍّ جَلَسَ إِلَيْنَا أَبُو جَرْرٍ عَلَى بَابِ ابْنِ

عَمْرِو بْنِ الْعَدَاةِ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنَّ الْكَلْبِيَّ كَافِرٌ فَتَحَدَّثْتُ

بذلك يزيد بن ربيع فقال سمعته يقول أشهد أنه كاهن فقال
 فماذا رعيم قال سمعته يقول كان جبرئيل يوحى الي النبي
 صلى الله عليه وسلم فقال النبي لحاجته وجلس
 على فأوحى الي علي فقال يزيد أنا لم أسمعته يقول هذا
 ولا يخفى رأيت أنه يضرب صدره ويقول أنا سباني . وقال
 العقيلي هم صنفت من الرافضة أصحاب عبد الله بن سبأ
 وقال ابن فضال عن مغيرة عن إبراهيم أنه قال ليحتمل
 ابن السائب ما دمت على هذا الرأي لا تقربنا وكان
 مرجئا وقال أبو عاصم رعم لي سفيان الثوري
 قال قال الكلبي ما حدثت عن أبي صالح عن ابن عباس
 فهو كذب فلا ترووه وقال الأصمعي عن هرة بن خالد
 كانوا يرون أن الكلبي يزيه في يعني يكذب وقال يزيد
 ابن هارون كبر الكلبي وغلب عليه التيسان وقال
 أبو حاشم الناس مجمعون على ترك حديثه هوذا إيهب
 الحديث لا يشتغل به وقال السائب ليس بثقة ولا يكتب
 حديثه وقال علي بن الجنيب والحكيم أبو أحمد والدار
 قطني متروك وقال الجولي جاني كذاب ساقط وقال ابن حبان
 وضوء الكذب فيه أظهر من أن يعتبر به إلى الغراق في وضعه
 يروي عن أبي صالح التفسير وأبو صالح لم يسمعه من ابن عباس
 لم يجز إلا حجباً به وقال الساجي متروك الحديث وكان ضعيفاً
 جداً الضابط في التسمية وقد اتفق ثقات أهل الثعلب على دمه وتركه

الْبَزَّازِ رَوَى عَنْهُ فِي الْإِحْكَامِ وَالْفُرُوقِ فَقَدْ الْحَاكِمُ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ رَوَى عَنْ
أَبِي صَالِحٍ حَدَّثَنَا بَيْتٌ مَوْضُوعَةٌ قَدْ كَرَعَبْنَا لَعْنَتَيْنِ سَعِيدِ الْأَرْدَوَاتِ سَمَاءُ
ابْنِ الشَّامِثِ الَّذِي رَوَى عَنْهُ أَبُو أُسَامَةَ وَتَقَدَّمَ فِي تَرْجُمَةِ عَطِيَّةٍ أَنَّهُ
كَانَ يَكْنَى الْكَلْبِيَّ أَبَا سَعِيدٍ وَيَرْوَى عَنْهُ.

اہنذیب التہذیب جلد ۱۷۱ ذکر محمد بن سائب کلمی
ترجمہ: منتر اپنے والد سلیمان سے روایت کرتا ہے۔ کہ کوفریں دو کذاب
تھے۔ ان میں سے ایک ”کلمی“ تھا۔ اور دوسری نے بروایت یہ کلمی
بن معین روایت کیا ہے۔ کہ کلمی تیسرے بتائی ہے۔ اور معاویہ بن صالح بروایت
یہ کلمی بیان کرتا ہے۔ کہ کلمی ضعیف ہے۔ اور امام بخاری کا بیان ہے
کہ کلمی کو یحییٰ اور ابن ہمدی نے ترک کر دیا ہے۔ عبد الواحد بن غیاث
نے ابن ہمدی سے روایت کی کہ ابن جزم نے ابو عمر بن علاء کے
دردانے میں ہمارے پاس بیٹھ کر کہا۔ کہ میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ
کلمی کافر ہے۔ ابن ہمدی نے کہا۔ کہ میں نے یزید بن زریع سے
اس کا تذکرہ کیا۔ وہ بولا کہ میں نے ابو جزم کو کہتے سنا ہے۔ کہ حضرت
بہرئیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی القا کر رہے تھے۔ آپ تھکے
عاجت کے لیے تشریف لے گئے۔ تو علی بیٹھ گئے۔ اور بہرئیل
نے ٹی پر وحی القا کرنا شروع کر دی۔ اس پر یزید نے کہا۔ کہ میں
نے کلمی کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا۔ مگر میں نے دیکھا ہے۔ کہ کلمی
بیز ٹھوٹک کر کہا کرتا تھا۔ میں سبائی ہوں۔ میں سبائی ہوں۔ عقیلی
کا قول ہے۔ کہ سبائی دراصل رافضیوں کی ایک شاخ ہے۔ اور یہ
لوگ عبد اللہ بن سبار کے چیلے ہیں۔ ابن فضیل نے بروایت مغیرہ

بیان کیا ہے کہ ابراہیم نے محمد بن سائب سے کہا۔ کہ جب تک تو اس
 رائے پر ہے۔ ہمارے نزدیک ذاکنا۔ اور وہ مرعی تھا۔ ابو عامر کہتے
 ہیں۔ کہ سفیان ثوری نے مجھ سے بیان کیا۔ کہ کبھی کا قول ہے۔ کہ میں نے
 جو کچھ بروایت ابوصالح ابن عباس سے نقل کیا ہے۔ وہ جھوٹ ہے
 تم اسے روایت نہ کرنا۔ احمی نے بروایت قرقہ بن خالد بیان کیا
 کہ لوگ سمجھتے تھے۔ کہ کبھی جھوٹ بولتا ہے۔ اور یزید بن ہارون کا
 قول ہے۔ کہ کبھی علم رسیدہ ہو گیا۔ اور اس پر نسیان غالب ہو گیا۔
 ابو عامر کا بیان ہے۔ کہ لوگوں کا اس بات پر اجماع ہے۔ کہ کبھی کی
 حدیث چھوڑ دینی چاہیے۔ اور اس کی طرف توجہ نہ کرنی چاہیے۔
 نسائی کا قول ہے۔ کہ کبھی ثقہ نہیں۔ اور اس کی حدیث نہیں لکھی جاتی
 اور علی بن جنید اور ابوالاحمد ماکم اور دارقطنی کہتے ہیں۔ کہ کبھی متروک
 ہے۔ جو زبانی کہتا ہے۔ کہ وہ بڑا جھوٹا اور ساقط عن الاعتبار ہے۔
 ابن حبان کا قول ہے۔ کہ کبھی کا جھوٹ ایسا ظاہر ہے۔ کہ محتاج
 بیان نہیں۔ اس نے ابوصالح سے تفسیر روایت کی ہے۔ اور ابو
 صالح نے ابن عباس سے سنا نہیں۔ اس کے ساتھ احتجاج جائز نہیں
 ساجی کہتا ہے۔ کہ کبھی کی حدیث متروک ہے۔ اور تشیع میں غلو
 کے سبب نہایت ضعیف ہے۔ اور ثقات ناقلین اس کی مذمت
 اور احکام و فروع میں اس کی روایت کو چھوڑ دینے پر متفق
 ہیں۔ اور ابو عبد اللہ ماکم کا بیان ہے۔ کہ اس نے ابوصالح سے
 موضوع حدیثیں روایت کیں۔ اور عبد الغنی بن سعید ازدی نے ذکر
 کیا۔ کہ وہ حماد بن سائب ہے۔ جس سے ابواسامر نے روایت

کی۔ اور عطیہ عوفی کے مال میں پہلے اچکا ہے۔ کہ عطیہ مذکور کھجی کو ابو سعید کی کینت سے یاد کرتا ہے۔ اور اس سے حدیثیں روایت کرتا ہے۔

میزان الاعتدال: مزید شہادت

الْقَاسِمُ بْنُ زَكْرِيَّا حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ يَعْقُوبَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَمْرٍاءَ عَنْ فَضِيلِ بْنِ مَرْزُوقٍ عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ آيَةُ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّقَهُ دَعَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاطِمَةَ فَأَعْطَاهَا فَذَكَرْتُ هَذَا أَبَا طَلٍّ وَلَوْ كَانَ وَقَعَ ذَلِكَ لَمَاجَأَتْ فَاطِمَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا تَطَلَّبَ شَيْئًا هُوَ فِي حِرْزِهَا وَمِلْكِهَا وَمِنْهُ غَيْرُ عَلِيٍّ مِنَ الصُّعَفَاءِ.

میزان الاعتدال ص ۲۲۹ جلد ۲ ذکر علی بن عباس

ترجمہ: قاسم بن زکریا نے کہا کہ ہم سے عباد بن یعقوب اور ان کو علی بن عباس نے بیان کیا کہ فضیل بن مرزوق نے عطیہ اور عطیہ نے ابو سعید سے روایت کی جب آیت ”ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّقَهُ“ نازل ہوئی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ کو بلا کر وہ فدک، ان کو عطا کر دیا۔ میں کہتا ہوں۔ یہ باطل ہے۔ کیونکہ آپ نے واقعی ”فدک“ دے دیا ہوتا۔ تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اس چیز کو لگنے نہ آئیں۔ جو ان کے قبضہ اور ملک میں پہلے ہی تھی۔ اور اس حدیث میں ”علی بن عباس“ کے سوا اور بھی ضعیف راوی ہیں۔

حلیج

شیعوہ لوگوں کے نزدیک باغِ فدک کے تنازع کی جڑ اور اصل یہ ہے کہ نبی کریم
 علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی حیات مبارکہ میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ باغ ہبہ کر دیا تھا
 اور سیدہ فاطمہ نے اس پر قبضہ بھی کر لیا تھا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اگر یہ باغ فدک سرورِ عالم صلی اللہ
 علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہؓ کو ہبہ فرمادیا تھا اور سیدہ نے اس پر قبضہ بھی فرمایا تھا تو شیعوہ
 لوگوں کو میراثِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دعویٰ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ جب چیز
 ہو ہی اپنے قبضہ و تسلط میں تو پھر میراث کیسی؟ دعویٰ کیسا؟ ہمارا دعویٰ ہے کہ اس
 قسم کی تمام روایات بے اصل اور غیر معتبر ہیں۔ ہم دنیا کے شیعیت کو چیلنج کرتے ہیں کہ
 کوئی ایک ایسی صحیح روایت دکھا دیں جس کے رواۃ سب کے سب ثقات اور سنی الفہم
 ہوں جس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سیدہ فاطمہؓ کو باغِ فدک ہبہ کرنا
 اور سیدہ کا اس پر قبضہ کرنا ثابت ہوتا ہو تو ہم نہ مانگا انعام پیش کریں گے۔ مگر ہم
 کہہ دیتے ہیں۔

ذخیرِ اٹھ گز تلواران سے

یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

کوئی شیعہ عالم، مجتہد اور آیت اللہ ایسی کوئی روایت نہ تیار کیا قیامت نہیں
 دکھا سکتا۔

فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي
 وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ

الحاصل یہ مذکورہ روایات کو آپ ملاحظہ فرما چکے کہ کوئی ایک روایت بھی ایسی

موجود نہیں جس سے ثابت ہو کہ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیدہ فاطمہؓ زہرا کو باغ فدک
ہبہ فرمایا ہو اور سیدہؓ نے قبضہ کر لیا ہو۔ اس قسم کی جتنی روایات ہیں ان کے راوی غالی شیعو
اور سب کے سب کذاب اور وضاح ہیں۔ ایسی خانہ ساز اسناد سے ہبہ فدک کا مسئلہ
ثابت نہیں ہو سکتا۔ مزید لبرائ ان تمام روایات کا اصل واضح ایک ہی آدمی ہے
سب اسی کی خزاں رسیدہ شاخیں ہیں اور وہ آدمی ہے ”ابوسعید کلبی“ جس کے متعلق آپ
بڑی وضاحت کے ساتھ معلوم کر چکے ہیں کہ علمائے اسمائے رجال کے نزدیک یہ شخص
کسی قدر ضعیف اور ناقابل اعتبار ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

اہل تشیع کا شائع کردہ ایک رسالہ بنام ”وہی مجرم وہی منصف“، ہماری نظر
سے گذرا جس میں سابقہ روایات پر مصنف رسالہ نے ایک اعتراض کیا ہے جس کا
جواب ہم یہاں دینا چاہتے ہیں۔ پہلے اعتراض کی اصل عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

”وہی مجرم وہی منصف“،

نواب صاحب کی اس ساری بحث کا خلاصہ کلام یہ ہوا کہ یہ روایتیں ابوسعید
کلبی کی ہیں۔ ابوسعید خدری صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں اور انہوں نے اقرار
اعتراف کیا ہے کہ اس قسم کی روایتیں صرف ابوسعید کہہ کر خاموش ہو جاتی ہیں۔ لیکن
افسوس ہے کہ علمائے متقدمین نے روایت میں صرف ابوسعید کی سند پیش نہیں کی
ہے بلکہ پورا امام ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ لکھا ہے۔

اب ایسی صورت میں محسن الملک صاحب کی غریب تاویل خود بخود باطل قرار
پا جاتی ہے۔

علامہ سیوطی کی عربی عبارت مندرجہ ذیل ہے۔

وَأَخْرَجَ الْبَزَّازُ وَأَبُو يَعْلَى وَابْنُ أَبِي حَاتِمٍ وَابْنُ
مَرْدَوَيْهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ
عَنْهُ قَالَ.

اب منقولہ عبارت نواب صاحب کی طویل بحث کا جامع و مختصر اور مسکت
جواب ہے کہ روایت میں راوی کے نام کی تحریر میں کسی قسم کا کوئی شبہ و دھوکہ ہرگز
نہیں ہے۔ بلکہ البزار، ابویعلیٰ، ابن ابی حاتم اور ابوبکر ابن مردویہ جیسے مفسرین نے
بعد از تحقیق اس بات کا اثبات فرمایا اور حضرت ابوسعید صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم
سے نقل کیا ہے۔ پھر نواب صاحب کا یہ دعوئے بھی مبنی بر کذب ہے کہ ایسی
روایات صرف ابوسعید سے مروی ہیں اس لیے کہ ابوبکر ابن مردویہ نے اس روایت
کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔

(رسالہ وہی مجرم وہی قصص، مصنف عبد الکریم مشتاق)

شیخ مطہر عثمانی مشہور مسجد کھارادر کراچی ص ۱۷۱)

جواب:-

شیخ مولوی عبد الکریم صاحب مشتاق نے نواب محسن الملک صاحب آیات
بینات پر اعتراض کرتے ہوئے جہر کی روایات کے صحیح ہونے پر حواستہ لال کیا ہے
وہ مبنی بر حقیقت نہیں۔ مشتاق صاحب یا تو علمی بے بضاعتی کا شکار ہیں یا پھر انہوں
نے دانستہ مذہبی بددیانتی کا ارتکاب کیا ہے۔ نواب صاحب نے اپنی
کتاب ”آیات بینات“ میں روایات ہر پر مفصل بحث سپرد قلم کی ہے اور
بتایا ہے کہ سند سے لے کر ان کے گمانے تک اس بارے میں جتنی کتب شیعہ لکھی
گئی ہیں ان کی تعداد دس تک ہے۔ جن میں کتب اہل سنت کے حوالے سے

کی روایات کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

پھر صاحب آیاتِ بینات نے کتبِ اہل سنت سے ایسی تمام روایات کو مع اسناد نقل کیا جن میں ”ابوسعید خدری“ کا لفظ بھی موجود ہے۔ اور یہ بھی بتا دیا کہ یہ سب کا رتافی عطیہ کی ہے کہ اس نے مکاری کرتے ہوئے صرف دھوکہ دینے کے لیے ابوسعید کا لفظ لکھا۔ جس سے بعض مصنفین کو غلط فہمی ہو گئی کہ شاید اس سے ابوسعید خدری ہی مراد ہیں۔ جیسا کہ ”در مشورہ“ میں موجود ہے۔ لیکن صاحب آیاتِ بینات نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ علمائے شیعہ کو کتبِ اہل سنت سے قہنی بھی مسند روایات ملیں اور ان کو قابلِ اقتداء سمجھا گیا ان سب کا سلسلہ اسناد ابوسعید پر ختم ہوتا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ نواب صاحب نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ والی روایات کا انکار نہیں کیا کہ عبدالکریم مشتاق کو گنجائش اعتراض ہو بلکہ نواب صاحب نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ بعض روایات میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا نام بھی موجود ہے مگر یہ سب کچھ ”عطیہ“ کی چالاک اور دھوکہ دہی کا ثمرہ خبیثہ ہے۔

روایت ابن عباس کا حال :-

نواب محسن الملک صاحب نے ”آیاتِ بینات“ میں تحریر کیا ہے کہ ہر کی تمام روایات کا سلسلہ اسناد ابوسعید پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس پر عبدالکریم مشتاق صاحب نے بڑے زور سے بغلیں بجائی ہیں نواب صاحب پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ایسی روایات کا سلسلہ ابوسعید پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ ابن مردودیر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ہر کی روایت بیان کی ہے۔

قارئین! اس میں بھی حسبِ سابق مشتاق صاحب نے بے علمی یا بددیانتی سے کام لیا ہے۔ نواب صاحب نے ثابت کیا ہے کہ علمائے شیعہ کو اہل بارے

میں آج تک متنبی روایات مل سکی ہیں اور جن کو انہوں نے قابلِ محبت تسلیم کیا ہے۔ سب کا سلسلہ ابوسعید پر ختم ہوتا ہے۔ نواب صاحب نے ابن مردودہ کی ابن عباس رضی اللہ عنہما والی روایت کو نقل نہیں کیا اور نہ ہی اس کی تردید کو ضروری خیال کیا ہے کیونکہ متقدمین علمائے شیعہ کو بھی اس بات کا اعتراض ہے کہ ابن مردودہ کی اس روایت سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے باغِ فدک کا جب کیا جائے ثابت نہیں کیا جاسکتا اس لیے اس روایت کا سلسلہ اسناد ہی سرے سے موجود نہیں معلوم ہوتا ہے مشتاق کو مبلغ علم فقط اور در سائل کی ”لکھت پڑھت“ تک محدود ہے۔ اسی لیے تو نواب صاحب پر اعتراض کر رہے ہیں کہ ان روایات کا سلسلہ ابوسعید پر ختم نہیں ہوتا۔ بلکہ در مشور میں ابن مردودہ سے مروی ابن عباسؓ والی روایت موجود ہے جس سے منقول ہوا کہ اس روایت کے اور راوی بھی ہیں۔ دادویچے مشتاق صاحب کے علم کی یہ تک معلوم نہیں کہ ابن مردودہ سنہ ۳۸۰ کا آدمی ہے۔ اور روایت کرتا ہے حضرت ابن عباسؓ سے جو صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ درمیان میں کسی راوی کا کوئی ذکر ہی نہیں۔ اب مشتاق ہی بتائیں کہ یہ درمیان دلسے راوی کون تھے؟ کیسے تھے؟ ثقت تھے یا غیر ثقت؟

تحقیق مزید :-

ابن مردودہ کی سند روایت جو ثقہ الاسلام علی بن طاوس علی شیعہ نے اپنی مشہور کتاب در طرائف فی معرفۃ مذہب الطوائف، میں نقل کی ہے۔ اس کا سلسلہ اسناد ملاحظہ فرمائیں۔

طرائف فی معرفۃ مذہب الطوائف :-

وَمِنْ طَرِيقٍ مُنَا قِصَصَاتِهِمْ مَكَارِ وَوَفَاتِهِمْ

كُنِيَهِمُ الصَّحِيحَةَ عِنْدَهُمْ بِرَجَالِهِمْ عَرُ
 مَشَايِخِهِمْ حَتَّى اسْتَدَوْهُ عَنْ سَيِّدِ الْحَقَائِدِ
 ابْنِ مَرْدَوِيَةَ قَالَ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ الشُّنَّةِ أَبُو
 الْفَتْحِ عَبْدُ وَاسِعُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْهَمْدَانِيُّ
 إِجَازَةً قَالَ حَدَّثَنَا الْقَاضِي أَبُو نَصْرِ
 شُعَيْبُ بْنُ عَلِيٍّ قَالَ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ
 سَعِيدٍ قَالَ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ عَلِيٍّ قَالَ
 حَدَّثَنَا عِمَادُ بْنُ يُعْقُوبَ قَالَ حَدَّثَنَا
 عَلِيُّ بْنُ عَبَّاسٍ عَنْ فَضِيلِ بْنِ عَظِيمَةَ عَنْ
 أَبِي سَعِيدٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ آيَةُ وَآتِ
 ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ دَعَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَاطِمَةً
 فَأَعْطَاهَا فَذَكَ .

(طوائف فی معرفۃ مذہب الطوائف ص ۶۸)

(مطبوعہ بیروت)

ترجمہ: سینوں کے عجیب منقضات میں سے وہ روایت ہے جو انہوں
 نے اپنی مقبرہ اور صحیح کتب میں اپنے مشائخ سے روایت کی اور
 اسے سیدہ اطمینان ابن مردویہ با سند مذکورہ یوں لکھتے ہیں کہ ابو سعید
 سے منقول ہے کہ جب آیت "وَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ" نازل
 ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا
 اور باغِ ذک انہیں عطا فرمایا۔

حضرات: آپ نے دیکھ لیا کہ ابن مردویہ کی مذکورہ روایت میں یہی تین

حضرات فضیل ابن مرزوق، عطیہ ابن سعد اور ابو سعید راوی ہیں جن کے حالات گذشتہ اوراق میں آپ نے مفصل طور پر ملاحظہ فرمائیے۔ ایسے کسی راوی کی کوئی روایت اہل سنت پر بطور ازام پیش نہیں کی جاتی۔

معلوم ہوا کہ در مشور میں ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایت کی ہے وہ قابل اعتماد نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے شیعہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے باغ فدک کے ہیر کی تائید میں اس روایت کو کبھی پیش نہیں کیا۔ البتہ انہوں نے اس بارے میں جن روایات کو قابل استناد سمجھا ہے وہ ابن مردویہ کے علاوہ دوسرے راویوں کی ہیں۔ جن کا مفصل پوسٹ مارٹم کیا جا چکا ہے۔

ایک اور گواہی :-

اس بات کی تصدیق کے لیے کہ ہیر فدک کی سب روایات کے راوی مرزوق اور عطیہ جیسے کذاب لوگ ہیں مزید گواہی ہم شیعہ کی معتبر تفسیر عیاشی اور مجمع البیان سے پیش کر دیتے ہیں۔

تفسیر عیاشی و مجمع البیان :-

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ صَالِحٍ كَتَبَ الْمَأْمُونُ
إِلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُوسَى الْعَبْسِيِّ يَسْأَلُهُ
عَنْ قِصَّةِ الْفَدَكِ فَكَتَبَ إِلَيْهِ عَبْدُ اللَّهِ
أَنَّ مُوسَى بِهَذَا الْحَدِيثِ رَوَاهُ عَنْ
الْفَضْلِ بْنِ مَرْزُوقٍ عَنْ عَطِيَّةَ
فَرَدَّ الْمَأْمُونُ هَذَا عَلَى وَلَدِ فَاطِمَةَ

هَسَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهَا

(۱) تفسیر میاشی مصنف ابوالنصر محمد بن سعد میاشی جلد دوم

۲۸۷ مطبوعہ تہران طبع جدید

(۲) تفسیر مجمع البیان جلد سوم جزء ششم ۳۱۱ مطبوعہ تہران

طبع جدید

ترجمہ عبد الرحمن بن صالح سے روایت ہے کہ امامون عباسی خلیفہ نے عبید اللہ

بن موسیٰ عسی کی طرف باغ فدک کا واقعہ معلوم کرنے کے لیے خط لکھا عبید اللہ بن موسیٰ

بائے امون کی طرف اس حدیث کو لکھ کر بھیجا جس کو فضل بن عیون

نے عطیہ سے روایت کیا۔ اس پر امامون نے باغ فدک سیدہ فاطمہ سلامت

علیہا کی اولاد کو واپس کر دیا۔

الحاصل :-

ہیئر فدک کے متعلق اہل تشیع نے اپنی کتب میں اہل سنت کی کتب سے جتنے بھی

حوالہ جات نقل کیے ہیں وہ سب کے سب ایسے ہی ہیں جن کا سلسلہ اسناد فضیل بن عیون

علیہ بن سعد اور ابوسعید پر ہی ختم ہوتا ہے۔ اور ان میں دونوں قسم کے ثبوت موجود

ہیں کہ آیا باغ فدک نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ہیمنہ فرمایا تھا

یا امامون الرشید نے اولاد فاطمہ پر روکیا تھا۔ ایسی تمام روایات انہی راویوں کی

مذہبی سنت ہیں جن کو اہل سنت کی کتب اسمائے رجال نے کذاب و وضع ثابت

کیا ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

❖

❖

ایک غلط پراپیگنڈہ کی تردید

چند دن ہوئے اہل تشیع کا ایک رسالہ وہی مجرم، وہی منصف، مصنف عبد اللہ کی مشاق نظر سے گزرا جس میں ”باغ ذک“ کے متعلق تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ بالخصوص حدیث ”نَحْنُ الْأَئِمَّةُ لَا تُؤَدِّثُ دِرْهَمًا وَلَا دِينَارًا إِلَّا لَعَلَّ عِلْمًا وَقِحْكَةً“ کو مصنف نے کمال عیاری و مکاری کے ساتھ غلط ثابت کرنے کی سعی نامشکور کی ہے مقصود مصنف یہ ہے کہ حدیث مذکور کو روایت کرنے والا سعید بن فیروز البختری ہے جو کذاب و ضاع ہے۔ اور یہ حدیث سعید بن فیروز البختری کے علاوہ کسی دوسرے راوی سے مروی نہیں ہے۔ رسالہ مذکورہ کی اصل عبارت ملاحظہ ہو۔

وہی مجرم وہی منصف :-

پانچویں بات شاہ صاحب کی کافی میں وارد روایت کی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کتب شیعہ میں یہ روایت سوائے ابوالبختری کے کسی اور نے روایت نہیں کی ہے۔ ابوالبختری کے متعلق علماء شیعہ کا فیصلہ ہے کہ یہ کذاب اور مانا ہوا و ضاع ہے ملاحظہ کریں ”فی معرفۃ الرجال“ لکشی، مطبوعہ ممبئی ۱۹۹۔ پھر علامہ ابن حجر کی تحریر شامہ ہر اس ہے کہ انہوں نے تصدیق کی ہے کہ یہ شخص سنی المذہب تھا۔ اور اس نے اپنے آپ کو بناوٹی شیعہ ظاہر کیا تھا۔

تقریب التہذیب:

سَمِعْتُ مِنْ خَيْرِ رَوِّ ابْنِ الْبَخْتَرِيِّ ثَقَلَهُ ثَبَتَ فِيهِ
كَثِيرٌ قَلِيلٌ كَثِيرٌ الْإِسْرَ سَالٍ مِنْ
الْمَشَاقِقِ

(تقریب التہذیب ص ۱۳۹)

اس سے ثابت ہوا کہ ابو البختری اہل سنت میں مقدم ہے۔ خصوصاً تشیع ظاہر کرتا
تھا۔ مگر بہت مرسل احادیث بیان کرتا تھا۔ لیکن شیعوں کے نزدیک وہ سب سے
زیادہ جھوٹا ہے۔ اس لیے جھوٹوں کی گواہی مقبول نہیں۔ پس قول ابو بکر بن ابی شامہ
حدیث ”کَا ثَوْتٌ“، وضعی ثابت ہوئی۔

(در سالہی مجرم وہی نصحت مصنف عبد اللہ بن شتان)

ص ۷۷ مطبوعہ کراچی)

جواب ہے:-

ابن ارض مذکور کے پیش نظر ہم نے پوری کتاب ”رجال کشی“ کا بنظر مرقی
مطالعہ کیا مگر اس میں سید بن فیروز ابو البختری کا نام تک نہیں ”رجال کشی“ میں جس
ابو البختری کو کذاب کہا گیا ہے اس کا نام سید بن فیروز ابو البختری نہیں بلکہ وہب بن
وہب ابو البختری ہے جو صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ رجال کشی کی عبارت
ہیکل خدمت ہے۔

رجال کشی:-

أَبُو الْبَخْتَرِيِّ وَهْبُ بْنُ وَهْبٍ ذَكَرَ أَبُو الْحَسَنِ

عَلِيٌّ بْنُ قَتَيْبَةَ الْقَتَيْبِيُّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ سَلَمَةَ
الْكُوفِيِّ أَبُو الْبَخْتَرِيِّ اسْمُهُ وَهَبُ بْنُ
وَهَبِ بْنِ كَثِيرِ بْنِ زَمْعَةَ بْنِ الْأَسْوَدِ صَاحِبِ
رَسُولِ اللَّهِ (ع) وَهُوَ رَبَّاهُ وَقَالَ
عَلِيٌّ أَيْضًا قَالَ أَبُو مُحَمَّدٍ الْفَضْلُ بْنُ شاذَانَ
كَانَ أَبُو الْبَخْتَرِيِّ مِنْ أَكْذَابِ
الْبَرِيَّةِ -

درجال کشی مصنف عمر بن عبد العزیز بن ابی کثیر ص ۲۴۱

مذکورہ ابوالبختری وہب مہموذ کر بلا

ترجمہ:- ابوالبختری وہب بن وہب - ابوالحسن علی بن قتیبا قتیبی نے علی بن سلمہ
کوئی سے ذکر کیا کہ ابوالبختری کا نام وہب بن وہب بن کثیر بن زعمہ بن
الاسود ہے۔ وہ صحابی رسول ہیں اور ان کی تربیت حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام نے ہی کی تھی۔ علی نے بھی یوں ہی کہا ہے۔ ابوفضل بن شاذان
نے کہا کہ ابوالبختری مخلوق میں سب سے زیادہ جھوٹا تھا۔

حیرت ہے۔ معترضی نے حدیث مذکور کے مروجہ اور موضوع ہونے پر
جن دو چیزوں سے استدلال کیا۔ ان میں پہلی چیز تو یہ تھی کہ اس حدیث کا راوی
سعید بن فیروز ابوالبختری ہے اور وہ کذاب ہے۔ (بحوالہ رجال کشی) حالانکہ رجال کشی
میں اس نام کا کوئی بھی راوی موجود نہیں۔ بلکہ رجال کشی میں جسے کذاب ثابت کرنے
کی کوشش کی گئی ہے وہ وہب بن وہب ابوالبختری ہے۔ معترضی کے علم و ریاضت
سے بالکل تہی دامن ہونے کی کتنی بڑی دلیل ہے کہ اس نے ابوالبختری کے لفظ
سے دھوکہ دے کر وہب بن وہب کو سعید بن فیروز قرار دیا۔ اور پھر مسلک شیخ

کی اسمائے الرجال کے موضوع پر ہماری نظر سے قبلی کتب گزری ہیں۔ ان میں سے کسی میں سعید بن فیروز کو کذاب نہیں کہا گیا بلکہ ثقہ گردانا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔
شیخ اسماء الرجال کی کتب سعید بن فیروز ابو البختری کے متعلق کیا کہتی ہیں؟

(۱) تنقیح المقال :-

سَعِيدُ بْنُ فَيْرُوزَ أَبُو الْبَخْتَرِيِّ يَفْتَحُ
الْمَوْحِدَةَ وَالْمُعْتَمِدَةَ بَيْنَهُمَا خَاءٌ
مُعْجَمَةٌ ابْنُ عِمْرَانَ الْقَلَائِيُّ مَوْلَاهُمُ
الْكُوفِيُّ ثِقَةٌ

تنقیح المقال فی علم الرجال مصنف عبد اللہ عارفانی

شیعی جلد دوم ص ۲۹ باب سعید مطہر (ان)

ترجمہ: سعید بن فیروز ابو البختری بام اور تاء کے فتح کے ساتھ اور ان دونوں
کے درمیان خاء معجم ہے۔ یہ ابن عمران طائی کوفی مولانا کا ثقہ راوی ہے

(۲) جامع الرواة :-

أَبُو الْبَخْتَرِيِّ سَعِيدُ بْنُ فَيْرُوزَ رَقِيَ فِي أَهْلِ أَهْتَابِ
عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ الْيَمَنِ وَحَدَّثَ تَقْدَمَ عَنْ [ح]
أَنَّهُ سَعْدُ بْنُ عِمْرَانَ أَوْ ابْنُ هَيْرُوزَ (مع)

جامع الرواة مصنف محمد بن علی الاراد بلی شیعی

جلد دوم ص ۲۹ باب اباء من اکتفی مطہر (ان)

مکمل طباعت ۲۰۲۰ء (هجری)

ترجمہ۔ ابو البختری سعید بن فیروز اصحاب علی علیہ السلام میں گنیمت سے ہے۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ وہ سعید بن عمران یا ابن فیروز ہے۔

تاریخ کرام، آپ نے مذکورہ حوالہ جات سے ملاحظہ فرمایا کہ کسی نے سعید بن فیروز ابو البختری کو وضاع اور کذاب نہیں کہا بلکہ اسے ثقہ اور اصحاب علی رضی اللہ عنہ میں شمار کیا ہے۔ تنقیح المقال میں تو اس جگہ اس کی تعریف میں یہاں تک مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب خاص میں سے تھا۔ دیکھئے۔

تنقیح المقال :-

سَعِيدُ بْنُ خَيْرُوزَ أَبُو الْبَخْتَرِيِّ قَدْ عَدَّ الْعَلَمَةُ
سَعِيدُ بْنُ خَيْرُوزَ مِنْ غَيْرِ كُنْيَةٍ
مِنْ أَصْحَابِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ
مَنْ الْيَمَنِ وَعَنِ الْبَرْقِيِّ أَنَّهُ مِنْ
خَوَاصِّهِ.

تنقیح المقال جلد دوم صفحہ ۲۹ باب سعید بطبر

تم ایران

ترجمہ۔ سعید بن فیروز ابو البختری۔ علامہ نے اسے بغیر کنیت کے شمار کیا ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے معنی اصحاب میں سے تھا۔ برقی نے کہا کہ وہ آپ کے خاص اصحاب میں سے تھا۔

دوسری بات :-

حَدِيثُ نَحْنُ الْأَنْبِيَاءُ لَا نُورِثُ دِرْهَمًا وَلَا دِينَارًا.

موضوع ثابت کرنے کے لیے معترض کی دودلیوں میں سے ایک دلیل کا بطلان تو آپ حضرات نے ملاحظہ فرمایا۔ رہی یہ دلیل کہ اس حدیث کا سوائے سعید بن یزید ابو البختری کے کوئی دوسرا راوی نہیں تو اس بات میں بھی معترض نے اپنی علمی بے یقینی، خیانت، کتمانِ حق، عناد اور شقاوت قلبی کا ثبوت دیا ہے۔ کیونکہ حدیث مذکور کا راوی ابو البختری کے علاوہ عبد اللہ بن میمون بھی ہے جس کو امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ کے چار نوروں میں سے ایک نور قرار دیا ہے۔ یہ بھی پہلے عبد اللہ بن میمون سے مروی حدیث ملاحظہ کریں۔ بعد میں ہم راوی مذکور کے ”نور“ ہونے کا قول پیش کریں گے۔

امالی شیخ صدوق :-

حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ إِبرَاهِيمَ قَالَ
 حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ إِبرَاهِيمَ عَنْ
 أَبِيهِ إِبرَاهِيمَ بْنِ هَاشِمٍ عَنْ
 عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَيْمُونٍ عَنِ الصَّادِقِ
 جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ
 آبَائِهِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ قَالَ قَالَ
 رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ
 إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرِثَةُ الْأَنْبِيَاءِ
 إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِيْنَارًا وَلَا
 دِرْهَمًا وَلَكِنْ وَرِّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ أَخَذَ
 مِنْهُ أَخَذَ بِحَقِّهِ وَافِرٍ

کتاب الامالی والہیاس مصنف شیخ صدوق ص ۳۳
المجلس الرابع مطبوعہ

ترجمہ: (بحدف اسناد) عبداللہ بن میمون نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ
سے انہوں نے اپنے اباؤ اجداد سے روایت کی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم
نے ارشاد فرمایا کہ بے شک علماء انبیاء کرام کے وارث
ہوتے ہیں۔ بے شک انبیاء کسی کو درہم و دینار کا وارث نہیں بناتے۔
لیکن وہ تو علم کی میراث چھوڑتے ہیں۔ پس جس نے علم حاصل کیا۔ اس
نے حضور علی الصلوٰۃ والسلام کی میراث سے وافر حصہ حاصل کیا۔

روایت مندرجہ بالا میں آپ دیکھ چکے کہ حدیث "وَلَا تُؤَدُّنَّ" کا راوی
عبداللہ بن میمون بھی ہے۔ معلوم ہوگی مصنف رسالہ "وہی مجرم وہی منصف"
اپنے اس دعوے میں کتنا کاذب و فاجر ہے کہ اس حدیث کا سعید بن فیروز البزرجی
کے علاوہ اور کوئی راوی نہیں۔

اس حدیث کی سند:

اب کتب اسماء رجال شیعہ سے اس حدیث کے رواۃ کی سیرت و
ثقافت بھی قارئین کے سامنے رکھی جاتی ہے۔

راوی اول عبداللہ بن میمون

(۱) رجال العلامة الحلی:

عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَيْمُونٍ الْأَسْوَدُ الْقَدَّاحُ سِبْرِيُّ
الْقَدَّاحِ مَوْلَى بَنِي مَخْزُومٍ رَوَى أَبُوهُ عَنْ

جَعْفَرٌ وَابْنُ عَبِيدِ اللَّهِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ وَرَوَى
هُوَ عَنْ ابْنِ عَبِيدِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَكَانَ
يُثَقُّهُ. وَرَوَى الْكَثِيفِيُّ عَنْ حَمْدِ وَيَّةَ عَنْ
أَيُّوبَ بْنِ نُؤُوجَ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ يَحْيَى عَنْ أَبِي
خَالِدٍ الْقُمَاطِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَيْمُونٍ
عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ يَا ابْنَ
مَيْمُونٍ كَمْ أَنْتُمْ بِمَكَّةَ؟ قُلْتُ نَحْنُ
أَرْبَعَةٌ قَالَ إِنَّكُمْ نُورُ اللَّهِ فِي ظُلُمَاتِ
الْأَسْرَاضِ.

در رجال العلماء الحلی مصنف الحسن بن یوسف الحلی

ص ۱۰۸ مطبوعہ قم ایران طبع جدید

ترجمہ۔ عبد اللہ بن میمون اسود قدس جگر پتھر تراشا کرتا تھا اور بنی مخزوم کا
غلام تھا۔ اس کے باپ نے امام باقر اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہما
سے روایت کی اور خود عبد اللہ بن میمون نے روایت کی امام جعفر
صادق رضی اللہ عنہ سے اور وہ ثقہ راوی تھا۔ اور روایت کی کثیفی نے
محمد ویر سے اس نے ایوب بن نوح سے اس نے صفوان بن یحییٰ
سے اس نے ابی خالد القماط سے اس نے عبد اللہ بن میمون سے
اس نے امام باقر علیہ السلام سے کہ امام باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے
ابن میمون! تم مکہ میں کتنے آدمی ہو؟ میں (ابن میمون) نے عرض کیا کہ ہم چار
ہم۔ آپ نے فرمایا۔ تم زمین کی تار یکھوں میں اللہ کے نور ہو۔

تصحیح المقال :-

عَبْدُ اللَّهِ بْنِ مَيْمُونٍ الْأَسْوَدُ الْقَدَّاحُ
 وَعَدَّهُ ابْنُ السَّيِّدِ فِي قَهْرِ سَيْتِهِ
 مِنْ قَهْرَاءِ الشَّيْعَةِ وَقَالَ الشَّجَاشِيُّ عَبْدُ اللَّهِ
 ابْنُ مَيْمُونٍ بْنُ الْأَسْوَدِ الْقَدَّاحُ مَوْلَى بَيْتِ
 مَخْزُومٍ يَبْرَأُ الْقَدَّاحُ رَوَى أَبُوهُ عَنْ أَبِي
 جَعْفَرٍ وَابْنُ عَبْدِ اللَّهِ وَرَوَى هُوَ عَنْ ابْنِ عَبْدِ
 اللَّهِ وَكَانَ ثِقَةً وَرَوَى الْكَشِيرِيُّ
 عَنْ حَمْدٍ وَبِهِ عَنْ أَيُّوبَ بْنِ سُوحٍ عَنْ
 صَفْوَانَ بْنِ يَحْيَى عَنْ أَبِي خَالِدٍ صَالِحِ
 الْقُمَاطِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَيْمُونٍ عَنْ أَبِي
 جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ يَا ابْنَ مَيْمُونٍ كَمْ
 أَنْتُمْ بِمَكَّةَ؟ فَقُلْتُ نَحْنُ أَرْبَعَةٌ قَالَ
 أَمَا إِنَّكُمْ تَنُورُ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ.

(۱۱) تصحیح المقال جلد دوم صفحہ ۲۲ باب عبد اللہ

مطبوعہ تہران

(۲) رجال کشی صفحہ ۲۱ تذکرہ القداح مطبوعہ کربلا

ترجمہ: عبد اللہ بن میمون اسود قداح اس کو ابن ندیم نے اپنی فہرست
 میں قہرائے شیعوں سے شمار کیا ہے۔ اور نجاشی نے کہا کہ عبد اللہ بن میمون
 بن اسود قداح مولیٰ بنی مخزوم پتھر تراشا کرتا تھا۔ اور اس کے باپ نے

امام باقر علیہ السلام سے روایت کی اور وہ (عبداللہ بن میمون) ثقہ راوی تھا..... اور کثی نے محدث سے اس نے ایوب بن نوح سے اس نے صفوان بن یحییٰ سے اس نے ابو خالد صالح القنطاری سے اس نے عبداللہ بن میمون سے اور اس نے امام باقر علیہ السلام سے روایت کی امام باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ابن میمون! تم کہیں کہتے آدمی جو ہمیں (ابن میمون) نے عرض کیا ہم پیارا آدمی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم زمین کی تاریکیوں میں تو رہو۔

دوسرے راوی،، ابراہیم بن ہاشم، کی ثقہ ہمت

تفتیح المقال :-

ابراہیم بن ہاشم القیمی قد عُدَّ الشَّيْخُ فِي رِجَالِهِ مِنْ أَصْحَابِ الرِّضَا عَلَيْهِ السَّلَامُ۔۔۔۔۔ وَقَالَ فِي الْفَهْرِ سَيِّدُ اِبْرَاهِيمُ بْنُ هَاشِمٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَبُو اسْحَاقَ الْقِمِّيَّ أَصْلُهُ مِنْ الْكُوفَةِ وَانْتَحَلَ إِلَى هُتَمٍ وَأَصْحَابِنَا يَقُولُونَ إِنَّهُ مَنْ تَشَرَّحَ حَدِيثَ الْكُوفِيِّينَ يَقْتُمْ وَذَكَرُوا أَنَّ لِقَى الرِّضَا وَالَّذِي أُعْرِفَ مِنْ كُتُبِهِ كِتَابُ الشَّعَادَةِ وَكِتَابُ الْقَضَا بِالْإِمَامِ الْمُؤَمِّلِينَ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

(تفتیح المقال بعد اشد ما مقانی شیعی جلد اول ص ۲۹)

باب ابراہیم مطہر عمر بن طبع جدید

ترجمہ۔ ابراہیم بن ہاشم قمی کو شیخ طوسی نے اپنی کتاب الرجال میں امام رضا علیہ السلام کے اصحاب میں شمار کیا ہے۔ اور فہرست میں کہا کہ ابراہیم بن ہاشم ابراہیم قمی

کا اصل وطن کو ذقن تھا وہاں سے منتقل ہو کر قمر پور پہنچا۔ اور ہمارے اصحاب کہتے ہیں یہ وہ شخص ہے جس نے کوفیوں کی احادیث کی قمر میں اشاعت کی۔ اور ذکر کیا کہ اس نے امام رضاؑ سے ملاقات کی تھی۔ اور اس کی مشہور کتابیں، کتاب النور اور کتاب القضاء الامیر المومنین ہیں۔

تیسرے راوی ”علی ابن ابراہیم کی ثقاہت،،

نتیجہ المقال :-

عَلِيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ هَاشِمِ بْنِ أَبِي الْحَسَنِ الثَّقَفِيِّ
قَالَ التَّجَاشِيُّ بَعْدَ هَذَا الْعُنْوَانِ ثِقَةً فِي الْحَدِيثِ
ثَبَتَ مَعْتَمِدًا صَحِيحَ الْمَذْهَبِ -

(۱) نتیجہ المقال جلد دوم ص ۴۶ باب علی علیہ السلام

مطبوعہ تہران طبع جدید

(۲) جامع الرواة محمد بن علی الارؤسی جلد اول

ص ۵۴۵ باب العین بعد اللام مطبوعہ

مطبوعہ قمر ایران سن طباعت ۱۳۴۲ھ

توجہ :-

علی ابن ابراہیم ہاشم ابو الحسن قمری۔ اس عنوان کے بعد تجاشی نے کہا کہ وہ حدیث کے معاصرین ثقہ و معتد اور صحیح المذہب ہے۔

چوتھے راوی "حسین بن ابراہیم" کی ثقاہت

نتیجہ المقال :-

الْحَسَنِ بْنِ اِبْرَاهِيمَ - ذَكَرَهُ الصَّدُوقُ مَرْضِيًّا
وَ أَكْثَرَ مِنَ الرِّوَايَةِ عَنْهُ وَ ذَلِكَ يَشْهَدُ
بِعَوْنِ أَقْبَتِهِ -

(۱) نتیجہ المقال جلد اول صفحہ ۳۱۵ باب الحسین
مطبوعہ تہران طبع جدید

(۲) جامع الرواة جلد اول صفحہ ۲۳۲ باب السام
بعده السین مطبوعہ قم - ایران

ترجمہ :- حسین بن ابراہیم شیخ صدوق نے اسے پسندیدہ لوگوں میں ذکر کیا۔ شیخ
کی اکثر روایات اسی سے ہیں۔ اور یہ بات اس کی ثقاہت پر شاہد ہے۔

دعوت غور و فکر :-

انصاف پسند قارئین حضرات کو ہم دعوت مکر دیتے ہیں کہ مولوی عبدالکریم شقائق
کے بذیات کو مد نظر رکھتے ہوئے مذکورہ حوالہ جات کو بعین ترجمہ ایک دفعہ پھر پڑھیں اور غور
فرمائیے کہ شقائق صاحب اور ان کے دیگر حواری کسی قدر دروغ گوئی سے کام لیتے ہیں۔
اور جھوٹ کے سہارے کتنے بلند بانگ دعاوی کرتے ہیں۔ مگر جب ان کے دعاوی
کو حقیقت کی کسوٹی پر رکھا جاتا ہے تو تار عنکبوت سے بھی کم درخشاں ہوتے ہیں۔
شقائق صاحب نے پہلا دعویٰ کیا تھا کہ حدیث در لا خورائے، کاروائی سنید ہی

فیروز ابو بختری، ہر طرح ہے۔ دوسرا دعویٰ ہے کہ یہ تھا کہ اس روایت کا سوا کے اس کے
 کے اور دوسرا کوئی راوی نہیں۔ پہلے دعویٰ کے تار پود تو آپ کو گوشہ صنعت میں یکسر تعلق
 اچکے ہیں۔ دوسرے دعویٰ کا ابطال بھی آپ کے سامنے ہے کہ یہ حدیث متعدد طرق
 سے منقول ہے جیسا کہ حوالہ جات مذکور ہوئے۔ اور شیخ صدوق سے مرفوعاً مذکور ہے کہ اس
 روایت کے تمام راوی ثقہ اور مستند ہیں۔ اس طرح مشتاق صاحب نے ابو بکر صدیق رضی
 پر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ناراضگی کے مفروضے پر جو قصہ ناپائیدار تعمیر کیا تھا ایسا زمین پر
 کرنا نام و نشان ندارد۔

لمحہ فکریہ :-

قارئین کرام معلوم کر چکے کہ معترض نے حدیث رد لائنویٹ، پر جو دو طرح کی
 تنقید کی تھی۔ غلط بیہ بنیاد اور دھوکہ دہی پر مبنی ہے۔ اس کی پہلی دلیل تھی کہ اس حدیث
 کا راوی سعید بن فیروز ابو بختری وضاع اور کذاب ہے۔ اس کے متعلق آپ شیخ
 اسماعیل رجال کی کتب کے حوالہ جات ملاحظہ فرما چکے ہیں یہ راوی ثقہ آدمی ہے معترض
 کا دوسرا دعویٰ یہ تھا کہ اس حدیث کا راوی سعید بن فیروز ابو بختری کے سوا اور کوئی
 نہیں ہے۔ اس دعویٰ کا ابطال بھی آپ پر واضح ہو گیا کہ اس ایک راوی عبد اللہ بن
 میمون بھی ہے۔ جسے شیخ کتب رجال نے امام باقر رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں شمار
 کیا ہے۔ بلکہ امام باقر رضی اللہ عنہ نے اس کو نہی کے نوروں میں سے ایک نور قرار دیا۔
 اور عبد اللہ بمقانی صاحب تنقیح المقال نے ترمذی کے روایا کو عبد اللہ بن میمون فقہائے شیخ
 میں سے ہے اور ثقہ آدمی ہے۔ اور حدیث عبد اللہ بن میمون کے دوسرے راویان
 بھی ثقہ ہیں۔

علاوہ انہی ہم نے بخوف طوالت شیخ کتب اسماعیل رجال کے بہت سے

مواہجات کو قہراً انداز کر دیا ہے جن میں ان راویان کے ثقہ ہونے کو واضح کیا گیا ہے۔
 جب شیعہ حضرات کی معتبر کتب اسمائے رجال نے تصدیق کر دی۔ کہ حدیث
 دوکانوثر میں رہما قلا دیناراً الغم صحیح ہے تو اس سے اگر حضرت ابو بکر صدیق
 رضی اللہ عنہ نے باغِ فدک کے میراث رسول نہ ہونے پر استدلال کیا ہے تو کون سا
 جرم کیا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض ساداتِ کرام نے بھی یہ فرمایا کہ اگر ہم بھی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
 کی جگہ ہوتے تو وہی فیصلہ کرتے جو آپ نے کیا۔ (ابن حدید شرح، نہج البلاغہ جلد ۴
 ص ۸۲ مطبوعہ بیروت)

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ حق ترجمان

سے حدیث دوکانوثر، کی تشریح و تفصیل

تفسیر فرات کو فی ہر

فرات نے بیان کیا حدیث بیان کی مجھ سے محمد بن ابراہیم بن ذکریا تطفانی نے اس
 سے کئی واسطوں سے عبد اللہ بن ابی اوفی سے انہوں نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
 مسجد نبوی شریف میں تشریف لائے۔ ہم وہاں موجود تھے۔ آپ کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ
 کی حمد و ثناء بیان کی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ میں تمہارے درمیان مواخاتہ (بھائی چارہ)
 قائم کرتا ہوں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے درمیان قائم فرمایا ہے۔ جب نبی کریم
 صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا اور حضرت علی رضی
 اللہ عنہ کو کسی کا بھائی نہ بنایا تو اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم! آپ نے مجھے چھوڑ کر سب کو جوڑا اور ایک دوسرے کا بھائی بنایا اس

میری کمر ٹوٹ گئی اور میری روح بچنے کو آئی۔ اس پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
مقام مجھ سے وہی ہے جو حضرت ہارون علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تھا
میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ اور میں نے تجھے موخر اس لیے کیا ہے کہ تو میرا جہاں
میرا وارث ہے اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ **وَالَّذِي أَرْتَابُ**
يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ مَا وَرِثْتَ إِلَّا نَبِيَّاءُ مِنْ قَبْلِي قَالَ
وَرِثْتَ إِلَّا نَبِيَّاءُ مِنْ قَبْلِكَ قَالَ كِتَابُ رَبِّهِمْ وَسُنَّتُ
رَبِّهِمْ أَنْتَ مَعِيَ يَا عَلِيُّ فِي قَضَائِي فِي الْجَنَّةِ مَعَ فَاطِمَةَ
ابْنَتِي هِيَ زَوْجَتُكَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَنْتَ رَفِيقِي

(تفسیر قرأت کو فی مصنفہ قرأت بن ابراہیم

شمسی ص ۸۲ مطبوعہ نجف اشرف)

ترجمہ: قسم بخدا میں آپ کا وارث ہوں گا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ
نے فرمایا مجھ سے پہلے انبیاء کرام نے میراث نہیں چھوڑی حضرت علی
رضی اللہ عنہ نے عرض کی پھر آپ سے پہلے انبیاء کرام نے کوئی چیز میراث
میں چھوڑی؟ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ انہوں نے اپنے رب کی
کتاب اور اپنی سنت، میراث میں چھوڑی۔ اے علی! تم میرے محل میں
جنت میں میرے ساتھ ہو گے۔ میری بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی تمہارے
ساتھ جنت میں ہوگی۔ وہ دنیا اور آخرت میں تمہاری زوجہ محترمہ ہے۔
اور تم میرے رفیق ہو گے۔

فاریں کرام! آپ نے مشاہدہ فرمایا کہ قنازع فیہ حدیث (جس کو عبد الکریم شافعی
شیعہ نے موضوع ٹھہرایا ہے۔) اس لیے کہ اس کے نزدیک اس حدیث کو راوی سوانح
سعید بن فیروز البختری کے اور کوئی نہیں اور ابوالبنتری شافعی صاحب کے نزدیک

وضائع اور کذاب ہے۔ اتنی مضبوط اور صحیح ہے۔ اور آپ نے یہ بھی دیکھ لیا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کام سے اس حدیث کی تشریح کتنی وضاحت کے ساتھ مذکور ہے۔ حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مولانا علی رضی اللہ عنہ کو وارث بھی فرمایا اور ساتھ ہی فیصلہ فرمایا کہ علی رضی اللہ عنہ میرے وارث تو ہیں مگر علم و حکمت اور کتاب و سنت میں نہ کہ مال و دولت میں۔ کیونکہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام مال و دنیا کی وارث نہیں چھوڑتے۔

مستحق کا یہ دعویٰ بھی باطل ہو گیا کہ اس حدیث کا سوائے ابوالہریری کے اور کوئی داری نہیں۔ اب نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس وضاحت و صراحت کے بعد بھی اگر کوئی آپ کی وارثت دنیا کی رٹ لگاتا ہے۔ اور باغِ مذکورہ کو سیدہ فاطمہ کے لیے مال میراث قرار دیتا ہے تو اسے ضدی اور ہٹ و صرم ہی کہہ سکتا ہے۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)



اگر فداک سیدہ فاطمہ کے لیے جبرہ تھا تو پھر وراثت کا دعویٰ کیوں
شید کی معتبر کتاب "فروع کافی"۔

میں موجود ہے۔ کہ سات باغات کی تولیت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھی
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ
سے ان کی میراث میں جملہ اکیا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شہادت دی کہ
سات باغات "وقف" ہیں۔ ان میں وراثت جاری نہیں ہو سکتی۔ تاکہ کتب
بھی حصہ ملے۔ "فروع" کی عبارت یہ ہے۔

فروع کافی:

عَنْ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي أَحْسَنِ الثَّاقِبِيِّ عَنِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ
قَالَ سَكَنَتُهُ عَنِ الْجِبْرِاتِ السَّبْعَةِ الَّتِي كَانَتْ مِيرَاثَ رَسُولِ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفَاطِمَةُ عَلَيْهَا السَّلَامُ فَقَالَ لَا رَيْبَ
كَانَ وَحَقًّا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْخُذُ إِلَيْهِ
مِنْهَا مَا يَنْفِقُ عَلَى أَهْلِيائِهِ فَلَمَّا قُبِعَتْ جَاءَ الْعَبَّاسُ
يَخْطُبُ فَاظْمَنَ فِيهَا فَهَذَا عَلَى عَيْنِهِ السَّلَامُ وَغَيْرُهُ أَتَاهَا
وَقَفَّ عَلَهَا فَاظْمَنَ عَلَيْهَا السَّلَامُ وَهِيَ الدَّلَالُ وَالْإِسَافُ
وَالْمُحْسَنُ وَالْمُتَافِيهِ وَمَا لَكُمْ إِبْرَاهِيمَ وَ
الْمَيْتَبُ وَالْبَرْقَةُ.

(نمبر ۱) فروع کافی جلد ثالث ص ۲۷ مطبوعہ نو کشتور لمعہ قدیم

(نمبر ۲) فروع کافی جلد ہفتم ص ۴۴ کتاب الوصایا باب صدقات

صلی اللہ علیہ وآلہ و فاطمہ الام مطبوعہ تہران۔ طبع جدید

(۲) نسخ التواریخ زندگانی فاطمہ ص ۲۴۵

ترجمہ: احمد بن محمد نے امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ کہ میں نے
 امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ سے ان سات باغات کے بارے میں
 دریافت کیا۔ جو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 کی میراث تھے۔ تو امام مومون نے فرمایا۔ وہ میراث نہ تھے۔ بلکہ
 وقف تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے اتنا لیتے تھے۔ جو کہ
 ہماروں کے لیے کفایت کرتا۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طلت
 فرما گئے۔ تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان باغات میں سیدہ فاطمہ
 رضی اللہ عنہا سے جھگڑا کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ نے گواہی دی
 کہ باغات وقف ہیں۔ جو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے ہیں۔ وہ
 سات یہ ہیں۔ دلال، عفاف، حسنی، صافر، مالا، ابراہیم، المیشب
 اور برقہ۔

اہل سنت و جماعت کی معتبر کتب میں ”مہربہ“ کے خلاف اس طرح مذکور
 ہے۔ کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ بنے۔ تو اس وقت ”باغ فدک“
 بنو امیہ کے قبضہ میں تھا۔ تو آپ نے بنی امیہ کو جمع کر کے فرمایا۔ جیسا کہ ابوداؤد کی
 روایت میں ہے۔

ابوداؤد: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْجَرَّاحِ أَخْبَرَنَا جَبْرِ بْنُ عَيْنٍ
 الْمُغْبِرِيُّ قَالَ جَمَعَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ بَنِي مُرَّوَاتٍ
 حِينَ اسْتَحْلَمَتْ فَذَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ كَانَتْ لَهُ فِدَاةٌ وَكَانَ يُنْفِقُ مِنْهَا وَيَعُوذُ مِنْهَا
 عَلَى صَغِيرِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ وَبَنِي زَيْدٍ مِنْهَا أَتَمَّعَهُ وَ إِنَّ

فَاطِمَةَ سَأَلَتْهُ أَنْ يَجْعَلَهَا لَهَا فَابِي فَكَانَتْ كَذَلِكَ فِي حَيَاتِهِ
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى مَضَى لَيْسِيْلِهِ فَلَمَّا
أَنَّ وَلِيَّ ابْنِ أَبِي عَمِلَ فِيهَا بِمَا عَمِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ فِي حَيَاتِهِ حَتَّى مَضَى لَيْسِيْلِهِ فَلَمَّا أَنَّ وَلِيَّ عُمَرَ
عَمِلَ فِيهَا مَا عَمِلَ حَتَّى مَضَى لَيْسِيْلِهِ ثُمَّ أَقْطَعَهَا مَرْوَانَ
ثُمَّ صَارَتْ لِعُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ قَالَ عُمَرُ يَعْزِيهِ ابْنُ
عَبْدِ الْعَزِيزِ قَرَأْتُ أَمْرًا مَنَعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَاطِمَةَ كَيْسَ لِي يَعْزِي وَرَأَيْتُ أَشْهَدُكُمْ أَنِّي قَدْ رَدَدْتُهَا عَلَى
مَا كَانَتْ يَعْزِي عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
(ابو داؤد جلد ثانی صفحہ ۵۹ کتاب النبی والخراج والا ماریہ)

ترجمہ: ہم سے عبداللہ بن جراح نے کہا کہ عمر بنے مغیرہ سے ہیں خبر دی۔
کہ عمر بن عبد العزیز نے بنی مروان کو اپنے خلیفہ بننے کے بعد جمع کیا۔
اور کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم "فدک" میں سے کچھ اپنے لیے غنیمت فرماتے
اور بنی ہاشم کے بچوں کی پرورش فرماتے۔ اور ان کی لونڈیوں کو بیاتے تھے۔
حضرت فاتون جنت نے "فدک" کے بارے میں آپ سے
سوال کیا۔ تو آپ نے دینے سے انکار کر دیا۔ آپ کی زندگی میں
اس کی آمدنی انہی مصارف پر خرچ ہوتی رہی۔ آپ کے پردہ فرمانے
کے بعد جب ابو بکر خلیفہ مقرر ہوئے۔ تو انہوں نے وہی عمل باقی
رکھا۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ پھر یہ بھی انتقال فرم گئے۔ پھر جب
عمر فاروق خلیفہ مقرر ہوئے تو انہوں نے بھی وہی عمل باقی رکھا۔ جو
نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کا تھا۔ پھر مروان نے

ہے اپنے قبضہ (حکیت) میں لے لیا۔ اور ان کے بعد جب عمر بن عبد العزیز غلیظ بنے۔ تو انہوں نے دیکھا کہ جس مذک کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تخت جگہ کو نہ دیا۔ اس پر میرا قطعاً حق نہیں بننا۔ میں تم ہائیں کو گواہ بناتا ہوں۔ کہ میں نے ”مذک“ ہر کی وہی حالت برقرار کر دی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تھی۔

یعنی ”مردان“ نے ناجائز اس کو اپنی حکیت قرار دے دیا تھا۔ اور اس طرح اس کی آمدنی ان مصارف پر صرف ہونا ختم ہو گئی۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے دور میں تھے۔ تو آج پھر اسے اُسی حالت پر لوٹا رہا ہوں۔ تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے طریقہ پر عمل ہو سکے۔

میراث انبیاء کا حکم شیعہ کتب سے

اصول کافی: انبیاء کی میراث مال نہیں احادیث میں:

عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَّ الْعَلَمَاءَ وَرِثَةَ الْأَنْبِيَاءِ
وَذَلِكَ أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُورَثُوا دَرَاهِمًا وَلَا دِينَارًا وَلَا أَمْثَالًا
أَوْ رَشُوا أَحَادِيثَ مِنْ أَحَادِيثِهِمْ عَنْ أَحَدٍ يَكُونُ
مِنْهَا فَتَنَةٌ أَخَذَ حَقًّا وَافَرًّا أَنْفَكَرُوا عَنْهُمْ كَمَا هَذَا مِنْ
تَأْخُذُ رِثَةٍ فَإِنَّ زَيْنًا أَمِلَ الْبَيْتَ فِي كُلِّ خَلْفٍ عَدُوًّا
يَنْتَقُونَ عَدُوَّهُ تَحْرِيفُ الْعَالَمِينَ وَإِنْ تَحَالَ الْمُبْطِلِينَ
وَتَأْوِيلُ الْجَاهِلِينَ

(اصول کافی جلد اول ص ۳۲ کتاب فضل العلم باب سفقت العلم

وفضله الخ مطبوعہ تہران، طبع جدید)

ترجمہ: امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ علماء وراثت انبیاء ہیں۔ اور انبیاء وراثت نہیں ہوتے درہم و دینار کے بلکہ وہ مالک ہوتے ہیں اپنی احادیث کے۔ پس جس نے ان احادیث سے کچھ لے لیا۔ اس نے کافی نصیب پایا۔ پس تم اس پر نظر رکھو کہ تم اس علم کو کس سے لیتے ہو۔ یہ علم ہم اہل بیت کا ہے۔ کیونکہ جو علم پیغمبر نے امت کے لیے چھوڑا ہے۔ اس کے وارث اہل بیت رسول ہیں جو عادل ہیں۔ اور جو رد کرتے ہیں غائبین کی تحریرات اور اہل باطل کے تغیرات اور جاہلوں کی تاویلوں کو۔

درجہ اصول کافی جلد اول ص ۲۵ مطبوعہ کراچی

اصول کافی: انبیاء کی میراث علم ہے علماء ان کے وارث ہیں

(۱۲) وَ فَضِّلَ الْعَدْلُ عَلَى الْعَابِدِ وَ فَضِّلَ الْعَمَلُ عَلَى

سَائِرِ الْمُجَوِّمِ لَيْسَ الْبَدَنُ وَرَثَةُ الْعُلَمَاءِ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ

وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ لَمْ يَذَرُوا إِذْ يَنْتَارُوا وَلَا وَرَثَةً

لِلْحَيِّ وَرَثَةُ الْعِلْمِ مَنْ أَخَذَ مِنْهُ أَخَذَ

بِعَقْلِ رَاضٍ

(۱۱) اصول کافی جلد اول ص ۲۴ کتاب فضل العلم طبع جدید

(۱۲) قرب الاسناد ص ۲۱ طبع تہران جدید

ترجمہ: اور فرمایا کہ دین کے عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے۔ جس طرح

ستاروں پر چاند کی فضیلت اور چاندنی رات پر فضیلت ہے

اور علماء کرام وراثت انبیاء ہیں ماوراء انبیاء کے کرام نہیں چھوڑتے

اپنی امت کے لیے درہم و دینار بلکہ وہ چھوڑتے ہیں علم دین کو

پس میں نے اس کو حاصل کیا اس نے بڑا نصیب پایا۔
(ترجمہ اصول کافی جلد اول صفحہ ۲۷)

امالی صدوق :

(۳۱) عَنْ الْمُتَادِي جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِيهِمْ
السَّلَامُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ
مَلَكَ مَلِكٌ يَطْلُبُ فِيهِ عِلْمًا سَلَّمَ اللَّهُ بِهِ قَلْبِيَّتًا إِلَى
الْجَنَّةِ فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَنفَعُهُمْ أَحْيَا حَتَّى يَأْتِيَ الْعَالِبَ الْعِلْمُ رَضِي
بِهِ قِرَاءَةً يَسْتَفِضُّ لِيَطْلُبَ الْعِلْمَ مَنْ فِي السَّمَاءِ وَمَنْ
فِي الْأَرْضِ حَتَّى الْعَوْدِ فِي الْبَحْرِ وَفَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ
كَفَضْلِ الْقَمَرِ عَلَى سَائِرِ النُّجُومِ لَيْلَةَ الْبَيْتِ رَوَاهُ الْعَمَّاءُ
وَرَوَاهُ الْأَنْبِيَاءُ إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يَكُنْ يَرَوْنَ شَوْدِهَا أَوْ لَا يَرَوْنَهَا
وَلَكِنْ وَكُنْشُوا لَعَلَّ يَمْنَحُ مِنْهُ أَخَذَ مِنْهُ أَخَذَ بِحَقِّ وَافِرٍ

صدوق صفحہ ۲۷ المجلس خامس

عشر مطبوعہ قعر

ترجمہ: امام جعفر اپنے والد اور ان کے والد اپنے آباء سے روایت
کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص
طلب علم کے لیے راستہ لے کرتا ہے۔ اللہ رب العزت
اُسے جنت کی طرف سے باتا ہے۔ اور فرشتے طالب علموں
کے لیے اپنے پر بچھاتے ہیں۔ کیونکہ انہیں اس سے خوشی حاصل
ہوتی ہے۔ آسمان و زمین کی تمام مخلوق حتیٰ کہ دریا کی مچھلیاں طالب علم

کے لیے استنفار کرتی ہیں۔ اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے۔
 جیسے چودہ ہویں کے پاند کی فضیلت ستاروں پر چاندنی رات
 میں اور علماء و ارث انبیاء میں۔ اور انبیاء اپنی وراثت میں درہم و
 دینار نہیں چھوڑتے۔ بلکہ علم دین چھوڑتے ہیں۔ پس جس نے اس کو
 حاصل کر لیا۔ اُس نے بہت بڑا حصہ حاصل کر لیا۔

مسئلہ میراث میں شیعہ حضرات کے اعتراضات اور ان کے جوابات

اعتراض نمبر (۱):

قرآن مجید میں مسئلہ میراث کو بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔
 یُوْصِيْكُمْ اَللّٰهُ فِیْ اَوْلاَدِکُمْ لِلذَّکْرِ مِثْلُ حَظِّ
 الْاُنْثٰی۔

(سورہ نساء - پٹ)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں وصیت فرماتا ہے۔
 کہ تمہارے ترکہ میں سے ایک لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر
 حصہ ہوگا۔

اس آیت کریمہ میں حکم عام ہے۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ
 کے ماننے والے تمام مومنین داخل ہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی
 اس آیت کے حکم سے خارج نہیں۔ تو پھر بموجب اس حکم کے آپ کی

وراثت بھی آپ کی اولاد (سیدہ خاتون جنت) کو ملنی چاہیے۔ لیکن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو وراثت سے محروم کر دیا۔ اور اس طرح ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی خلاف ورزی کی۔ اور اس صریح حکم کے خلاف ایک خبر واحد ”فَقَدْ مَعَاشَرُوا لَا نَبِيَّاءَ لَا خُورِثَاتٍ“ پیش کر کے سیدہ فاطمہ کو حق سے محروم کر دیا۔ لہذا ان کا ایسا کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔

جواب نمبر (۱):

شیعوں حضرات کی سب سے صحیح اور امام غائب کی مصدقہ اصول کافی وہ کتاب ہے جسے امام جعفر نے ہذا کتاب اشیعہ تناسل سے تعبیر کیا یعنی یہ کتاب ہمارے شیعوں کے لیے کافی ہے۔ ایسی کتاب کی حدیث کو خبر واحد کہہ کر صرف اپنے من گھڑت مسئلوں کو ثابت کرنے کے لیے ناقابل عمل قرار دینا تو من ائمہ اہل بیت ہے۔ علاوہ ازیں جب کہ شیعوں حضرات موجودہ قرآن کو تحریف شدہ قرار دیتے ہیں جیسا کہ کتب شیعوں میں تو ائمہ کے ساتھ ثابت ہے۔ تو پھر وہ اس قرآن کی آڑ سے کہ اصول کافی کی حدیث کو کیسے ناقابل عمل قرار دے سکتے ہیں۔

جواب نمبر (۲):

مذکورہ آیت میراث میں خطاب صرف امت کو ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ مسلمانوں کو سمجھایا گیا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس میں داخل نہیں۔ کیونکہ یہ بات ثابت شدہ اور تحقیق شدہ ہے۔ جسے شیعہ سنی دونوں مانتے ہیں۔ کوئی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر تمام انبیاء کرام کمالی وراثت نہیں ہوتی۔ ہم گزشتہ اوراق میں شیعہ کتب سے یہ ثابت کر چکے ہیں۔

اہل سنت و جماعت کی کتب میں ایسی بہت سی احادیث موجود ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد صحابہ کرام نے روایت فرمائی۔ مثلاً حضرت حذیفہ بن یمان، زبیر بن عوام، عباس، علی، عثمان، عمر، عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، ابو درود، ابو ہریرہ اور ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ ان تمام حضرات سے اس قسم کی روایات آئیں ہیں۔ جن میں انبیائے کرام کی "مالی وراثت" نہ ہونے کا ذکر ہے۔

یہ بات کہ "نَحْنُ مُعَاشِرُ الْأَنْبِيَاءِ كَقَوَائِمٍ" والی حدیث صرف ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پیش کی تھی۔ کسی اور کو یاد نہ تھی۔ تو اس اعتبار سے یہ خبر واحد ٹھہری۔ یہ بھی درست نہیں۔ بلکہ یہ روایت مذکور بالا تمام صحابہ کرام اور اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین میں مشہور و معروف تھی۔ بالفرض اگر اس کے سلسلے والے صرف ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی ہوتے۔ تو بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ حدیث موجب علم یقینی ہے۔ کیونکہ احادیث کی مختلف اقسام متواتر مشہور و خبر واحد وغیرہ ان لوگوں کے لیے ہیں۔ جنہوں نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں۔ مگر جس نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنیں اس کے لیے ان کا مرتبہ متواتر بھی بڑھ کر ہے۔

تیسری بات یہ بھی ذہن نشین رہے۔ کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث جب پیش فرمائی۔ تو اس وقت اور اس دور میں بہت سے صحابہ کرام تک پہنچی۔ بلکہ وہاں موقع پر موجود بھی تھے۔ ان میں سے کسی نے اس بارے میں اختلاف نہ کیا۔ خود سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس کے جواب میں اتنا فرمایا کہ سَمِعْتُ یعنی میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث نہیں سنی۔ تو "مدم سماعت" سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ کسی اور نے بھی نہیں سنی۔ وہ تو خود اپنی "نفی سماعت" سے

رہی ہیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ اس حدیث کے ذریعہ آیت میراث کے عمومی حکم میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تخصیص کے ذریعہ نکال دیا گیا۔ اور آپ اس میں داخل نہیں۔ جس طرح وہ لوگ اس میں داخل نہیں۔ جن کا ذکر بھی نہیں ہوتا۔ یا جن کی اولاد ہی نہیں ہوتی۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس کی مثال ایک اور آیت کریمہ سے دی جا سکتی ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: ”وَإِنَّمَا تَحْكُمُوا بِمَا طَابَ لَكُمْ مَعَيْنَ الْإِنْسَاءِ وَمَثْنَى وَثُلَاثَ وَرَبَاعَ، اپنی پسند کی دو دو، تین تین اور چار چار عورتوں سے شادی کرو۔ اس آیت میں چار بیویوں کی بیک وقت نکاح میں رکھنے اور لانے کی اجازت ہے۔ تو یہ اجازت بھی امت کے لیے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس عام حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ کتب احادیث اور میراث میں آپ کی بیک وقت چار سے زائد ازواج مطہرات کا نکاح میں ہونا مشہور و معروف ہے۔ تو جس طرح اس آیت کے عموم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مستثنیٰ کر دیا گیا۔ اسی طرح آیت میراث بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر مومنین کے لیے ہے۔ تو حدیث مذکورہ سے آیت میراث کی تخصیص یقین اور تشریح ہو رہی ہے۔ اس سے مخالفت لازم نہیں آتی۔ اگر اس طرح تخصیص سے مخالفت لازم آئے۔ تو یہی اعتراض شیوخ حضرات پر بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ان کی فقہ میں بھی اس قسم کی تمہیصات موجود ہیں۔ جیسے مرنے والا کا فر تھا۔ اور اس کی اولاد مسلمان تھی۔ تو کا فر صاحب جائیداد کی وراثت اس کی مسلمان اولاد کو نہیں ملے گی۔ یا اس کے برعکس مرنے والا صاحب جائیداد مسلمان تھا۔ اس کی اولاد کا فر ہے۔ تو بھی انہیں وراثت نہیں بنایا جائے گا۔ حالانکہ حکم سب کے لیے عام تھا۔ اعتراض ۲: سلیمان علیہ السلام داؤد علیہ السلام کے وارث ہیں اگر انبیاء کرام کی ”مالی وراثت“ نہیں ہوتی۔ جیسا کہ تم نے ثابت کیا تو دیانت

طلب یہ امر ہے۔ گزیدہ تاحضرت سلیمان علیہ السلام اپنے والد یتیم ناداؤد علیہ السلام کے لئے
کیونکہ قرار پائے۔ ان کے وارث ہونے کا قرآن گواہ ہے۔

وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ اِنَّا رَحْمَتُ سُلَيْمَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ جَنَابِ دَاوُدَ
علیہ السلام کے وارث بنے۔

لہذا معلوم ہوا۔ کہ جب قرآن پاک نے نبی کی وراثت ثابت کی۔ اور وارث
کا نام بھی ذکر کر دیا۔ تو وہ حدیث جس میں نبی کی وراثت سے انکار کیا گیا ہے۔ قابل
ذہن ہوئی۔ اور مرجوح ٹھہری۔

جواب:

سائل نے سوال میں کچھ لاعلمی کا ثبوت دیا ہے۔ ہم نے احادیث متقدمہ کی
میں ثابت یہ کیا تھا۔ کہ نبی کی ”مالی وراثت“ نہیں ہوتی۔ اور ”وراثت علمی“ کا ثبوت
بھی انہی احادیث میں موجود ہے۔ جن میں ”مالی وراثت“ کی نفی ہے۔ تو جس
کی ہم نے نفی کی۔ اگر ایت زیر بحث میں اسی کا ثبوت ہے۔ تو اعتراض درست
ورنہ ہم کب قائل ہیں۔ کہ ”وراثت علمی“ بھی نہیں ہوتی۔

بہر حال ہم جواب کی طرف مڑتے ہیں۔ ”وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ“
”وراثت علمی“ مراد ہے۔ یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے والد گرامی جناب دَاوُدَ
علیہ السلام کے ”وارث علمی“ بنے۔ کیونکہ اگر اس وراثت سے مراد ”وراثت مالی“
ہوتی۔ تو صرف سلیمان علیہ السلام کے وارث ہونے کا کوئی معنی نہیں۔ وہ اس لئے
کہ حضرت دَاوُدَ علیہ السلام کے ان کے علاوہ شمارہ اور بھی بیٹے تھے جنہی الصّٰتین علیہ السلام اٹھ
کو چھوڑ کر اکیلے سلیمان علیہ السلام کیونکہ ”وارث مالی“ بنے۔ اور دوسرے کیونکہ
محروم رہے۔

پھر تباری منبر کتاب جو کہ امام معصوم کی مصدق ہے۔ اس میں امام جعفر رضی اللہ عنہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو وراثت ملی، قرار دیا ہے۔ جسے بالکل واضح طور پر ذکر کیا ہے۔

قول امام جعفر سلیمان کو علمی وراثت ملی:

اصول کافی: مُحَمَّدٌ بْنُ يَحْيَى عَنْ سَمْعَانَ بْنِ الْخَطَّابِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ زُرْعَةَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنِ الْمُضَنَّى عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قُرَيْشٌ دَاوُدَ وَإِنَّ مُحَمَّدًا وَرِثَ سُلَيْمَانَ وَأَنَا وَرِثْنَا مُحَمَّدًا أَقْرَبَ عِنْدَنَا عِلْمُ الْقُرُونِ الْإِسْطِجِيلِ وَالزَّبُورِ وَتَبَيَّنَ مَا فِي الْأَلْسَابِ.

اصول کافی جلد اول صفحہ ۲۲۴-۲۲۵ کتاب النجباء باب ان الامۃ

ورثوا علم النبی طبع جدید مطبوعہ تہران

ترجمہ: امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے وراثت ہوئے۔ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سلیمان کے وراثت ہوئے۔ اور ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وراثت ہوئے۔ اور ہمارے پاس علم توریت و انجیل و زبور کا اور ہمارے پاس بیان واضح ہے اس کا جو انوار موسیٰ میں تھا۔

(مترجم اصول کافی جلد اول صفحہ ۲۵ مطبوعہ کراچی)

شیخہ حضرت کا علامہ ملا غلیل قزوینی، اس روایت کی یوں شرح

کرتا ہے۔

صافی شرح اصول کافی؛

گفت امام جعفر صادق علیہ السلام بدرستی کہ سلیمان بمیراث گرفت علم را از داؤد چنانچہ اللہ تعالیٰ گفتہ در سورہ قمل کہ دَوَّوْ وِیْتَ سُلَیْمَانَ دَاؤُدَ، و بدرستی کہ محمد بمیراث برد علم را از سلیمان و بدرستی کہ اہل بیت محمد بمیراث بردیم علم را از محمد و بدرستی کہ نزد ما است علم تورات موسی و علم انجیل و علم زبور و علم نسخہ کہ بیان واضح الواح موسیٰ است۔

(صافی شرح اصول کافی جلد سوم صفحہ ۱۴۹)

ترجمہ: امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے کہا۔ کہ سلیمان علیہ السلام نے علم بطور میراث داؤد علیہ السلام سے حاصل کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ قمل میں دَوَّوْ وِیْتَ سُلَیْمَانَ دَاؤُدَ، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے میراث علم سلیمان علیہ السلام سے پائی۔ اور ہم اہل بیت نے وراثت علمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پائی۔ ہمارے پاس موسیٰ علیہ السلام کی تورات، انجیل اور زبور کا علم ہے۔ اور اس نسخہ کا علم جو موسیٰ علیہ السلام کی الواح میں تھا یہ سب علم ہمارے پاس ہے۔

سوال:

وراثت سلیمان از داؤد علیہا السلام میں ”وراثت علمی“ کے اثبات کے ضمن میں جو تم نے لکھا۔ کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے انیس بیٹے تھے۔ کیا کتب شیعہ میں کی تصدیق کرتی ہیں۔ ایک اودھ حوالہ پیش کرو؟

جواب:

شید حضرات کی معتبر تفسیر ”منہج الصادقین“ میں مذکور ہے۔

تفسیر منہج الصادقین:

و بسمت پرستہ کرداؤد (علیہ السلام) را نورزد و پسر بود و ہر یک یاقوت
نبوت و وراثت داشتند۔

(تفسیر منہج الصادقین جلد ۲ ص ۴۶۲ زیر آیت و وراثت سلیمان

و اؤد سورۃ نمل رکوع نمبر ۲ مطبوعہ تہران)

ترجمہ: یہ بات درجہ نبوت تک پہنچی ہے۔ کہ داؤد علیہ السلام کے انیس
عبارتوں سے تھے۔ اور ان میں سے ہر ایک نبوت و وراثت کے
قابل تھا۔

لیکن اس مقام پر ”قابل وراثت“ سے یہ مرگزنہ سمجھا جائے۔ کہ اس سے مراد
”وراثت مالی“ تھی۔ بلکہ اس سے مراد ”حکومت“ تھی۔ اسی تفسیر کے اسی مقام پر اس
کی وضاحت موجود ہے۔

تفسیر منہج الصادقین:

اکابر بنی اسرائیل بفضل و کمال سلیمان معترف شدند و داؤد
ملک با تو تسلیم کرو۔ و دیگر روز وقات نمود سلیمان بر تخت شہرت

(۱) (تفسیر منہج الصادقین جلد ۲ ص ۴۶۲)

(۲) مجمع البیان جلد چہارم جزء ۲ ص ۴۱۲ زیر آیت وراثت سلیمان

(۳) تفسیر صافی جلد دوم ص ۲۳ سورہ نمل

ترجمہ: بنی اسرائیل کے تمام اکابر نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے فضل و کمال

کا (منہبت دیگر اٹھارہ بھائیوں کے) اعتراض کر لیا۔ اور داؤد علیہ السلام نے اپنا ملک و حکومت ان کے سپرد کر دیا۔ اسی کے دو ستر روز حضرت داؤد علیہ السلام انتقال کر گئے۔ اور سلیمان علیہ السلام تختِ پدری پر بیٹھ گئے۔

لمحہ فکریہ :

علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں باغ فدک واپس کیوں نہ لے لیا

”باغ فدک“ کے مسئلہ میں حضرت فاتون بننت رضی اللہ عنہ کا مطالبہ اور اس کے جواب میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حدیث، سول پیش فرما کر مسئلہ کی نوعیت متعین کر کے اسی کے بارے میں جو فیصلہ فرمایا آپ حضرات نے اسے پڑھ لیا۔ یہ فیصلہ صرف خلافت صدیقی تک ہی برقرار رہا۔ بلکہ دور فاروقی، عثمانی اور حضرت علی و امیر معاویہ رضی اللہ عنہم تک برقرار رہا۔ صرف ”مروان“ کے دور میں اس میں رد و بدل ہوا۔ اور پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اس کی پہلی حیثیت بحال کر دی۔

اس مسئلہ میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بقول مشیخہ خلفائے ثلاثہ نے ظالمانہ طور پر باغ فدک کو غصب کیے رکھا تو پوچھا جاسکتا ہے کہ جب خلافت علی رضی اللہ عنہ کا دور آیا۔ اور اس وقت ان مخالفین میں سے کوئی بھی زندہ نہ تھا۔ تو اپنے دور خلافت میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس ظلم کی تلافی

کیوں نہ کی۔ اور کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ فرض نہ تھا۔ کہ اپنے دور خلافت میں مظلوم کا حق ظالم سے واپس دلائے۔ حالانکہ ایک مسلمان مادل ماکم پر فرض ہے۔ کہ مظلوم کی داد دے کرے۔ اور ظالم سے غصب شدہ حق مظلوم کو واپس دلانے اسی بات کی وصیت بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حسین کریمین کو فرمائی۔

منج البلاغہ:

لَا تَتْرُكُوا الْأَعْمَىٰ يَلْعَنُوكَ وَالَّذِي فِي يَدَيْكَ الْمَتْلُوكَ قِيلَ لَهُ لَا تَمْسِكْهُ فَإِنْ لَمْ يَنْتَهِ عَنكَ فُدْكَ بِالْحَبْلِ وَالْأُتْرَاقِ ۚ

ترجمہ: امر بانعوض اور نہی عن النکر کو کسی حال میں ترک نہ کرو۔ ورنہ تمہارے شرابہ نہ پر مسلط کر دیئے جائیں گے پھر وہاں مانگو گے۔ لیکن وہ قبول نہیں ہوں گے۔

(منج البلاغہ ص ۲۲ خط ۲۴ چھوٹا سا مڑا مطبوعہ بیروت)

اگر حسین کریمین کو یہ وصیت ہے۔ تو خود بھی اس پر کاربند ہوں گے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نظر میں ”غلفائے شلاثرہ“ کا ”باغ فدک“ کے معاملہ میں یہ رویہ قابل اعتراض تھا۔ تو چپ کیوں سادھے رہے۔ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ جو فیصلہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ وہ من و عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ تھا۔ اسی لیے امیر معاویہ تک اسی پر عمل ہوتا رہا۔ نہ اس میں رد و بدل کیا۔ اور نہ ہی کسی نے اعتراض کیا۔ لیکن ہمارے اس دعوے کے برعکس شیعا اس فیصلہ کو نامہاد فیصلہ قرار دیتے ہیں۔ تو ان کے بقول حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اس ظلم کو کیوں نہ عدلی میں بدلا۔

مذکورہ سوال کے لایعنی جوابات دینے کی ناکام کوشش

سید نعمت اللہ جزاؤں پر اپنی مشہور کتاب "الوار نعمانیہ" میں اس سوال کے
بارے میں لکھتا ہے۔

الوار نعمانیہ:

وہ کلام علیؑ، وَأَمَّا هَؤُلَاءِ عَنِ لَوْ كَسِرَتْ لِيَ الْيَوْمَ سَادَةٌ ثُمَّ جَعَلَتْ
عَلَيْهَا الْحَدِيثُ. مَعْنَاهُ أَنِّي إِن تَمَكَّنْتُ مِنَ الْحُكْمِ
بَيْنَ النَّاسِ مِنْ غَيْرِ مُنَازَعَةٍ وَهَذَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ
لَمْ يَكُنْ مُتَمَكِّنًا فِي وَفْقِ خِلَافَتِهِ مِنْ إِقَامَةِ الْأَحْكَامِ
عَلَى وَجْهِهَا لِإِمَانَتِهِ الْمَتَخَيِّفُونَ فِي الْبِدْعِ فَصَادَ
لَا يَتَذَكَّرُ أَنْ يُغَيِّرَ مَا فَعَلُوهُ فِيمَنْ عَزَلَ شَرِيحَ عَيْنِ
الْقَضَاءِ بِأَرَادَهُ فَلَمْ يَنْتَهِ لَكِنْ مِنْهُ لِأَنَّهُ كَانَ مَنصُوبًا
مِنْ قَبْلِ الْمُتَقَدِّمِينَ وَمِنْهُ صَلَوةُ الصُّلَحِيِّ فَلَمَّا أَسَلَتْ
أَبْنَةُ الْحَسَنِ أَنْ يُتَادِيَهَا فِي مَسَاجِدِ الْكَرْفَةِ لَمْ تَلْ
تُصَلِّ وَفَضَّلَ النَّاسُ ضَرْجَةً وَاحِدَةً وَفَتَالُوا قَا
عَمْرَاهُ أَمَرْنَا بِالصَّلَاةِ وَأَنْتَ تَنْهَانَا عَنْهَا
أَنْ آيَتِ الْبَدْوِ يَنْهَى عَمْدًا إِذَا صَلَّى - وَرَمَتْهُ
رَدُّ الْغَدَاةِ وَالْعَوَالِي عَلَى أَوْلَادِهَا طِمَّةً فَتِلَاةُ

كَانَ مِنْ فِئْتَةٍ الْفِئْتَةِ وَالْفَسَادِ يَتَغَلِيظُ
مَنْ تَقَدَّمَ .

وَقَدْ رَوَى الْقُصْدُ وَطَابَ شَرَاهُ فِي كِتَابِ الْوَسِيلِ
عِلًّا أُخْرَى مِنْهَا رَوَاهُ مُسْنِدُهُ إِلَى أَبِي بَصِيرٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ
قَالَ قُلْتُ لَهُ لِمَ لَمْ يَأْخُذْ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ قَدْ كَانُوا وَلِيَّ
النَّاسِ وَلَا يَمْنَعُهُمَا عِلَّةُ تَرْكِهَا فَقَالَ لِأَنَّ الظَّالِمَ وَالْغُلَّامَ
الْمُظْلَمَ قَدْ كَانَا قَدِمَ مَا عَلَيَّ اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَآتَاكَ اللَّهُ
الْمُظْلَمُومَ وَعَاقِبَ الظَّالِمَ فَفَكَرَهُ أَنْ يَكُنْ تَرْجِعُ شَيْئًا قَدْ
عَاقَبَ اللَّهُ عَلَيْهِ عَظِيمَةً وَأَصَابَ عَلَيْهِ الْمَغْصُوبَةَ
بِذِكْرٍ أَيْضًا جَرَابًا أَخْرَجَ وَأَوْبَسَ نَادِيهِ إِلَى إِبْرَاهِيمَ
الْمَكْرُمِيِّ قَالَ سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ فَقُلْتُ لِأَنِّي عِدَّةٌ تَرَكْتُ
أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ قَدْ كَانُوا وَلِيَّ النَّاسِ فَقَالَ لِلْإِقْبَادِ
بِرَسُولِ اللَّهِ لَمَّا قَتَلَهُ مَلَكٌ وَقَدْ بَاءَ عَقِيلٌ بِنْتُ أَبِي
طَالِبٍ دَارَةً فَقِيلَ لَهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلَا تَرْجِعُهُ إِلَى دَارِهِ
فَقَالَ وَهَلْ تَرَكْتُ لَنَا عَقِيلٌ دَارًا إِنَّا أَهْلُ الْبَيْتِ لَا
نَسْتَرْجِعُ شَيْئًا يُؤْخَذُ مِنْهَا ظُلْمًا فَيُدْرِكُ لَمْ يَسْتَرْجِعْ
فَهُمْ كَانُوا وَلَوْ ذَكَرَ أَيْضًا جَرَابًا ثَالِثًا بِأَسْنَادِهِ إِلَى
عَمْرِئِ بْنِ هُضَيْلٍ عَنْ أَبِي الْحَسَنِ قَالَ سَأَلْتُ عَنْ
عَنْ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ لِمَ لَمْ يَكُنْ تَرْجِعُهُ قَدْ كَانُوا
نَسْأَلُ وَلِيَّ النَّاسِ فَقَالَ لِأَنَّ أَهْلَ الْبَيْتِ لَا
يَأْخُذُ لَنَا حَقُّوْقُنَا وَمَنْ ظَلَمَنَا إِلَّا هُوَ يُعْجِزُ

إِلَّا اللَّهُ وَنَحْنُ أَوْلِيَاءُ الْمُسْلِمِينَ إِنَّمَا
نَحْكُمُ لَهُمْ وَنَأْخُذُ حَقُّوْقَهُمْ مِمَّنْ
ظَلَمَهُمْ وَلَا نَأْخُذُ لِأَنفُسِنَا.

(۱) انوار نعنائیہ جلد اول ص ۲۴ نور العفری طبع جدید اردو طبع قدیم

(۲) مجالس المؤمنین جلد اول ص ۵ (تہران)

ترجمہ: رہا قول علیؑ۔ ”تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ يَا أُولِیَ الْأَرْحَامِ أَفَلَا تَعْلَمُونَ“

عَلَيْهَا“ الحدیث۔ سواس کے معنی یہ ہیں۔ کہ اگر میں لوگوں کے درمیان

بغیر کسی نزاع کرنے والے کے حکومت پر قادر ہو جاؤں، تو یہ قول

دلائل کرتا ہے اس بات پر کہ حضرت امیر اپنے عہد خلافت میں اہل بیت

اسکا کام پر جیسا کہ چاہئے قادر نہ تھے۔ کیونکہ متعلقین بدعتوں میں آپؑ

بسبقت لے گئے۔ لہذا آپ قادر نہ تھے۔ قاضی شریح کو عہد و فضل سے

معزول کرنا تھا۔ آپؑ نے اس کا ارادہ کیا۔ مگر اس پر قادر نہ ہوئے کیونکہ

قاضی موصوف متقدمین کی طرف سے متعین تھے۔ اور من جملہ ایسی بدعات

کے نماز بھی تھی۔ آپؑ نے اپنے صاحبزادے حسن کو بھیجا۔ کہ مساجد کو

میں منادی کر دے۔ کہ نماز بھی نہ پڑھی جائے۔ پس لوگوں نے شور برپا

کر دیا۔ اور کہنے لگے۔ ہائے عمر! آپؑ نے ہمیں اس نماز کا حکم دیا۔

اور یہ ہمیں اس سے منع کر رہے ہیں۔ ”أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَى عَبْدًا

إِذَا أَصْلَحَ“ اور من جملہ ایسے احکامات کے مذکور و موالیہ مریز کو اولاد

فاطر پر رو کرنا تھا۔ کیونکہ متقدمین کی درستی کے سبب یہ فتنہ فساد تھا

(یعنی پہلے خلفاء کی سختی کی وجہ سے فتنہ و فساد کا خطرہ بنا ہوا تھا۔)

شیخ صدوق طالب نراہ نے کتاب العلل میں اس کے اور اسباب

بیان کیے ہیں۔ جن میں سے ایک کو بسندِ ابو بصیر روایت کیا ہے کہ میں نے
 امام جعفر صادق سے پوچھا کہ امیر المومنین نے اپنی خلافت میں فدک کیوں
 نہ لیا؟ اور کس سبب سے اسے چھوڑ دیا۔ امام نے فرمایا کہ ظالم و مظلوم
 دونوں اللہ سبحانہ کے ہاں پہنچ چکے تھے۔ اور خدا نے مظلوم کو ثواب اور
 ظالم کو عذاب دے دیا تھا۔ اس لیے حضرت امیر نے ناپسند کیا۔
 کہ اس چیز کو واپس لے لیں۔ جس پر اللہ نے غاصب کو عذاب اور
 مظلوم کو ثواب دے دیا۔ شیخ صدوق نے اس کا ایک اور جواب
 دیا ہے۔ جسے اس نے بسندِ ابیہم کوفی روایت کیا ہے۔ کہ میں نے
 امام جعفر صادق سے پوچھا کہ حضرت امیر نے اپنی خلافت میں فدک
 کس واسطے نہ لیا؟ امام نے جواب دیا۔ کہ اس میں آپ نے رسول اللہ
 کی اقتدار کی۔ کفتح مکہ کے وقت جب کہ عقیل بن ابی طالب نے آپ
 کا گھر بیچ دیا تھا۔ آپ سے عرض کی گئی۔ کہ یا رسول اللہ! آپ اپنے
 گھر میں نزول کیوں نہیں فرماتے؟ آپ نے جواب دیا۔ کہ کیا عقیل نے
 ہمارے واسطے کوئی گھر چھوڑا ہے؟ ہم اہل بیت اشیائے
 مفسوبہ کو واپس نہیں لیتے۔ اسی واسطے حضرت امیر نے اپنی
 خلافت میں فدک واپس نہ لیا۔ شیخ صدوق نے اس کا تیسرا جواب
 یوں دیا۔ کہ کل بن فضال نے امام ابو الحسن سے دریافت کیا کہ حضرت
 امیر نے اپنی خلافت میں فدک کس واسطے واپس نہ لیا۔ حضرت
 امام نے فرمایا۔ کہ ہم اہل بیت کے حقوق ظالموں سے بجز اللہ تعالیٰ
 کے اور کوئی نہیں لیتا۔ ہم مومنوں کے اولیاء ہیں۔ ہم ان کے لیے حکم
 کرتے ہیں۔ اور ان کے ظالموں سے ان کے حقوق لیتے ہیں۔

مگر اپنے حقوق نہیں لیتے۔ (انتہی)

”انوارِ نعمانیہ“ کی مذکورہ عربی عبارت اور اس کے ترجمہ سے ہمیں اپنے سوال کے چار جواب دستیاب ہو گئے۔ جو ہمیں بالترتیب درج ذیل کتب میں بھی موجود ملے ہیں۔

تہذیب المتین:

۱۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے دورِ خلافت میں احکامِ دین کی اقامت پر قدرت نہ رکھتے تھے۔ جس کی وجہ سے (۱) قاضی شریح کو معزول نہ کر سکے۔ (ب) نمازِ ضحیٰ کو بند نہ کر سکے۔ اگرچہ اس کے لیے مجاہد میں اعلان بھی کروا دیا تھا۔ (ج) فدک اور حوالی مدینہ اولادِ فاطمہ کو واپس نہ دلا سکے۔ کیونکہ خلفائے ثلاثہ کی مخالفت میں قتل و غارت کا خطرہ تھا۔

(تہذیب المتین جلد اول ص ۲۲۲ ذکرِ تفسیرِ نصبِ فدک
طعن الرابع ص ۱۲۷)

کشف الغم:

۲۔ امام جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ اس تفسیر میں ظالم اور مظلوم کا معاملہ اللہ کے ہاں پہنچ چکا ہے۔ یعنی دونوں اس دنیا کو چھوڑ چکے ہیں اللہ نے ظالم کو عذاب اور مظلوم کو ثواب دے دیا ہے۔ لہذا اس کے فیصلہ کے بعد فیصلہ کرنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پسند فرمایا۔
(کشف الغم فی معرفۃ الامم جلد اول ص ۲۹۴)

کشف الغمہ:

۶۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں اتباع رسول کی۔ وہ اس طرح کہ آپ نے فتح مکہ کے بعد اپنے مقصود مکانات واپس نہیں لیے تھے۔ لہذا آپ کی اتباع میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مقصود جائیداد واپس نہ لی۔

دکشف الغمہ فی معرفۃ الامم جلد اول ص ۲۹ مطبوعہ تہذیب
مذکورہ فاطمہ زہراؑ کی خطبہ فاطمیہ قصہ فدک

ظعن الراح:

۱۲۔ اسی کا ظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ ظالموں سے ہم اہل بیت کے حقوق اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی نہیں لیتا۔ اس لیے ہم اپنے حقوق واپس نہیں لیتے۔ لیکن مومنوں کے ولی ہونے کی وجہ سے ان کے حقوق ان کو دلاتے ہیں۔
(ظعن الراح ص ۱۲۷)

خود مکتب شیعہ سے مذکورہ جوابات کی تردید

ذیل جواب اول: تو حسین علی شیر خدا

”سید نعمت اللہ“ نے جو یہ کہا۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ احکام شریعہ کے آپر کا در نہ تھے۔ اور فتنہ و فساد کی وجہ سے خاموش رہے۔ تو ہم اس کے

تردید جواب سوم: اہل بیت نے متعدد بار فدک واپس لیا

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف جس کلام کی نسبت کی گئی ہے وہ غلط ہے۔ اور قابل قبول نہیں۔ کیونکہ امام باقر رضی اللہ عنہ نے عمر بن عبدالعزیز سے فدک کو واپس لے لیا تھا۔ پھر اس کے بعد ایک مدت تک ان کے قبضہ میں رہا۔ بعد ”خلفائے عباسیہ“ میں سے خواہل بیت کے حق کا لحاظ کرتے تھے۔ انہوں نے ”باغ فدک“ کو اولاد فاطمہ پر لوٹایا۔

چنانچہ مامون الرشید نے اپنے عامل ”قثم بن جعفر“ کو لکھا تھا۔ کہ وہ فدک کو اولاد فاطمہ کو دے دو۔ اس حکم پر عمل کرتے ہوئے جب اسے لوٹایا گیا۔ تو وقت کے امام، امام علی رضا نے قبول کر لیا۔ اس کے بعد پھر ”معتز“ نے اس قبضہ کر لیا۔ اس کے مرنے کے بعد معتز نے پھر واپس لوٹا دیا۔ پھر ”معتز“ نے اس میں لیا۔ اور ”معتز“ نے واپس کر دیا۔

”مجالس المؤمنین“ کی عبارت اس بارے میں ملاحظہ ہو۔

مجالس المؤمنین:

القصر عمر بن عبدالعزیز برغم انت منافقان فدک را با امام محمد باقر علیہ السلام تسلیم نمودہ و در دست ایشان بود تا عمر بن عبدالعزیز وفات یافت و بعد از آن خلفائے عباسی انہا کو فیصلتہ و انصاف و معرفت سے بہت اہل بیت داشتند۔ مانند مامون و معتز و اتقی فدک باو لای حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رد نمودند۔ و چون نوبت بہتوکل پہنچید رسید از ایشان گرفتہ بہام خود داد۔ بعد از آن معتز و منوچک باز گرفت

و مقتدر رو دآن نمود۔

(۱) مجالس المؤمنین جلد اول ص ۵-۵۱ در ذکر فدک مطبوعہ

تہران ابن ابی صدیدہ جلد ۱ ص ۱۸۱

(۲) انوار نعمانیہ جلد اول ص ۲۷۷ تذکرہ نور مرتضوی

طبع جدید تبریز ایران و طبع قدیم ص ۱۵۱

(۳) کشف الغر جلد اول ص ۲۹۵ تذکرہ خطیر قاطر فی

تقصیر فدک

ترجمہ: الغرض حضرت عمر بن عبدالعزیز نے منافقوں کو رسوا کرنے کے لیے ان کی ناک رگڑتے ہوئے دو باغ فدک، حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ کے پسر دیکھا۔ اور یہ آپ ہی کے ہاتھ میں رہا۔ حتیٰ کہ عمر بن عبدالعزیز نے وفات پائی۔ بعد ازاں اہل بیت کی فضیلت، ان کے ساتھ عدل انصاف اور ان کے حق کو پہچاننے والے خلفائے عباسیہ شیخ مامون الرشید مقتصر باللہ اور واثق باللہ نے باغ فدک اور لاؤ قاطر رضی اللہ عنہما کو واپس کر دیا۔ پھر جب متوکل باللہ کا زمانہ آیا۔ تو اس نے اُن سے لے کر اپنے حجام کو دے دیا۔ اس کے بعد مقتصد نے رو کیا۔ تو محتفی نے لے لیا۔ اور مقتدر نے پھر رو کر دیا۔

حاصل کلام:

مذکورہ بالا کلام سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ "باغ فدک" منسوب بہ اشیاء کی طرح حنفیہ اگر واقعی منسوب ہوتا۔ تو صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے اس کی واپسی حرام نہ ہوتی۔ بلکہ اہل بیت میں سے ہر ایک کے لیے حرام ہوتی۔ حالانکہ بار بار

اہل بیت نے اسے قبول کیا۔ اور پھر ان سے واپس لیا جاتا رہا۔ جس کو شیعہ و سنی
 ”نور اللہ شوریٰ“ نے واضح الفاظ میں تسلیم کیا ہے۔

اگر بغرض محال ان شیعہ لوگوں کا یہ فرضی قاعدہ مان لیا جائے۔ کہ اہل بیت
 ”مقصوب“ واپس نہیں لیتے۔ تو ہم اس قاعدے کے مطابق ان سے دریافت کرنے
 میں حق بجانب ہیں۔ کہ تم ”غلافے شلاژ“ کو دوبارہ خلافت حق پر سمجھتے ہو۔ لا جرم
 حقیقت ہے، یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ”حق خلافت“ کے غاصب شمر
 کرتے ہو؟ اگر اپنے مذموم عقیدہ کے مطابق ان غلافے شلاژ کو ”حق خلافت“ کا
 غاصب سمجھتے ہو۔ تو اس مقصوبہ خلافت کو (تمہارے قاعدہ کے مطابق) حضرت
 علی کرم اللہ وجہہ کو واپس نہیں لینا چاہیے تھا۔ حالانکہ آپ نے خلافت کو قبول فرمایا
 اور تقریباً پانچ سال تک اس مسئلہ پر فائز رہے۔ خلافت کا معاملہ ہو۔ تو مقصوبہ
 کے واپس ہونے کو قبول کر لیں اور ”باغ فدک“ کا معاملہ ہو تو کہیں کہیں مقصوبہ
 نہیں لیتے۔ یہ دو ہر معیار کہاں سے درست ثابت ہوا!

حالانکہ یہ سدا امر ہے کہ اہل بیت حق پر ہیں۔ اور حق ہمیشہ ان کے ساتھ رہا۔

کشف الغم:

عَنْ أُمِّ سَلْمَى رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ عَلِيًّا مَعَ الْحَقِّ وَ
 الْحَقُّ مَعَ كُنْ يَزُولُ حَتَّى يَرُدَّ عَلَى الْحَوَمِينَ .

(کشف الغم فی معرفۃ الأئمة جلد اول ص ۱۳۳ فی فضائل مولانا

امیر المومنین مطبوعہ تبریز)

ترجمہ: ام سلمی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کوفتے بنا۔ کہے شک ”مٹی“ حق کے ساتھ ہے۔ اور حق، مٹی کے ساتھ رہے گا۔ حوض کوثر پر آنے تک آپس میں جدائے ہوں گے۔ ہم اہل سنت و جماعت کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ کہ اہل بیت نے کبھی بھی حق کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ معائب کے پہاڑ ٹوٹے۔ تکالیف کی آمد حیاں پللیں۔ جیسا کہ واقعہ فاجہ وراثت ہے۔ یزید کی بیعت نہ کی۔ سب کچھ قربان کر دیا۔ لیکن باطل کے سامنے نہ ہٹے۔ بلکہ صاف صاف اعلان فرما دیا۔ حسین شہید تو ہو سکتا ہے۔ لیکن فاطمی و فاجر کی بیعت میں کو سکتا۔ تو کیسے ممکن ہے کہ جب ”باغ فدک“ اور ”خلافت“، مقصود ہاں اشیاء قرار میں۔ اور ان کا واپس لینا ان کے ہاں ناجائز ہو۔ تو اس حق کو چھوڑ کر باطل کو قبول کر لیں۔ اور اسی باطل پر ہی عمل کرتے ہوئے دنیا سے رغبت ہو جائیں۔ ورمعاذ اللہ

راہِ بیتانِ عظیمہ

تردید جواب چہارم:

حضرت علی طلب خلافت کے لیے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا

کو مہاجرین و انصار کے ہر دروازہ پر لے کر گئے

جواب چہارم میں جو کچھ بیان کیا گیا۔ اہل بیت پر ایک بہتان سے کم نہیں۔ کہا گیا ہے۔ کہ امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ کہ ہم اپنے حقوق ظالموں سے نہیں لیتے۔ مگر دیگر مومنین کے حقوق ان پر ظلم کرنے والوں سے دلاتے ہیں۔ کہونکہ ہم تمام مومنین کے ”دولی“ ہیں۔

اگر ہم ان کے اس فرضی اصل کو تسلیم کر لیں۔ تو بھی اس جواب میں غلط موجود

کیونکہ خود ان کی معتبر کتب سے ثابت ہے۔ کہ اہل بیت خود اپنے حق کے باوجود
کوشاں رہے۔ لیکن چاروں طرف سے ناکامی کے بعد خاموش ہو گئے۔

تہذیب امتین:

منقول ہے۔ کہ جس روز ابو بکر کے ساتھ بیعت ہوئی۔ اسی رات کو
آنحضرت نے جناب فاطمہ کو پشت حمار پر سوار کیا۔ اور حسن و حسین
اپنے دونوں نور چشموں کو ہمراہ لیا۔ اور حبشہ ہاجرین و انصار (شرکے بد)
کے گھروں میں جا کر اپنی نصرت و حمایت کی طرف ان کو دعوت دی۔
اور حدیث غدیر کو یاد دلایا۔ یعنی اتمام محبت بالکل الوجہ فرمایا۔ کل چوالیس
حضرات نے حضرت کی دعوت قبول کی۔ آپ نے انہیں امر کیا کہ
کل صبح اپنے سر منڈا کر اور تیغ پار لگا کر ہمارے پاس آئیں۔ اور سرجان
کی شرط پر شرائط بیعت بجالائیں۔ مگر خوف و ہراس نے ان پر غلبہ کیا۔ اور
اپنے ہمد پر قائم نہ رہے۔ چنانچہ دن ہوا۔ تو سوائے چار اشخاص
سلمان فارسی، ابوذر غفاری، مقداد بن اسود و عمر بن یاسر و بروایت
زبیر بن عوام کے کوئی نہ آیا۔ آپ نے دوسرے پھر تیسرے روز
ایسا ہی کیا۔ رات کو وعدہ کرتے تھے۔ مگر صبح کو کوئی اسے وفادہ کرتا
نہلا۔ الا وہی چار اشخاص۔ حضرت ابو عبد اللہ جعفر صادق کہتے ہیں کہ
کہ رسول اللہ کے بعد تمام خلقت مرتد ہو گئی تھی۔ مگر تین اشخاص، سلمان
ابوذر۔ مقداد۔ (انتہی)

تہذیب امتین فی تاریخ امیر المؤمنین جلد اول صفحہ دوم ص ۲۶ مطبوعہ روضی
دہلی۔ ذکر مصیبت عظمیٰ و واہمہ بکری الخ

بیت الاحزان:

مَنْ أَوْ جَعَفَ بِأَقْرَبٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِنَّ عِدَّتِي حَمَلٌ فَأَطِمَمَهُ
صَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهَا عَلَى حِمَارٍ وَسَارَ بِهَا لَيْلًا إِلَى
بَيْتِ الْأَنْصَارِ يَسْمَلُهُمُ النُّصْرَةُ وَتَسْلُمُهُمُ الْإِنْصَارُ
فَكَانُوا يَقُولُونَ يَا بِنْتَ رَسُولِ اللَّهِ قَدْ مَفَضْتَ بَيْعَتَنَا
لِهَذَا الرَّجُلِ -

(بیت الاحزان ص ۱، شیخ فی بیع تم)

ترجمہ: امام باقر سے روایت ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو گدھے پر
بٹھایا اور انہیں ساتھ لے کر انصار کے گھروں پر گئے علی انصار سے مدد
مانگتے تھے اور فاطمہ ان سے مدد کرنے کا سوال کرتی تھیں۔ تو وہ کہتے کہ
اے دختر رسول ہماری بیعت ان کے لیے ہو چکی ہے۔

استباج لبرسی:

فَقَالَ سَلِيمَانُ فَلَمَّا كَانَ اللَّيْلُ حَمَلٌ عَلَيَّ فَأَطِمَمَهُ عَلَى
حِمَارٍ وَأَخَذَ بِيَدِ ابْنَيْهِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ فَلَمْ يَدْعُ
أَحَدًا مِنْ أَهْلِ بَيْتِ مَنْ أَلْمَمَ بِهِ جَبْرِيْنٌ وَلَا مِنْ الْأَنْصَارِ إِلَّا
أَنِّي مَنَزَلُهُ وَدَكَرَ حَقَّقَةً وَدَعَاهُ إِلَى نُصْرَتِهِ فَمَا اسْتَجَابَ
لَهُ مِنْ جَبْرِ بَعْضِهِمْ إِلَّا أَرْبَعَةٌ قَارِبُونَ رَجُلًا فَأَمَرَهُمْ
أَن يَصِيحُوا بِكُرَّةٍ مُحِيقِينَ رُؤُوسَهُمْ مَعَهُمْ سَلَحَهُمْ
وَقَدْ بَايَعُوا عَلَى الْمَوْتِ فَأَصْبَحَ وَكَمْ يُؤَافِقُهُ مِنْهُمْ أَحَدٌ
غَيْرَ أَرْبَعَةٍ قُلْتُ لِسَلَامَانَ مِنَ الْأَرْبَعَةِ قَالَ أَنَا وَ

ابُو ذَرٍّ وَالْمِقْدَادُ وَالزُّبَيْرُ بْنُ الْعَوَّامِ ثُمَّ آتَاهُم مِّنَ اللَّيْلَةِ الثَّانِيَةِ
فَنَاسَدَهُمْ فَأَمَّا الْقَائِمُ فَصَبَحَ بُعْرَةً فَمَا مِنْهُمْ أَحَدٌ وَفِي غَيْرِنَا
ثُمَّ اللَّيْلَةُ الثَّالِثَةُ فَمَا وَفَى أَحَدٌ غَيْرِنَا فَلَمَّا رَأَى عَلِيٌّ عَلَيْهِ
السَّلَامُ عَدْرَهُمْ وَقِيْلَةَ وَهَاتِيهِمْ لِيَزِمَ بَيْتَهُ.

(۱) احتجاج طبرسی جلد اول صفحہ ۱۵۷ ذ کو مآجری بعد

الرسول صلی اللہ علیہ مطبوعہ قم طبع جدید

(۲) نسخ التواریخ مایریخ غلطا جلد اول صفحہ ۸

ترجمہ: سلمان نے کہا۔ جب رات پڑی۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سیدہ فاطمہ
کو گھر سے پر جٹا کر حسین کریمین کے ہاتھ پکڑ کر تمام اہل بدر مہاجرین اور انصار کے
ایک ایک گھر پر پہنچے۔ اور ہر ایک کو اپنے حق کی طرف متوجہ کرتے ہوئے
مدد کرنے کو کہہ دیں ان میں سے چوالیس حضرات کے سوا کسی نے مامی نہ
بھری۔ ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ صبح تمہارے سر منڈے
ہوئے ہوں۔ اور ہر ایک مسلح ہو۔ انہوں نے مرنے مارنے پر بیعت
کی۔ لیکن جب صبح ہوئی۔ تو پیارا شناس کے سوا کسی نے موافقت نہ کی
وہ پیار سلمان، ابو ذر، مقداد اور زبیر بن عوام تھے۔ پھر دوسری رات بھی
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پہلے کی طرح کیا۔ تو انہوں نے پھر صبح اُٹنے کا
وعدہ کیا۔ لیکن اُسے وہی چار تیسری رات بھی ایسا ہی ہوا۔ تو جب حضرت
علی کرم اللہ وجہہ نے ان کی بے وفائی، دھوکہ بازی دیکھی۔ تو خاموش ہو کر اپنے
گھر بیٹھ گئے۔

تینوں عبارتوں کا خلاصہ:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے حقوق کے حصول کے لیے پوری جدوجہد کی

اور حضرت رسول کو یحییٰ بن کثیر کے سفارش کے لیے ساتھ بھی لیا۔ لیکن چونکہ اسی کے سوا کسی نے مامی نہ بھری۔ پھر ان میں سے صرف چار باقی رہ گئے۔ اسی لیے امام ہفتم صاف رضی اللہ عنہ بقول شیعہ نے فرمایا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف تین چار مسلمان رہ گئے۔ باقی تمام مرتد ہو گئے تھے۔ اس کوشش بسیار کے بعد ناامید ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے گھر بیٹھ رہنے کا پکا ارادہ کر لیا۔

ان مبارکوں میں شیعہ حضرات کے چوتھے جواب کی دندان شکن تردید جو ہے۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے محض اپنے حقوق کے حصول کی خاطر ہر قسم کا حق براہ استعمال کیا۔ تودہ دعوای اور قاعدہ کہ صریحاً کہ ”اہل بیت اپنے حقوق مخالفوں سے نہیں لیتے۔“ یہاں تو حقوق کی وصولی کی خاطر مرنے مارنے پر بیعت کی جا رہی ہے۔ اور انہیں مسلح ہو کر کھنکھنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔

جہاں ان مبارکوں سے ان کے جواب کی تردید ہوتی ہے۔ وہیں یہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ شیعوں سے بڑھ کر کوئی بھی اہل بیت کا گستاخ اور دشمن نہیں۔ دیکھئے شیر خدا کو اتنا کمزور ثابت کیا گیا ہے۔ اور اس قدر جاہ پرست دکھایا گیا ہے۔ کہ ہاجرین و انصار کے گھروں پر دختر رسول کو لے کر پھرتے ہوئے ذکر کیا گیا۔ یہ بھی لکھا گیا کہ بیت رسول بلا واسطہ ہاجرین و انصار سے خلافت طلب کرتی رہیں، اعیانہ بالائے مال انھیں یہ وہ دختر رسول ہیں۔ جن کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب میدان ششتری میری بیٹی اُسے گی۔ تو اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو حکم دے گا۔ کہ اپنے چہرے دوسری طرف پھیر لو۔ بونو میرے محبوب کی لاڈلی بیٹی اور بیگم ہے۔ اور جس کا چہرہ دیکھنا سورج کو بھی نصیب نہ ہو۔ اہل بیت کے ایک بچے محبت نے کیا خوب کہا۔

سے ہے ابازت جن کے گھر جبریل بھی آتے نہیں

قدرواے جانتے ہیں عز و شان اہل بیت (مولا حسن رضا)

بقول ائمہ اہل بیت اہل سنت ہی حقیقی معتبان اہل بیت ہیں

لیکن حقیقی محبت، اہل سنت و جماعت کو ہی نصیب ہے۔ جس کا نہیں بھی ہے۔
ہے۔ جامع الاخبار میں شیخ صدوق نے اسی حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا۔

جامع الاخبار:

مَنْ مَاتَ عَلَى حَبِ آلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ عَلَى الشُّعْرِ
وَالْجَمَاعَةِ۔

ترجمہ: جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پاک کی محبت میں مرا۔ وہ سنت و جماعت
دکے عقیدہ پر مرا۔

(فصل ۳۱ فی الموت مطبوعہ نجف اشرف جامع الاخبار ص ۱۸۹)

جامع الاخبار:

پھر لکھا ہے۔

وَلَيْسَ عَلَى مَنْ مَاتَ عَلَى الشُّعْرِ وَالْجَمَاعَةِ عَذَابُ
الْقَبْرِ وَلَا شِدَّةُ يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

(جامع الاخبار ص ۱۸۹ فصل ۳۲ فی صلوة الجماعة)

ترجمہ: جو سنت و جماعت دکے عقیدہ پر مرا۔ اُسے نہ عذاب قبر ہو گا۔ اور نہ
ہی قیامت کے دن کی سختی۔

ان دونوں عبارتوں سے شیخ صدوق نے واضح کر دیا کہ اہل بیت کے حقیقی
دوست اہل سنت و جماعت ہیں۔ اسی وجہ سے انہیں عذاب قبر ہو گا۔ اور نہ

خلاصہ:

ہمارے سوال کے جو چار جوابات شیعہ حضرات کی طرف سے دیئے گئے تھے ایک ایک کر کے ان کی تردید کر دی گئی۔ اور اسی طرح وہ بے اصل اور بے بنیاد ثابت ہوئے۔ لہذا ہمارا سوال اب بھی موجود ہے۔ اور اس کے جواب کے لیے ہم منتظر ہیں۔ دیکھئے کیا جواب ملتا ہے۔

وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ

اہل بیت کے حق میں شیعوں کی گستاخیاں اور
ان کی سزائیں

شیعہ حضرات "باش فدا" کے منصب کے الزام میں اکثر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو معاذ اللہ کافر، مرتد اور نہ جانے کیا کیا کہتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف اسی سلسلہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں ایسی گستاخانہ عبارت فرسوب کرتے ہیں۔ جسے پڑھ کر دل کانپ اٹھتا ہے۔ دل تو نہیں چاہتا۔ کہ وہ الفاظ دہرائے جائیں۔ لیکن ان نام نہاد و میمان اہل بیت کے نظریات سے الگ ابی کی خاطر انہیں پیش کیا جا رہا ہے۔

حقائق یقین!

بہن حضرت فاطمہ بجانوب غار برگروید۔ حضرت امیر ازتاری معاودت
ادنی کشید۔ چون بمنزل شریف قرار گرفت از دوست مصلحت

بہائے شجاعانہ لبید اوصیاء نمود کہ مانند جنین در رحم پرودہ نشین شدہ ای
مثل عایان در خانہ گریختہ ای۔

(۱) (حقیقین ص ۱۲۴) باب پنجم ذکر احتیاج حضرت زہرا (ع) الی

(۲) ناسخ التواریخ زندگانی فاطمہ ص ۵۵

(۳) ناسخ التواریخ جزہ اول از تاریخ خلفاء ص ۶۲ باب اول

(۴) بحار الانوار جلد ۱۲ ص ۴۴ کیفیت معاشرت علی (ع)

ترجمہ: پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر کی طرف لوٹیں۔ ادھر حضرت علی رضی اللہ

عزیزان کا انتظار کر رہے تھے۔ جب سیدہ اپنے در دولت پر آئیں۔ اللہ

آرام سے بیٹھ گئیں۔ تو از روئے مصلحت شجاعانہ انداز سے بید اوصیاء

کو (سخت الفاظ میں) فرمایا کہ تم اسی بچے کی طرح جو ابھی اپنی ماں کے رحم

میں ہو۔ پرودہ نشین ہو گئے۔ اور ذیل لوگوں کی طرح گھر بھاگ آئے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کی صحابہ کرام اور اہل بیت کی شان میں گت خیال

ہی یہ نفرہ دے رہی ہیں۔ کہ زندگی میں کچھ عین، نہ قبر میں آرام اور نہ شہر میں عزت و

سے آزادی کی نعمت سے بہرہ ور ہوں گے۔ دنیا میں سزا یہ کہ مرتے دم تک

پٹائی خود کر رہے ہیں۔ اور کرتے رہیں گے۔ اور بوقت موت ان کے منہ سے

نکلے گی۔ اور یہ خود کہتے ہیں۔

من لا یحضرہ الفقیہ: بوقت موت شیعوں کے منہ سے منی نکلتی ہے۔

سُئِلَ الصَّادِقُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا يَأْتِي عِلَّةً

يُعَسَلُ الْمَيِّتُ قَالَ تَخْرُجُ مِنْهُ التَّطَلُّعَةُ

الَّتِي خَلِقَ مِنْهَا تَخْرُجُ مِنْ عَيْنِهِ أَوْ

من قبیلہ (۱) (من لا یخفہ الفقیہ جلد اول ص ۲۲ طبع قدیم مطبوعہ مکتبہ)

(۲) (من لا یخفہ الفقیہ جلد اول ص ۸۲ باب غسل المیت مطبوعہ تہران)

۱۶۰ فردغ کافی جلد ۲ ص ۱۶۲ کتاب الجنائز

(۴) علل الشرائع ص ۲۹۹ باب ۲۳۸ طبع جدید

ترجمہ: حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ میت کو غسل کیوں دیا جاتا ہے۔ فرمایا۔ اس لیے کہ وہ نطفہ زمینی جس سے اس کی تخلیق ہوئی تھی۔ اس کی آنکھ یا منہ سے نکلتا ہے۔

اور بعد مردن قبر میں ان کا حال بقول مہیسی یہ ہوگا کہ۔

مجمع المعارف: قبر میں شیعوں کا منہ قبلے سے پھیر دیا جاتا ہے

بروایت فرمود کہ ہفت نفر در قبر از قبلہ رو گرداں شوند۔ خمر فروش

مصر پر شراب، و شہادت دہند و ناسحق و منکر و ربوہ و خور و عاق والدین و نوکر۔

(مجمع المعارف بر حیات المیتین ص ۱۶۸ تذکرہ در بیان)

آداب تجارت)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قبر میں سات آدمیوں کے منہ قبلے سے

پھر جائیں گے۔ شراب بیچنے والا، شراب نوشی پر اصرار کرنے والا

ناسحق کو ابی دینے والا، جو اکیسٹنے والا۔ سود کھانے والا مال باپ

کا نافرمان اور ماتم کرنے والا۔

ماتم کرنے والا قیامت کو بشکل کن اٹھایا جائے گا۔

مجمع المعارف:

در حدیث است غنا فرستہ میں است برواق بہشت و فرمود نوہ

کنندہ بیا پد روز قیامت نو عمر کئی مانند سگ۔

(مجمع المعارف برسیۃ المتقین ص ۱۶۲ در حرمت غنا مطبوعہ

تہران طبع قدیم سن طباعت ۱۳۲۲ھ)

ترجمہ: حدیث پاک میں ہے کہ جنت کی جدائی کی وجہ سے ابلیس مرثیہ خوانی کرتا ہوا ماتم کرتا ہے۔ اور فرمایا۔ ماتم کرنے والا کل قیامت کو کتے کی مانند آئے گا۔

حیات القلوب:

نہ نے را دیدم بر صورت سگ با تش در در برش داخل می کردند و از دہانش بیرون می آمد۔ و لاکھ سرو پنش را بجز بائے اہن می زدند فاطمہ سلام اللہ علیہا گفت اسے پدر بزرگوار من مرا خبر دہ کہ کل و سیرت ایشان چہ بود کہ حق تعالیٰ این نوع عذاب برایشان مسلط گرداند حضرت گفت اسے دختر گرامی آنکھ بصورت سگ بود و آتش در در برش میگوئی او خوابندہ و نو عمر کنندہ۔

(۱) حیات القلوب نو کشتوری جلد دوم ص ۵۴۲ باب نسبت و

(۲) میون اخبار الرضا جلد دوم ص ۶۱ طبع تہران (جدید)

(۳) انوار نغایہ جلد اول ص ۲۱۵ نور ملکوتی اور ص ۶۱ طبع قدیم

ترجمہ: حضور علی الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں نے ایک عورت کو کتے کی شکل میں دیکھا۔ آگ اس کی دہریں ڈالتے ہیں۔ اور منہ سے باہر نکالتے ہیں۔ اور فرشتے اس کے سر اور بدن کو لوہے کی گڑڑوں سے کھٹتے ہیں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا۔ ابا جان مجھے بتلایئے کہ ان لوگوں کی سیرت اور عمل کیا تھے۔ کہ جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس قسم

کا عذاب انہیں دیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میری ایک بچی؛ جو عورت کتے کی شکل میں تھی۔ اور آگ اس کی دہرے سے داخل کر کے منہ سے نکالتے تھے۔ وہ ماتم کرنے والی تھی۔

نتیجہ:

اگر آپ مذکورہ بالا کتب شیعہ کے حوالہ جات کو نظر انصاف سے پڑھیں گے تو آپ یہ فیصلہ کر ہی میں گے۔ کہ صحابہ کرام اور اہل بیت کے سب سے بڑے گستاخ یہی لوگ ہیں۔ جو دکھلاوے کے لیے ”مہمان اہل بیت“ کا روپ دھارے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان گستاخان اہل بیت و صحابہ کرام کے لیے دنیا، بوقت موت اور قبر و حشر میں ایسی سنگین سزائیں تیار رکھی ہیں۔ جو انہی کا حشر ہیں۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

حضرت خاتونِ جنت کا جناب صدیق اکبر کے ساتھ

نارنگی دور کر کے راضی ہو جانا

گذشتہ اوراق میں آپ نے ”بانگِ ذک“ کے معاملہ میں ”غیبت“ کے بارے میں تحقیق ملاحظہ فرمائی۔ ہم چاہتے ہیں کہ اُسی کی تکمیل کے لیے چند ایسی عبارات پیش کریں۔ جن سے یہ ثابت ہوتا ہو۔ کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے درمیان کوئی نارنگی اور عداوت نہ تھی۔ بلکہ دونوں ”رُحَاءَ بَيْنَهُمْ“ کی عملی تصویر تھے۔ ان عبارات کو دیکھ کر اور پڑھ کر ہر فردی انصاف یہ تسلیم کرے گا۔ کہ اگر بالفرض سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بتقاضائے بشری حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

سے ناراض ہوئی بھی تھیں۔ تو یہ ناراضگی عارضی تھی۔ اور چند روز سے زائد ثابت نہیں ہوئی۔ ہم اپنی اہل سنت و جماعت اور اُن کی دشیدہ حضرات اکتب سے اقتباسات پیش کرتے ہیں۔

روایات کتب اہل سنت و جماعت

البدایۃ والنہایۃ :

روایت ۷ :

قَالَ الْحَافِظُ أَبُو بَكْرٍ الْبَيْهَقِيُّ أَنبَأَنَا أَبُو عَبْدِ اللَّهِ مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ ثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُثْمَانَ الْعَتَكِيُّ بِنَسَبٍ وَأَرَانَنَا أَبُو حَمْرَةَ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ لَمَّا مَرِضْتُ فَأَطَمَهُ أَتَاهَا أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ فَاسْتَأْذَنَ عَلَيْهِمَا فَقَالَ عَلَيْهِمَا يَا فَاطِمَةُ هَذَا أَبُو بَكْرٍ لَيْتَا دُونَكَ عَلَيْكَ فَلَمَّا لَتَ الْحُجُبُ أَنْ أَدْنَى لَهُ قَالَ نَعَمْ فَأَذِنْتُ لَهُ فَدَخَلَ عَلَيْهَا يَتَرَضَّاهَا فَقَالَ وَاللَّهِ مَا تَرَكْتُ الدَّارَ وَالْمَالَ وَالْأَهْلَ وَالْعَشِيرَةَ إِلَّا أَتَيْتُكَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَمَرْضَاتِ رَسُولِهِ وَمَرْضَاتِ كُرْ أَهْلِ الْبَيْتِ ثُمَّ تَرَضَّاهَا حَقَّ رَضِيئَةٍ وَهَذَا اسْتَدَّ جَدِّدٌ قِيَوْنِي - وَالْفَلَا هِزَانٌ عَامِرٌ الْقَعِيمُ سَمِعَهُ مِنْ عَلِيٍّ أَوْ مِنْ سَمِعَهُ مِنْ سَلَمَةَ مِنْ سَلَمَةَ وَتَدْرِي اعْتَرَفَ عَدَمَاءُ أَهْلِ الْبَيْتِ بِصِحَّةِ مَا حَكَمَ بِهِ أَبُو بَكْرٍ فِي ذَلِكَ قَالَ الْحَافِظُ الْبَيْهَقِيُّ أَنبَأَنَا

مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْحَافِظُ حَدَّثَنَا أَبُو عَبْدِ اللَّهِ
الصَّفَّارُ شَا اِسْمَاعِيلَ بْنَ اِسْحَاقَ الْقَاضِي ثَنَا نَفْسُ
بْنِ عَلِيٍّ ثَنَا ابْنُ دَاوُدَ عَنْ فَضِيلِ بْنِ مَرْزُوقٍ
قَالَ قَالَ زَيْدُ بْنُ عَلِيٍّ بَيْنَ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ
ابْنِ اَبِي طَالِبٍ اَمَّا اَنَا فَلَمْ أَكُنْتُ مَكَانَ
اَبِي بَكْرٍ لِحُكْمَتِي بِمَا حَكَمَ بِهِ اَبُو بَكْرٍ
فِي ذَلِكَ -

البدایۃ والنبایۃ جلد پنجم باب انتہ علیہ السلام

قال لا نورث ۱ ص ۲۱۹ مطبوعہ بیروت

ترجمہ: حافظ ابو بکر الصیقلی نے کہا کہ امام شعبی سے کئی واسطوں کے ذریعہ یہی
روایت پہنچی۔ کہ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں۔ تو ابو بکر
صدیق آئے۔ اور اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ حضرت علی رضی اللہ
عنہ نے سیدہ سے پوچھا۔ باہر ابو بکر ہیں۔ وہ اندر آنے کی اجازت
طلب کرتے ہیں۔ تو سیدہ نے کہا۔ کیا تم (علی) انہیں اجازت دینا
پسند کرتے ہو۔ کہا ہاں۔ تو سیدہ نے اجازت دے دی۔ ابو بکر
اندر آئے۔ اور بیمار پر کسی کی۔ اور کہا۔ اللہ کی قسم! میرا مکان، مال، لگاؤ
اور خاندان صرف اللہ، اس کے رسول اور اسے اہل بیت تمہاری
خوشنودی کے لیے ہے۔ پھر ابو بکر سیدہ کو راضی کرتے رہے حتیٰ کہ
دو راضی ہو گئیں۔ (اس حدیث کی اسناد بہت خوب ہیں۔
ظاہر یہی ہے۔ کہ یہ بات امام شعبی نے حضرت علی سے بلا واسطہ
یا بالواسطہ سنی ہوگی۔ اور علمائے اہل بیت نے حضرت ابو بکر صدیق

کے (فدک کے بارے میں فیصلہ کی صحت کا اقرار کیا ہے۔

عائذ البستی نے کہا کہ زید بن علی بن حسن بن علی بن ابی طالب نے کہا کہ اگر میں بھی ابو بکر صدیق کی جگہ پر ہوتا تو "باع فدک" کا وہی فیصلہ کرتا۔ جو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کیا ہے۔

روایت ۲:

طبقات ابن سعد:

أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُمَيَّرٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَامِرٍ
قَالَ جَاءَ أَبُو بَكْرٍ إِلَى فَاطِمَةَ حِينَ مَرِضَتْ فَأَسْتَأْذَنَ
فَقَالَ عَلَيْكَ هَذَا أَبُو بَكْرٍ عَلَى الْبَابِ فَإِنْ شِئْتِ
أَنْ تَأْذِنِي لَهُ قَالَتْ وَ ذَلِكَ أَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ نَعَمْ
فَدَخَلَ عَلَيْهَا وَ اعْتَدَا إِلَيْهَا وَ كَلَّمَهَا
فَرَضِيَتْ عَنْهُ .

(طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۲۷۷ ذکر بنات رسول)

علی اللہ علیہ وسلم (فاطمہ اطہرہ بیروت)

ترجمہ: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت سیدہ فاطمہ کے گھر جانے کے لیے دروازے پر پہنچے تو اندر آنے کی اجازت طلب کی حضرت علی نے کہا۔ دروازے پر ابو بکر کھڑے اندر آنے کی اجازت طلب کر رہے ہیں۔ اگر تمہاری خوشی ہو۔ تو آجائیں۔ سیدہ نے کہا۔ کیا تم سے لا اندر آنے کو اپنہ کرتے ہو۔ کہا۔ ہاں۔ تو ابو بکر اندر آئے۔ اور سیدہ سے معذرت کی۔ اور گفتگو کی۔ تو سیدہ ان سے راضی ہو گئیں۔

روایت نمبر (۳)

فتح الباری:

رَوَى الْبَيْهَقِيُّ مِنْ طَرِيقِ الشَّعْبِيِّ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ عَادَ فَاطِمَةَ
فَقَالَ لَهَا عَلَيَّ هَذَا أَبُو بَكْرٍ يَسْتَأْذِنُ عَلَيْكَ قَالَتْ
أَتُحِبُّ أَنْ أَذِنَ لَكَ قَالَ نَعَمْ فَأَذِنَتْ لَهُ فَدَخَلَ عَلَيْهَا
فَقَرَمَتْهَا حَتَّى رَضِيَتْ .

(فتح الباری شرح بخاری جلد ۴ ص ۱۵۱)

ترجمہ: البیہقی نے بطریق شعیبی روایت کی کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سیدہ فاطمہ
کی عیادت کے لیے گئے۔ حضرت علی نے سیدہ سے کہا کہ دروازے پر
ابو بکر کھڑے اندر آنے کی اجازت طلب کر رہے ہیں۔ سیدہ نے کہا
کیا تم اسے پسند کرتے ہو۔ کہا ہاں۔ سیدہ نے اجازت دے دی۔
ابو بکر آئے۔ اور سیدہ کو خوش کرنے کی کوشش کی۔ اور وہ راضی ہو
گئیں۔

ان تین روایات سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل

ہوئے

۱۔ ”لَقَامَ رَضِيَ فَاطِمَةَ أَتَاهَا أَبُو بَكْرٍ“ کے الفاظ سے معلوم
ہوا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سیدہ فاطمہ کی بیمار پرسی کے لیے ان کے گھر
تشریف لے گئے۔

۲۔ ”فَقَالَتْ أَتُحِبُّ أَنْ إِذَنْ لَكَ قَالَ نَعَمْ“ سے معلوم ہوا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بوجہ محبوب علی رضی اللہ عنہ ہونے کے اندر آنے کی اجازت ملی۔

۳۔ ”حَقَّقَتْ رَضِيَّتُ“ سے معلوم ہوا کہ اگر بتقاضائے بشریت سیدہ کے دل میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ناراضگی تھی بھی تو بالآخر وہ ختم ہو گئی۔ اور آپ راضی ہو گئیں۔

۴۔ ”هَذَا اسْتَدَجِيْدٌ“ کے الفاظ حدیث کی سند قوی اور اچھی ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ جس سے یہ استدلال ہو سکتا ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا واقعی راضی ہو گئیں۔ اور راضی خوشی اس دنیا سے رخصت ہوئیں۔

۵۔ ”فَلَوْ كُنْتُ مَكَانَ ابْنِ بَكْرٍ لَحَكَمْتُ بِمَا حَكَمَ بِهِ أَبُو بَكْرٍ فَإِنَّكَ“ کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ زید بن امام زین العابدین نے جو امام اہل بیت ہیں۔ نے فرمایا کہ ابو بکر صدیق کا فیصلہ حق تھا۔ اور اگر ابو بکر کی جگہ میں ہوتا تو یہی فیصلہ کرتا۔ کیونکہ حق یہی تھا۔ لہذا معلوم ہوا کہ ابو بکر صدیق حق پر تھے۔

۶۔ ”فَإِنْ شِئْتَ أَنْ تَأْذَنِي“ سے معلوم ہوا کہ سیدہ کی خواہش پر اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پسند پر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اندر آنے کی اجازت ملی۔

۷۔ ”وَكَلَّمَكَ رَضِيَّتُ“ سے معلوم ہوا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے درمیان کلام چلا۔ اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سیدہ رضی اللہ عنہا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے راضی ہو گئیں۔

لہذا یہ بات غلط ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا

تادم مرگ ناراض رہیں۔ اور باغ فدک کے قبضہ کے بعد سیدہ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے آخری دم تک قطعاً گفتگو نہیں فرمائی۔ اور ناراض ہوتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی یہ کہہ دے کہ یہ روایات قابل سنت و جماعت کی ہیں۔ اور انہوں نے اپنے عقیدہ کے مطابق ایسی روایات گھڑ لی ہوں گی۔ جن سے دونوں کے درمیان راضی نامر معلوم ہو سکے۔ لیکن بات تب بنے گی۔ اگر ہماری (شیعہ) کتب سے یہی معنوی رضامندی دکھا دو۔ تو ہم اس چیلنج کو قبول کرتے ہوئے اب شیعہ حضرات کی کتب سے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مابین گفتگو ہونا اور راضی نامر ہونا ذکر کرتے ہیں۔

روایات از کتب شیعہ:

باغ فدک کے متعلق صدیقی فیصلہ عمل رسول کے

عین مطابق تھا

شرح منج البلاغ ابن ابی حدید

روایت ۱:

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْخُذُ مِنْ قَدَرٍ
قُوَّتَكُمْ وَيَقْتَبِرُ الْبَايِقَ وَيَعْمَلُ مِنْهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
وَلَيْكَ عَلَى اللَّهِ أَنْ أَصْنَعَ بِهَا كَمَا كَانَ يَصْنَعُ قُرَيْشٌ
بِذَلِكَ وَاتَّخَذَتِ الْعَهْدَ عَلَيْهِ بِهِ وَكَانَ يَأْخُذُ
عَلَيْهَا قَبِيضَةً إِلَيْهِمْ مِنْهَا مَا يَكْفِيهِمْ ثُمَّ

فَعَلَّتِ الْخُلَفَاءُ بَعْدَكَ كَذَلِكَ إِلَى أَنْ وَرَلُوا
مُعَاوِيَةَؓ

(شرح بیچ البلاغ ابن عساکر ج ۱۶ جلد ۸ صفحہ ۵۸)
فعل ابو بکر بعد از و ما قاله فی شانہ العالم
مطبوعہ بیروت و درہ نجفیہ ص ۲۲ طبع قدیم تذکرہ ۸
کیفیتہ موتہ)

ترجمہ: جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا
سے فرمایا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "فدک" اسے تمہاری خوداک سے
یا کرتے تھے۔ اور باقی ماندہ تقسیم فرادیا کرتے تھے۔ اور فی سبیل اللہ
سواریاں بھی لے کر دیا کرتے تھے۔ اللہ کی قسم کھا کر تم سے اقرار کرنا
ہوں۔ کہ میں "فدک" کی آمد فی اسی طرح صرف کروں گا۔ جس طرح حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔ تو حضرت سیدہ اس پر راضی ہو گئیں۔ اور
حضرت ابو بکر صدیق سے اس کا عہد لے لیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
"فدک" کا غزوہ مولیٰ کر کے اہل بیت کی ضروریات کے مطابق انہیں دیا
کرتے تھے۔ پھر ان کے بعد دوسرے خلفاء نے بھی ایسا ہی کیا۔
اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تک یہی عمل جاری رہا

ابو بکر صدیق کے دلائل سن کر سیدہ فاطمہؑ پیشہ کے لیے ان پر راضی ہو گئیں

شرح منہج البلاغہ: --- ابن میثم

روایت ۲:

وَرَوَى أَنَّهُ لَمَّا سَمِعَهُمْ كَلَامَ مَا أَحْمَدَ اللَّهُ وَأَتَى عَلَيْهِ
وَصَلَّى عَلَى رَسُولِهِ ثُمَّ قَالَ يَا خَيْرَةَ النِّسَاءِ وَالْبَنَاتِ خَيْرِ الْأَبَاءِ
وَاللَّهِ مَا عَدَدْتُ رَأْيَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا
تَمَلُّتُ الْآيَاتِ مِنْهُ وَإِنْ الرَّائِدَ لَا يَكْذِبُ أَهْلُهُ قَدْ قُلْتُ فَأَبْلَعْتُ
وَأَعْطَيْتُ فَأَمْجَرْتُ فَغَضِبَ اللَّهُ لَنَا وَلَكَ أَمْ بَعْدَ هَذَا قَعَبْتُ
إِلَهُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدَاهَتْهُ وَحَذَاهُ إِلَى عِلِّيٍّ
عَلَيْهِ السَّلَامُ وَأَمَّا مَا سَمِعْتُ مِنْكَ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنْ مَعَاشِرَ الْأَنْبِيَاءِ لَا تُورِثُ ذَهَبًا
وَلَا فِضَّةً وَلَا أَرْضًا وَلَا عِقَارًا وَلَا دَارًا وَلَكِنَّهُ تُوْرِثُ الْإِيمَانَ
وَالْحِكْمَةَ وَالْعِلْمَ وَالشَّيْءَ فَقَدْ عَمِلْتُ بِمَا أَمَرَنِي وَسَمِعْتُ
فَقَالَتْ إِنْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ وَهَبَهَا لِي
قَالَ مَنْ يَشْهَدُ بِذَلِكَ فَجَاءَهُ عِلِّيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ وَآمَنَ
فَشَهِدَ لَهَا بِذَلِكَ فَجَاءَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَعَبِيدُ اللَّهِ بْنُ
بُنْ عَوْفٍ فَشَهِدَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

يُقْسِمُ بِهَا فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ صَدَقْتَ يَا أَبْنَةَ رَسُولِ اللَّهِ وَصَدَّقَ عَلَيَّ وَ
 صَدَقْتَ أُمِّ أَيْمَنَ وَصَدَّقَ عُمَرُ وَصَدَّقَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ ذَلِكَ أَنَّ
 لَكَ مَا لِي بِكَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْخُذُ مِنْ
 فَذَلِكَ قَوْلُكُمْ وَيُقْسِمُ لِبَنَاتِي وَيَعْمَلُ مِنْهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَكِنْ
 عَلَى اللَّهِ أَنْ أَصْنَعَ بِهَا كَمَا كَانَ يَصْنَعُ فَرَضِيَّتُكَ بِذَلِكَ
 وَ أَخَذَتِ الْعَجْدَ عَلَيْهِ بِهِ وَكَانَ يَأْخُذُ
 عَمَلَتَهَا فَيَذْنُ فَنَمُ إِلَيْهِمْ مِنْهَا مَا يَكْفِيهِمْ ثُمَّ
 فَعَلَتِ الْعُلَمَاءُ بَعْدَهُ كَذَلِكَ إِلَى أَنْ وَفِي
 مَعَاوِيَةَ.

(شرح بیج البلاغ ابن میثم جلد پنجم صفحہ ۱۰۰ زیر خط)

۴۴ مطبوعہ تہران

ترجمہ: روایت کی گئی ہے۔ کہ جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سیدہ کا کلام
 سنا۔ (یعنی یہ کہ سیدہ ابوبکر سے کلام نہ کریں گی۔ تو یہ سن کر ابوبکر صدیق
 رضی اللہ عنہ سیدہ کے گھر آئے۔) تو اللہ کی حمد و ثناء بیان کی۔ اور رسول اللہ
 پر صلوة بھیجی۔ پھر کہا۔ اے خیر النساء! اے بہترین باپ کی بیٹی!
 خدا کی قسم! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی مخالفت
 نہیں کی۔ میں نے تو ان کے کہنے پر عمل کیا۔ اور گھر کا خیر خواہ گھروالوں
 کی مکذیب نہیں کرتا۔ میں نے جو کچھ کہا۔ وہ فریضہ تھا۔ جو میں نے پتھا دیا۔
 لیکن آپ ناراض ہو گئیں۔ اور مجھ سے گفتگو کرنا ترک کر دی۔ اللہ مجھے
 اور تمہیں معاف کرے۔ اس کے بعد صدیق اکبر نے کہا۔ کہ میں نے جنود
 صلی اللہ علیہ وسلم کے ہتھیار آپ کا گھوڑا اور آپ کی نعلین حضرت علی رضی اللہ

کو دے دیں۔ ان کے علاوہ باقی اشیاء کے متعلق میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا: ہم جماعتِ انبیاء کی وراثت
 سونا، چاندی، زمین، سامان اور مکان وغیرہ نہیں ہوتی۔ بلکہ ایمان،
 حکمت، علم اور سنت کی وراثت ہم چھوڑتے ہیں۔ میں نے وہی کچھ
 کیا۔ جس کا حضور نے مجھے حکم دیا۔ اور میں نے وہ حکم سنا تھا۔ تو یہ سن کر
 سیدہ رضی اللہ عنہا نے کہا: کہ ”فدک“، تو رسول اللہ نے مجھے خبر کر دیا۔
 تھا۔ ابو بکر صدیق نے پوچھا۔ اس بات کا کوئی گواہ؟ تو حضرت علی
 اور ام ایمن بطور گواہ پیش ہوئے۔ اور اس امر کی گواہی دی۔
 اتنے میں حضرت عمر اور عبدالرحمن بن عوف بھی آگئے۔ ان دونوں
 نے یہ گواہی دی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ”فدک“ کو تقسیم فرماتے تھے۔
 ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اسے بنتِ یغیر! تو نے بھی کچھ کہا۔
 اسے علی! تم بھی بچے ہو۔ اسے ام ایمن! تم بھی سچی اور اسے عمر و
 عبدالرحمن! تم دونوں بھی بچے ہو۔ اسی لیے کہ اسے فاطمہ! تیرے لیے
 وہی کچھ ہے۔ جو آپ کے والد کا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ”فدک“
 کی آمدنی سے تمہاری خوراک کا اہتمام فرماتے۔ اور باقی ماندہ کو تقسیم
 فرماتے اور اس میں سے فی سبیل اللہ کواری بھی لے دیتے۔ تمہارے
 بارے میں اللہ سے معاہدہ کرتا ہوں۔ کہ میں اسی طرح تم سے سلوک
 کروں گا۔ جس طرح حضور سلوک فرمایا کرتے تھے۔ تو یہ سن کر سیدہ فاطمہ
 راضی ہو گئیں۔ اور اسی پر ابو بکر صدیق سے عہد لے لیا۔ ابو بکر صدیق
 ”فدک“ کا غلہ وصول کرتے۔ اور اہل بیت کو ان کی ضرورت کے
 مطابق دے دیتے۔ ان کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے

خلیفہ ہونے تک یہی عمل جاری رہا۔

زید ابن علی نے فدک کے بارے میں ابو بکر صدیق
رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو اپنا فیصلہ قرار دیا۔

ابن حدید :

روایت ۱۷۱ :

قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عُمَرَ عَنْ
أَبِي سَلَمَةَ أَنَّ فاطمةَ طَلَبَتْ فَدَكَ مِنْ أَبِي بَكْرٍ فَقَالَ إِنْ
سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ النَّبِيَّ
لَا يُورِثُ مَنْ كَانَ النَّبِيُّ يَقُولُهُ فَإِنَّا نَعُولُهُ وَمَنْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنْفِقُ عَلَيْهِ فَإِنَّا نُلْفِئُ عَلَيْهِ فَقَالَتْ يَا
أَبَا بَكْرٍ أَتَرْتُلِكَ بَنَاتِكَ وَلَا تَرِثُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ بَنَاتُهُ فَقَالَ هُوَذَا قَالَ أَبُو بَكْرٍ وَأَخْبَرَنَا أَبُو زَيْدٍ
قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ حَدَّثَنَا
فُضَيْلُ بْنُ مَرْزُوقٍ قَالَ حَدَّثَنَا الْبُخْتَرِيُّ عَنْ حَسَنٍ أَنَّ
قَالَ قُلْتُ لِرَازِي بْنِ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَأَنَا أُرِيدُ أَنْ أَهْجَنَ
أَمْرًا أَوْ بَكْرًا إِنْ أَبَا بَكْرٍ انْتَزَعَهُ فَدَكَ مِنْ فاطمةَ عَنِّي سَلَامًا
السَّلَامُ فَقَالَ إِنْ أَبَا بَكْرٍ كَانَ رَجُلًا رَحِيمًا وَكَانَ يَكْرَهُ أَنْ يُغَيَّرَ
شَيْئًا فَعَلَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَتْهُ فاطمةَ
فَقَالَتْ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَانِي فَدَكَ

قَتَلَ كَيْسًا هَاشِمًا عَلَى هَذَا آيَتُهُ فَجَاءَتْ يَعْزَبُ عَلَيْهِ السَّلَامُ
 لَشَيْدَ لَهَا شَجَاعَةً أَمْ آيَتُنْ قَتَلَتْ السُّنَّامَ لَشَيْدَ إِنْ آتَى
 مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ قَالَ بَلَى قَالَ أَبُو بَكْرٍ يَعْزَبُ أَنَّهَا قَالَتْ لَا يُؤْخِرُ
 وَعَمَرَ قَالَتْ فَتَنَا الشَّيْءُ أَنْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ أَعْطَاهَا هَذَلِكَ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ فَتَرَجَّلَ أَحْمَرُ أَوْ
 أَمْرًا أَخْرَى لِيَسْتَحِقُّ بِهَا الْقَضِيَّةَ شَعْرًا قَالَ رَبِّدْ
 وَآيَتَهُ اللَّهُ لَوْ رَجَعِ الْأَمْرُ إِلَيَّ لَفَتَنَنْبِتُ فِيهِ بِقِصْنَاءِ
 إِلَيَّ بَكْرٍ

ابن عساکر شرح صحیح البخاری جلد چہارم ص ۱۲ مطبوعہ

بیروت براسائز فی الاخبار الوارده فی غریب

و ما منع فیہا

ترجمہ: ابوسلمہ سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ابوبکر صدیق
 سے "تدک" کا مطالبہ کیا۔ تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ میں
 نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فراتے مناسبہ۔ کرنی کی وراثت
 نہیں جوتی۔ لہذا آپ جس کی کفالت کیا کرتے تھے میں بھی اس کی کفالت
 کروں گا۔ اور جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خرچہ دیا کرتے تھے۔ میں بھی
 اُسے خرچہ دوں گا۔ تو بیدہ نے کہا۔ تمہارے مرنے کے بعد تمہاری
 بیٹیاں وراثت نہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ان کی
 بیٹیاں وراثت نہ ہوں؟ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ بات
 ایسے ہی ہے۔ ابوبکر جو ہر کھتا ہے۔ کہ بختری بن حسان نے زید بن
 علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا۔ (اس پر چھنے کی غرض یہ تھی۔ کہ

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو داندہ رکھا جائے گا کہ ابو بکر صدیق نے سیدہ فاطمہ سے باغ فدک چھین لیا تھا۔ تو جناب زید نے فرمایا کہ ابو بکر بڑے رحم دل آدمی تھے۔ اور جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادا فرماتے رہے۔ اس میں رو دبدلی مکر وہ جانتے تھے۔ پھر آپ کے پاس سیدہ فاطمہ تشریف لائیں۔ اور کہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فدک ہوا عطا فرمایا تھا۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس بات پر گواہی طلب کی۔ تو سیدہ نے حضرت علی کو بطور گواہ پیش کیا۔ انہوں نے سیدہ کے حق میں گواہی دے کر پھر امین امیں۔ تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا فرمائی گئیں۔ کیا تم دونوں جبرستی ہونے کی گواہی نہیں دیتے۔ دونوں نے کہا۔ ہاں آپ ضرور جبرستی ہیں۔ ابو زید کہتا ہے۔ کہ ایسا کرنا دراصل ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو تبتلانا تھا۔ ام امین نے بھی فدک کے بارے میں گواہی دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ کو دے دیا تھا۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا۔ کہ ایک اور مرد یا ایک اور عورت اپنے حق میں بطور گواہ پیش کرو۔ تاکہ تمہارے حق میں فیصلہ ہو جائے۔ پھر زید۔ اور اوی حدیث نے کہا۔ اللہ کی قسم اگر یہی معاملہ میرے سپرد کر دیا جائے۔ اور مجھے فیصلہ کرنے کو کہا جائے۔ تو میں بھی وہی فیصلہ کروں۔ جو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کیا۔

امام باقر رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر فرمایا کہ ابوبکر صدیق
نے فدک مکے بارے میں ہم پر رائی بھر بھی ظلم
نہیں کیا

ابن حدید:

روایت ۴:

قُلْتُ لَا بَنِي جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ جَعَلَنِي اللَّهُ
هَذَا أَرَأَيْتَ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرُ هَلْ ظَنَّمَكُم مِّنْ حَقِّكُمْ
شَيْئًا أَوْ قَالَ ذَهَبًا مِّنْ حَقِّكُمْ بِشَيْءٍ فَقَالَ لَا وَالَّذِي
أَنْزَلَ الْقُرْآنَ عَلَى عَبْدِهِ لَيَكُونُنَّ نَذِيرًا مَا ظَنَّمْنَا
مِنْ حَقِّكَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ تَعْدٍ لِّي قُلْتُ جُعِلْتُ وَفْدًا
أَفَاتُوا هُمَا قَالَتْ لَمْ يَجْعَلَا تَوَلَّيْنَاهُمَا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا
أَصَابَكَ كَيْفَى عُسَيْقٍ شَعْرًا قَالَ فَعَدَّ اللَّهُ بِالْمُنْيَةِ
وَبَنَانٍ هِيَ تَهْمَا كَذِبًا عَلَيْنَا أَهْلُ الْبَيْتِ

(ابن حدید شرح، منبع البلاغہ جلد چہارم ص ۸۲)

ترجمہ: ابو عقیل کہتے ہیں۔ میں نے امام باقر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا۔ کہ
میری جان آپ پر قربان۔ کیا ابوبکر اور عمر نے تمہارے حقوق کے
بارے میں کچھ ظلم کیا۔ یا تمہارے حق دہائے رکھے۔ فرمایا۔ نہیں۔ اس

اللہ کی قسم! جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل فرمایا۔ تاکہ تمام جہانوں کے لیے وہ نذیر بن جائے۔ ہمارے حقوق میں سے ایک رائی کے دانہ برابر بھی انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا۔ میں نے کہا۔ آپ پر قربان جاؤں۔ کیا میں ان سے محبت رکھوں؟ فرمایا ہاں۔ تو برباد ہو جائے انہیں دونوں جہانوں میں دوست رکھو۔ اور اگر اس وجہ سے تجھے کوئی نقصان ہو۔ تو میرے ذمہ ہے۔ پھر امام نے فرمایا۔ مغیرہ اور زبان سے خدا پیٹے۔ ان دونوں نے ہم اہل بیت پر بھوٹ گھڑا۔

صدیق اکبرؓ کے سفارش کرنے پر سیدہ فاطمہؓ عظمیٰ فاروقؓ سے بھی راضی ہو گئیں

بعض شیعہ حضرات جب مذکورہ بالا عبارات کو پڑھ کر زچ ہو جاتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ علوی ہم نے مان لیا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر راضی ہو گئیں مگر آپ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر بھی تو ناراض تھیں۔ سیدہ کا عمر رضی اللہ عنہ سے راضی ہونے کا مذکورہ عبارات میں کوئی لفظ نہیں۔

تو ہم ان کی تسلی کے لیے شیعہ حضرات کی معتبر کتاب بیت الاحزان سے ایک روایت پیش کیے دیتے ہیں جس میں واضح الفاظ کے ساتھ موجود ہے کہ سیدہ فاطمہ فاروق عظمیٰ رضی اللہ عنہ پر راضی ہو گئیں۔

بیت الاحزان :

قَالَ فَلَمَّا بَايَعَ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالزُّبَيْرُ وَ
هَآءُ تِلْكَ الْفَوْدَةُ مَشَى إِلَيْهَا أَبُو بَكْرٍ بَعْدَ

ذَٰلِكَ فَشَفَعَ لِعُمَرَ وَ طَلَبَ إِلَيْهَا فَصَبَّيْتُ عَنْهُ -

بیت الاحزان صفحہ ۸۸ مصنفہ شیخ عباس قمی طبع اسفہا

طبع جدید

ترجمہ ۱۔ جب علی مرتضیٰ اور زبیر رضی اللہ عنہما نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی اور حالات پر سکون ہو گئے تو ابوبکر صدیق اس کے بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور عمر فاروق کے لیے سفارش کی اور رضا کے طلب کیے ہوئے تو آپ راضی ہو گئیں۔

مذکورہ بالا عبارت سے درج ذیل دو باتیں واضح ہوئیں ۱۔

۱۔ سیدہ فاطمہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر راضی تھیں۔

۲۔ سیدہ فاطمہ صدیق اکبر پر یوں مبہم قلب کے راضی تھیں کہ ان کی سفارش پر عمر فاروق سے بھی راضی ہو گئیں۔

سوال ۱۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عمر نے سیدہ فاطمہ سے کوئی زیادتی کی تھی جس کے لیے ابوبکر کو سفارش کرنی پڑی؟

جواب ۱۔ یہ عبارت بخاری یا مسلم کا نہیں کہ اس سے ہم پر کوئی اعتراض آسکے یہ بیت الاحزان کی عبارت ہے جس میں عمر فاروق سے سیدہ کی ناراضگی کا موجود ہونا ہمارے لیے کوئی حجت نہیں البتہ اس میں عمر سے سیدہ کی رضا کا موجود ہونا تمام شیعوں پر ضرور حجت ہے۔

حضرت علی اپنے زمانہ خلافت میں بھی باغ فدک

کے متعلق یہ شیخین کی مخالفت جائز نہ سمجھتے تھے

روایت ۲: ابن حدید:

قَالَ حَدَّثَنَا أَحْسَنُ بْنُ حِلَالٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ بَزْزِيدٍ عَنْ زُرَّارٍ

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ قَالَ سَأَلْتُ أَبَا جَعْفَرٍ مُحَمَّدَ بْنَ
عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ قُلْتُ أَرَأَيْتَ عَلِيًّا حَبِيبِي وَابْنِي الْعِمْرَانِي
وَمَا كُنِي مِنْ أَمْرِ النَّاسِ كَيْفَ صَنَعْتُ فِي سَهْمِ ذَوِي الْقُرْبَى
قَالَ سَلِّمْ لِمَنْ طَرِيقُ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ قُلْتُ وَكَيْفَ
وَيْمٌ وَأَنْتُمْ تَقُولُونَ (مَا تَقُولُونَ) قَالَ أَمَا وَاللَّهِ مَا كَانَ أَهْلُهُ
يَمْسُدُّونَ إِلَّا عَنْ رَأْيِهِ فَقُلْتُ فَمَا مَنَعَهُ
هَذَا كَانَ يَكْرَهُ أَنْ يَسْجُدَ عَلَى إِلَيْهِ مَخَالِفَةً
أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ.

(ابن عساکر شرح النج البلاغہ جلد چہارم ص ۸۶)

ترجمہ: محمد بن اسحاق نے امام ابو جعفر محمد بن علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ جب حضرت
علی رضی اللہ عنہ عراق کے والی ہوئے تو اس وقت لوگوں کے تمام امور
ان کے زیر تصرف تھے۔ اس وقت انہوں نے ذوی القربی کے حصہ کا
کیا بنایا۔ فرمایا۔ ان کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہی طریقہ اپنایا
جو ابو بکر صدیق اور عمر فاروق کا تھا۔ میں نے پوچھا۔ یہ کیسے۔ اور کیوں؟
علائے کہ تم ان دونوں کے بارے میں ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہو۔ فرمایا
اللہ کی قسم! اہل عراق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے سے کام لیا کرتے
تھے۔ میں نے پوچھا۔ تو پھر کس چیز نے ذوی القربی کو ان کا حصہ دینے
سے منع کیا۔ فرمایا۔ اس خوف نے کہ کہیں ان پر ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی
مخالفت کا الزام نہ آجائے۔

حضرت علی نے فرمایا کہ باغ فدک کے متعلق شیخین
کی مخالفت سے مجھے اللہ سے حیا آتی ہے

ابن حدید:

روایت ۸۷:

قَالَ فَحَمِيدُ أَبُو بَكْرِ اللَّهِ وَأَتَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى
رَسُولِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ يَا خَيْرَ النَّسَاءِ
وَأَبْنَةَ خَيْرِ الْأَبَاءِ وَاللَّهُ مَا عَدَوْتُ رَأَى رَسُولِ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا عَمِلْتُ إِلَّا بِدِينِهِ وَإِنَّ الزَّائِدَ
لَا يَكْذِبُ أَهْلَهُ وَإِنِّي أَشْهَدُ اللَّهَ وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا
إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ يَقُولُ إِنَّا مَعَاشِرُ الْأَنْبِيَاءِ لَا
نُورِثُ ذَهَبًا وَلَا فِئْتَةً وَلَا دَارًا وَلَا عِقَارًا وَإِنَّمَا نُورِثُ
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالْعِلْمَ وَالشُّبُوهَ قَالَ
فَلَمَّا وَصَلَ الْأَمْرُ إِلَى عَمَلِهِ مِنْ أَيْمَانٍ مَلَالِيحَ عَلَيْهِ
السَّلَامُ كَلِمَةٍ فِي رَدِّ فَذَلِكَ فَقَالَ إِنِّي لَا سَتَحِي
مِنَ اللَّهِ أَنْ أَرُدَّ شَيْئًا مَنَعَهُ مِنْهُ أَبُو بَكْرٍ وَ
أُمُّ سَاءُ عَمْرٌ.

(ابن حدید شرح نہج البلاغہ جلد چہارم ص ۹۷ فی رد المرتضیٰ)

علی قاضی القضاۃ۔ مطبوعہ بیروت

ترجمہ: راوی کہتا ہے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اللہ کی حمد و ثنا کہی۔ اور حضور

صلی اللہ علیہ وسلم پر درود سلام بھیجا۔ اور پھر کہا۔ اے خیر النساء اے
 بہترین والدہ کی بیٹی! اللہ کی قسم میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کے
 غلات نہیں کیا۔ اور میں نے صرف ان کے کہنے پر عمل کیا۔ اور پانی و گھاس
 کا متلاشی اپنے بھیجنے والوں سے جھوٹ نہیں بولا کرتا۔ میں اللہ کی گواہی
 دیتا ہوں۔ اور اللہ کافی گواہ ہے۔ بے شک میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 سے سنا۔ کہ ہم جماعتِ انبیاء بطور میراث نہ سونا چھوڑتے ہیں۔ نہ چاندی
 دھن میں اور نہ ساکوسان، ہمارے وراثت کتاب و حکمت اور علم و نبوت
 ہوتی ہے۔ فرمایا۔ جب معاملہ خلافت حضرت علی بن ابی طالب کے
 پاس پہنچا۔ آپ سے ”فدک“ کے لوٹائے جانے میں گفتگو ہوئی۔ آپ نے
 فرمایا۔ اللہ کی قسم! مجھے اس چیز کے لوٹانے سے شرمِ خدا آتی ہے جس کو
 ابو بکر نے نہیں لوٹایا۔

حدیث رسولِ مسنن کے بعد سیدہ فاطمہ کا ناراضگی کے ساتھ
 لوٹ جانا ناممکن تھا

ابنِ حدید:

روایت ۵:

قَالَ الْمُرْتَضَى وَقَدْ رَوَى هَذَا الْكَلَامُ عَلَى هَذَا التَّوَجُّهِ
 مِنْ طَرَفِ مَخْتَلِفَةٍ وَوُجُوهُ كَثِيرَةٍ فَمَنْ أَرَادَ هَذَا
 اخَذَ مَا مِنْ تَمَوَّاضِعِهَا فَكَيْفَ يَدَّ عَلَى أَنَّهَا عَلَيْهَا السَّلَامُ

كَفَّتْ رَاضِيَةً وَأَمْسَكَتْ قَانِعَةً لَوْلَا الْبَيْتُ وَقِلَّةُ
 الْحَيَاءِ قُلْتُ لَيْسَ فِي هَذَا الْخَبَرِ مَا يَدُلُّ عَلَى فُسَادِ
 مَا إِذَعَاهُ قَاسِمِي الْقَضَاةِ لِأَنَّهُ إِذَا عَلَى أَتَيْنَا مَا زَعَمْتُ
 وَخَاصَمْتُ ثُمَّ كَفَّتْ لَمَّا سَمِعَتْ الرِّوَايَةَ وَالْمَصْرُفَةَ
 تَارِكَةً لِلنِّزَاجِ رَاضِيَةً بِمَوْجِبِ الْخَبَرِ الْمُرْقُوعِ
 وَمَا ذَكَرَهُ الْمُتَقَضِّي مِنْ هَذَا الْكَلَامِ لَا يَدُلُّ
 إِلَّا عَلَى سَعْدِهَا حَالِ حُضُورِهَا وَلَا يَدُلُّ عَلَى
 أَتَيْنَا بَعْدَ رَوَايَةِ الْخَبَرِ بَعْدَ أَنْ أَقْسَمَ لَهَا
 أَبُو بَكْرٍ بِاللَّهِ تَعَالَى أَنَّهُ مَا رَوَى عَنْ رَسُولِ
 اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا مَا سَمِعَهُ مِنْهُ
 انْصَرَفَتْ سَاحِلَةً

(ابن عساکر شرح نبی البلاغہ جلد سوم ص ۹۴ مطبوعہ بیروت)

ترجمہ: شیخ مرتضیٰ نے کہا کہ ”تفسیر فدک“ کے بارے میں کلام مختلف طرق
 سے روایت کیا گیا ہے۔ جو چاہے کہ ان مختلف وجوہ کا مطالعہ کرے
 اُسے ان مقامات کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ یہ کیسے دعویٰ ہو سکتا
 ہے۔ کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا راضی ہو کر خاموش ہو گئیں۔ اور مہر و
 قناعت سے مزین ہونے سے روک لگیں۔ ہو سکتا ہے۔ کہ یہ سب
 کچھ کثرت حیا اور پریشانی کی وجہ سے ہوا ہو۔

میں کہتا ہوں۔ کہ اس خبر میں قاضی القضاۃ کے دعویٰ کو فاسد ثابت
 کرنے والی کوئی بات نہیں۔ کیونکہ اس نے دعویٰ یہ کیا ہے۔ کہ
 سیدہ رضی اللہ عنہا نے باغ فدک کے بارے میں جھگڑا کیا۔ پھر جب

روایت سنی۔ تو جگہ اختتام کر دیا۔ اور نزاع کو چھوڑ کر روایت کے مضمون پر
 رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے واپس تشریف لے گئیں۔ اور جو کچھ
 اس کلام سے ”مرتضیٰ“ نے ذکر کیا۔ وہ صرف سیدہ کی اس ناراضگی کو ظاہر
 کرتا ہے۔ جو بوقت حاضری عدالت تھی۔ لیکن اس سے یہ ثابت
 نہیں ہوتا۔ کہ خبر کی روایت کے بعد اور ابو بکر صدیق کے قسم اٹھانے
 کے بعد کہیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا۔ غصہ اور ناراضگی
 میں واپس آگئیں۔

وضاحت :

روایت ۸ کا حاصل یہ ہے۔ کہ شیخ مرتضیٰ شیعہ نے اپنی کتاب ”شافی“ میں
 قاضی القضاۃ کے ان دلائل کا رد کیا ہے۔ جن میں اس نے ثابت کیا تھا کہ
 جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ”باغ فدک“
 کے بارے میں تنازع کیا۔ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ”انا معاشرا لابیہ
 لا نورث“ ارشاد رسول پیش کیا۔ تو سیدہ خاموشی سے واپس آگئیں۔ جس کے
 بعد انہوں نے کبھی ”باغ فدک“ کے متعلق کلام نہ فرمایا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے
 کہ سیدہ بوقت تنازع اگر چہ ناراض تھیں۔ لیکن بوقت واپسی راضی تھیں۔

اس دلیل کے رد میں شیخ مرتضیٰ شیعہ نے ”شافی“ میں کہا۔ کہ یہ کہنا کہ ”سیدہ بخوشی
 واپس آئی تھیں۔ اور اس کے بعد کبھی اس معاملہ میں کلام نہ کیا۔ اس معاملہ میں کلام نہ
 کرنا بھی ان کی خوشی کی دلیل ہو“ یہ غلط ہے۔ کیونکہ سیدہ کا کلام نہ کرنا اور اس
 معاملہ میں خاموشی کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ سیدہ کثرت حیا اور پریشانی کی وجہ سے
 خاموش ہوئی ہوں۔

ابن حدید کا محاکمہ

۱۰۔ اس کے بعد "ابن حدید" نے دونوں دلائل کا محاکمہ کرتے ہوئے اور شیخ مرتضیٰ کی دلیل کو کمزور سمجھتے ہوئے اس کا رد کیا۔ اور قاضی القضاات کی تائید میں لکھا۔ کہ شیخ مرتضیٰ کی دلیل سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ سیدہ بوقت منازعت زہراؑ اس میں تھیں۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سن کر خاموشی اختیار فرمائی۔ اور بعد میں بھی اس معاملہ میں کلام نہ فرمایا۔ تو ممکن ہے یہ خاموشی اور عدم کلم بوجہ کثرت سیانہ ہو۔ بلکہ اس کا سبب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی سماعت ہو۔ اور اس کی یہ وجہ ہے کہ جب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قسم اٹھا کر کہا کہ میں نے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی۔ تو اس کے بعد بھی سیدہ کا ناراض ہو کر واپس آنا عقلاً اور نقلاً محال ہے۔

مذکورہ آٹھ روایات سے حسب ذیل فوائد حاصل ہوئے

فائدہ ۱:

۱۔ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْخُذُ مِنْ مَعْنَاهُ قَوْلَهُ وَيَقْبِضُ الْبَاقِي وَ
يَسْمِعُ مَعْنَاهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ " کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ "دفعہ" کی آمدنی
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت اہل بیت، فقرا اور اسلامی جنگی ضروریات میں خرچ
ہوتی تھی۔ "دفعہ" صرف سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ یا حسین
کرمین میں سے کسی کو "جبر" دیا گیا تھا۔ دیکھئے روایت اول و دوم

فائدہ ۲ :

”وَآخَذَتِ الْعَرَفَةَ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“ سے پتہ چلا کہ سیدہ رضی اللہ عنہا نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ”باغ فدک“ کی آمدنی اسی طرح خرچ کرنے پر معاہدہ کر لیا۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف فرمایا کرتے تھے۔ اس معاہدہ کے بعد سیدہ راضی ہو گئیں۔ دیکھئے روایت اول و دوم

فائدہ ۳ :

”وَكَانَ يَأْخُذُ غُلَّتَهَا فَيَدْفَعُ إِلَيْهِمْ مِنْهَا مَا يَكْفِيهِمْ“ سے ظاہر ہوا کہ ”فدک“ کی پیداوار سے سیدہ فاطمہ اور حسین کریمین رضی اللہ عنہم حسب سابق صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے اپنا سہتہ لیتے رہے۔ دیکھئے روایت اول و دوم

فائدہ ۴ :

”ثُمَّ فَعَلَتِ الْخُلَفَاءُ بَعْدَكَ كَذَا إِلَيْكَ إِلَى أَنْ وَلِيَ مُعَاوِيَةَ“ کا لفظ ”ثُمَّ“ سے پتہ چلتا ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے امیر معاویہ کے والی بننے تک ”فدک“ کی آمدنی بعینہ اسی طرح صرف ہوتی رہی۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کرتے رہے اس میں رد و بدل نہ ہوا۔ کیونکہ یہ حضرات اسی طرح صرف کرنے کو مشا راہی سمجھتے تھے۔ لہذا حبیب صدیق اکبر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سامل اپنا یا۔ تو سیدہ فاطمہ کا ان سے اس بنا پر ناراض ہونا معلوم ہوتا ہے یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہے۔ ورنہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا عمل رسول سے ناراض ہو جائیں۔ یہ بھی ناممکن۔ اور ناراضگی بھی رہے۔ پھر خرچہ بھی بدستور وصول کرتی رہیں۔ یہ بھی انہیں زریب نہیں دیتا لہذا معلوم ہوا کہ ”غَضِبَتْ“ کا لفظ غلط فہمی کا نتیجہ تھا۔

نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ جو لوگ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر یہ الزام دھرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی خلافت میں ”فدک“ مروان کو دے دیا تھا۔ یہ غلط اور بے بنیاد

ہے۔ مگر اس کی بجائے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا عثمان غنی کا بھی اس بارے میں وہی عمل تھا۔ جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تھا۔ جو عمل میں یکسانیت ہے۔ تو جس طرح سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا دور صدیقی میں خرچہ وصول کرتی تھیں۔ اسی طرح دور فاروقی اور عثمانی میں بھی ان کی اولاد وصول کرتی رہی۔ دیکھئے روایت اول و دوم

فائدہ ۵:

”لَمَّا سَجِعَ كَلَامَهَا“ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کوسیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ناراضگی کا علم ہوا۔ تو فوراً انہیں راضی کرنے کے لیے ان کے گھر تشریف لے گئے۔ دیکھئے روایت دوم

فائدہ ۶:

”ثُمَّ قَالَ يَا خَيْرَةَ النَّسَاءِ وَابْنَةَ خَيْرِ الْأَبَاءِ“ کے الفاظ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ عزیسہ کو تمام جہان کی عورتوں سے افضل کہہ رہے ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انسانوں سے افضل گردانتے ہیں۔ اور حقیقت بھی یہی ہے۔ (دیکھئے روایت دوم و ترمذی)

فائدہ ۷:

”وَأَشْرَوْا مَا عَدَوْتُ رَأَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَأَيُّ عَيْلَتٍ الْكَافِيَّةِ“ کے الفاظ شاہد ہیں کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا عمل بالکل سنت نبوی کے مطابق تھا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی جتنی جاگتی تصویر تھی۔ روایت دوم منقحہ

فائدہ نمبر ۸:

”وَدَلَّكَ مَا لَا يَبْلُكَ (الحی) كَمَا كَانَتْ يَصْنَعُ“ سے معلوم ہوا کہ سیدہ رضی اللہ عنہا نے اس بات کو تسلیم کر لیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم باغ نہ ان کی آمدنی میں اسی طرح تھی۔ یعنی خرچہ دے کر فقراء و مساکین میں تقسیم کر دینا اور فی سبیل اللہ خرچ کرنا۔ دیکھئے روایت دوم

اسی لیے اسی طرح صرت کرنے کا ہمدے کر سیدہ صدیق اکبر سے راضی ہو گئی
فائدہ ۹ :

وَكَانَ يَكُونُ أَنْ يُغَيَّرَ شَيْئًا فَعَلَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 یہ جملہ کہ کر زید بن علی رضی اللہ عنہ نے تسلیم کیا ہے کہ جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سیدہ
 رضی اللہ عنہا کو ”فَحَنَ مَعَاشِرَ الْأَنْبِيَاءِ كَأَنْوَاعٍ“ حدیث رسول سنائی۔ اس
 فدک ان کو عطا نہ کیا۔ تو اس سے صدیق اکبر کی غرض یہ تھی کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
 کسی نسل کی تبدیلی گوارا نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے روایت سوم
فائدہ ۱۰ :

اہل بیت کے علمائے کرام میں سے حضرت زید نے اس امر کی تصدیق کر لی
 کہ ”باغ فدک“ عطا نہ کرنے کا جو فیصلہ صدیق اکبر نے کیا تھا۔ بالکل درست تھا۔
 لیے کہا۔ کہ ابو بکر کی جگہ میں ہوتا۔ تو میں بھی وہی فیصلہ کرتا۔ جو ابو بکر صدیق نے کیا۔
فائدہ ۱۱ :

حضرت زید بن علی رضی اللہ عنہ کے رویہ نے یہ ثابت کر دیا کہ اہل بیت کے
 میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کوئی حد و بعض نہ تھا۔ اگر ایسا ہوتا۔ تو
 بن علی ان کی شان میں تعزیری الفاظ ذکر فرماتے۔ بلکہ تقیص و تردید کرتے۔
فائدہ ۱۲ :

امام محمد باقر رضی اللہ عنہ نے ایک سائل کے جواب میں جو ارشاد فرمایا۔ کہ شیعین میں
 سے کسی نے ہمارے حقوق میں سے رائی کے دانہ برابر بھی کوئی حق غصب نہیں کیا۔
 اس ارشاد کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو لوگ شیعین پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے
 اہل بیت کے حقوق غصب کیے۔ یہ بالکل غلط اور لغو ہے۔ دیکھئے روایت چہارم
فائدہ ۱۳ : امام باقر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ اہل بیت سے محبت

یہ عجب نہیں۔ کہ دشمنین کو برا بھلا کہا جائے۔ بلکہ فرمایا۔

”تَوَلَّاهُمَا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ“، ان دونوں کی دوستی کی تائید فرمائی۔
لہذا جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ دشمنین سے محبت باعث ہلاکت ہے۔ سراسر غلط ہے۔
امام باقر رضی اللہ عنہ کو ان سے محبت کرنے والے کے نقصان کی تلافی اپنے ذمے ہے
یہ کیا کوئی دشمن کی ذمہ داری لیتا ہے؟ روایت چہام

فائدہ ۱۲:

امام باقر کے الفاظ سے یہ بھی وضاحت ہو گئی کہ اہل بیت اور صحابہ کرام کے
درمیان جو بغض و عداوت کے من گھڑت واقعات بنائے گئے ہیں۔ سب بے اصل
ہیں۔ کیونکہ ان واقعات کو گھڑنے والے مغیرہ بن سعید، بن ابی البیان کے بارے
میں فرمایا۔ یہ دونوں بہتان تراش ہیں۔

بن ابی البیان اور مغیرہ بن سعید کون تھے۔

رجال کشی:

حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ يَزِيدَ عَنْ مُحَمَّدَ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ عَنْ
إِبْنِ بَكْرِ عَنْ زُرَّارَةَ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ (ع) قَالَ سَمِعْتُهُ
يَقُولُ لَعَنَ اللَّهُ بَنَانَ النَّبِيَّانِ وَإِنْ بَنَانَا لَعَنَهُ اللَّهُ كَانَ
يَكْذِبٌ عَلَى أَبِي شَاهِدٌ أَنَّ أَبِي عَلِيَّ بْنَ الْحُسَيْنِ كَانَ
عَبِيدًا صَالِحًا.

عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ (ع) قَالَ سَمِعْتُهُ يَقُولُ لَعَنَ اللَّهُ
لُغَيْرَةَ بْنَ سَعِيدٍ إِنَّهُ كَانَ يَكْذِبُ عَلَى أَبِي قَاذَاقَةَ

اللَّهُ حَرَّمَ الْحَدِيدَ لَعَنَ اللَّهُ مَنْ تَلَّ فِيسَكَ
مَا لَا نَقُولُهُ فِي أَنْفُسِنَا وَ لَعَنَ اللَّهُ مَنْ
أَزَالَ النَّاعِنَ الْعَبُودِيَّةَ يَلُوهُ التَّسْلِيمُ
خَلَقْنَا وَ إِلَيْهِ مَابُنَا وَمَعَادُنَا وَبَيِّدُ
نَوَاصِبِنَا۔

(رجال کثی ۲۵۵ مطبوعہ کربلا تذکرہ ابوالخطاب)

ترجمہ: زہارہ نے ابو جعفر امام باقر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ امام موصون
نے فرمایا۔ اللہ، بنان البیان پر لعنت کرے۔ بے شک بنان لعنت
میرے والد پر بہتان باندھے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ میرے
والد علی بن حسین صالح آدمی تھے۔

امام باقر رضی اللہ عنہ نے مغیرہ بن سعید پر اللہ کی لعنت کا ذکر کیا۔ اور
فرمایا۔ کہ اس نے میرے والد کی طرف جھوٹ منسوب کئے۔ اللہ نے
اُسے لوہے کی گرمی کا عذاب چکھایا۔ اللہ ان لوگوں پر لعنت کرے
جنہوں نے ہمارے بارے میں وہ کچھ کہا۔ جو ہم نے اپنے بارے
میں نہیں کہا۔ اللہ کی لعنت ان پر جنہوں نے ہمیں عبودیت سے نکال
کر معبود بنایا۔ اس اللہ کی عبودیت سے نکالا۔ جس نے ہمیں پیدا کیا۔
اسی کی طرف ہمارا لوٹنا اور پلٹنا ہے۔ اور اسی کے قبضے میں ہماری
باگ ڈور ہے۔

چونکہ ان دونوں (بنان البیان، مغیرہ بن سعید) نے اہل بیت کو اسمِ رضا
علیہم کی طرف جھوٹی روایات منسوب کیں۔ اور عداوت و بغض و عناد کی من
داشانی وضع کیں۔ لہذا یہ لعنت کے سزاوار ہوتے۔

فائدہ ۱۵ :

موجودہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اکل سادات کے لیے مقرر کیا تھا۔ وہ ان کو امام زین العابدین کے زمانہ تک ملتا رہا۔

فائدہ ۱۶ :

شیعین رضی اللہ عنہما نے "باغ فدک" کی آمدنی سے اہل بیت کو معروم نہیں کیا۔ بلکہ اس کو تقسیم کرنے کی اجازت نہیں دی۔

فائدہ ۱۷ :

بیت الاحزان کی عبارت سے صاف معلوم ہو گیا کہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا صرف یہ کہ حضرت ابو جعفر صدیق رضی اللہ عنہ پر راضی تھیں۔ بلکہ آپ کی شفاعت پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بھی راضی ہو گئیں۔

فائدہ ۱۸ :

عبد اللہ بن موسیٰ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پانچویں پشت نیچے ہیں۔ جب انہوں نے واقعہ کر دیا کہ ہمارے اور شیعین کے درمیان کوئی نارنگی نہ تھی۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ اہل بیت اوشیعین کے درمیان عداوت و حسد و بغض کی داستانیں بعد میں گم رہ گئیں۔

فائدہ ۱۹ :

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے زمانہ خلافت میں "باغ فدک" کے بارے میں وہی عمل اپنایا۔ جو شیعین نے اپنایا تھا۔

فائدہ نمبر ۲:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دورِ خلافت میں جب ”باغ فدک“ کے بارے میں گفتگو ہوئی۔ تو جواب فرمایا۔ کہ مجھے اپنے ذوی القربیٰ میں ”باغ فدک“ بانٹنے سے جب شیئین نے ایسا نہیں کیا۔ اللہ سے شرم و حیا آتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شیئین کے فیصلہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہی سمجھا اور ان کی مخالفت کو اللہ اور رسول کی مخالفت سمجھا۔ دیکھیے روایت ہفتم

ایک اعتراض اور اس کا جواب

اعتراض:

روایت ۱۱ میں مذکور عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ”باغ فدک“ سیدہ خاتونِ جنت کو دنیا ہی نہیں پاتے تھے۔ وہ اس طرح کو حسب سیدہ نے اپنے دو گواہ پیش کیے۔ ایک حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسری ام المومنین رضی اللہ عنہا۔ تو ان دونوں کی گواہی ثبوتِ دعویٰ کے لیے کافی سمجھ کر ابو بکر رضی اللہ عنہ بنا بر سیدہ کے حق میں باغ فدک کا فیصلہ کر دینا چاہتے تھے۔ لیکن ہوا یہ کہ ان دو گواہوں کے بعد ان کے غلات دو گواہوں نے گواہی دی۔ (عمر بن خطاب، عبدالرحمن بن عوف) تو آپ نے چاروں کو صدق، صدق کہا۔ آپ کا یہ رویہ اس بات کا غماز ہے۔ کہ آپ ”باغ فدک“ سیدہ کو عطا ہی نہیں کرنا چاہتے تھے۔

جواب:

سب سے پہلی بات تو یہ ہے۔ کہ یہ عبارت ہماری نہیں بلکہ ”ابن میثم“ کی ہے۔ جس کو ہم پر اعتراض کرنے کے لیے بطور حجت پیش نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ

ہمارے خلاف اس کی کوئی بات قابلِ حجت نہیں۔ اس لیے ہم پر اس کا جواب دینا ضروری نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس سے قبل ”جہدہ“ کی روایات کی تحقیق میں ہم نے ثابت کر دکھایا ہے کہ یہ روایات شیعہ کی خود ساختہ ہیں۔ اس لیے بے اصل اور ناقابلِ توجہ ہیں۔

تیسری بات یہ کہ ہم اس اعتراض کو بغرض محال مان لیتے ہیں۔ تو بھی ان دونوں میں تقاضی و تبادُل نہیں۔ بلکہ ان کے درمیان تطبیق ممکن ہے۔ وہ اس طرح کہ ”باغِ فدک“ کی آمدنی چونکہ مختلف مدت میں خرچ ہوتی رہی۔ جن میں سب سے پہلے سیدہ اور اہل بیت کا حصہ حضور علیؑ علیہ السلام نکالتے تھے۔ باقی ماندہ غریب مساکین میں تقسیم ہوتا تھا تو اسی وجہ سے کہ سب سے پہلے ہمیں دیا جاتا ہے۔ سیدہ نے یہ بکھا ہوا کہ ”فدک“ ہماری ملک کر دیا گیا ہو۔ اور انہی آثار کی بنا پر حضرت علیؑ اور ام المومنینؑ کی گواہی حضرت خاتونِ جنت کے حق میں گوری۔ لیکن سیدہ ”فدک“ کی باقی آمدنی کی تقسیم کا انکار نہیں کرتیں۔ اور اسی طرح حضرت عمر بن خطابؓ اور عبدالرحمن بن عوفؓ نے تقسیم کے عمل کے لحاظ سے گواہی دی کہ یہ فدک کسی کی ملکیت نہیں۔ اگر ملکیت ہوتا۔ تو ملک کی اجازت سے تقسیم ہوتی۔ تو دونوں طرف کے گواہوں نے ”فدک“ کی مختلف حیثیت کے پیش نظر گواہی دی اپنی اپنی گواہی میں وہ سچے تھے۔ اس لیے سیدنا صدیق اکبرؑ کی طرف سے کمال دانائی سے دونوں کی گواہی کی تصدیق فرمادی۔ گویا حیثیت کے اختلاف کے باوجود دونوں طرف کے گواہ اس بات پر متفق تھے کہ ”فدک“ کی آمدنی غریب و یتیم کو بانٹ دی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے صدیق اکبرؑ نے جب سب کی تصدیق کی تو کسی فریق نے ہوا اپنے گواہان کے دوسرے فریق کے گواہوں پر کوئی اعتراض نہ کیا۔ بلکہ تقسیم پر اتفاق کرتے ہوئے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا عہد لے کر راضی ہو گئیں۔ لہذا اس

سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ نہ تو ان شہادتوں میں اختلاف حقیقی تھا۔ اور نہ ہی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عزیذہ فاطمہ سے ان کا حق پھینکنے کے ورپے تھے۔

تبصرہ:

ہم نے شدید سنی دونوں کی مختلف کتب سے روایات لکھیں۔ ان کو انصاف پڑھنے والا لازمی اسی نتیجہ پر پہنچے گا۔ کہ عزیذہ فاطمہ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے درمیان کوئی مستقل ناراضگی نہ تھی۔ کہ ہم کہہ سکیں۔ کہ اسی ناراضگی پر عزیذہ کا انتقال ہوا۔ کیونکہ جب صدیق اکبر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہمیش کی۔ اُسے سُن کر عزیذہ جنت کا ناراضی ہونا از روئے شرع بھی منوط ہے۔ اور پھر اسی پر عزیذہ کہتا کہ ایک آخری دم تک ناراض رہیں۔ بالکل بجا اس ہے۔ حضور طہ الصلوٰۃ والسلام کسی مسلمان سے تین دن تک قطع کلامی حرام فرمائیں۔ اور تم آخری عمر تک اسے جائز سمجھو۔ یہ کوئی منطقی ہے۔ معلوم ہوا کہ عزیذہ فاطمہ کی ناراضگی کا جھوٹا طوفان اور مسلمانوں میں تفرقہ پیکار شور سب شیعوں کا کھڑا کیا ہوا ہے۔ جس کی کوئی اصل نہیں۔

تنبیہ:

یاد رہے۔ کہ عزیذہ فاطمہ رضی اللہ عنہا عام عورتوں کی طرح نہیں۔ جیسا کہ تم نے رکھا ہے۔ بلکہ آپ وہ ہیں۔ جنہوں نے اپنے وصال کے وقت یہ وصیت فرمائی تھی کہ مجھے رات کو تاریکی میں قبرستان سے جانا۔ اور تاریکی میں ہی دفن کرنا۔ تاکہ میرا جسم کی طرف کوئی اشارہ بھی نہ کر سکے۔ اور اسی کے علاوہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری لمحات میں عزیذہ کو دوستے دیجھا تو فرمایا۔ اے فاطمہ! میرا جسم تم بہت جلد میرے پاس پہنچنے والی ہو۔ اسی کے چہرہ مادے کے اندر اندر آپ

یعنی ہو گئیں۔ جس طبع ظاہرہ اور پاکدامن خاتون کا بہ سیرت و کردار ہو اور اسے اپنی بقیہ زندگی ایام بھی معلوم ہوں۔ وہ عالی صفات بتوں اس دنیا کے مال کے لیے تمام لوگوں کے سامنے عدالت میں کیسے با سکتی ہیں۔

چیلنج!

پہلی شیوہ برادری کے تمام علماء کو چیلنج کرنا ہوں کہ ہر اس مولوی، ناکر اور مجتہد کو بختیشت ہزار روپیہ انعام دوں گا جو ایک حدیث صحیح دکھا دے۔ جس میں یہ مذکور ہو کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی ہو۔ لیکن دوران ملاقات کلام نہیں ہوا۔

فَاِنْ لَمْ تَفْعَلُوْا لَوْ تَفْعَلُوْا فَاَتَقْوَالَا تَقُوْدُهَا النَّاسُ

فَاَلْعَجَارَةُ اَعْدَتْ لِّلْكَافِرِيْنَ

بہتان فک کے چار ستون

بہتان فک کے چار ستون ہیں..... ملاحظہ ہوں

ستون اول:

”يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا اَمْرًا وَّ لَا نَهْيًا مِنْ بَنِيْ اٰدَمَ حَتّٰى يَنْزِلَ مِنْ سَمٰوٰتٍ“

اس آیت میں مسطورہ راہت میں حکم عام ہے کہ مرنے والے کے بیٹے اس کدڑیوں سے ہٹ کر نہ منکر ہوں گے۔ اس حکم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مستثنیٰ نہیں۔ لہذا آپ کا مال بھی نہی کر رہا تھا۔ میں مٹا رہا ہے تھا۔ لیکن ابو بکر صدیق نے سن گھڑت حدیث سنا کر سیدہ کو

جائز وراثت سے محروم کر دیا۔ حالانکہ قرآن پاک میں وراثت انبیاء کا ذکر ”وَوَرِثَ
 سُلَيْمَانُ دَاوُدَ“ میں موجود ہے۔ اسی لیے حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا بھی ہے
 ”هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا يَرْثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ“ ان دونوں
 آیات سے وراثت انبیاء ثابت ہوتی ہے۔

ستون دوم:

”وَآيَةُ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقُّهُ“ کے نزول کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
 اللہ تعالیٰ کے حکم سے سیدہ فاطمہ کو بلا کر ”فدک“، اربعہ میں سطا فرادیا۔ لیکن آپ کے وصال
 کے فوراً بعد ابو بکر صدیق نے اسے منصب کر لیا۔

ستون سوم:

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ”منصب فدک“ کی وجہ سے سیدہ رضی اللہ عنہا
 ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس قدر ناراض ہو گئیں کہ تا دم آخر یہی ان سے کلام نہ کیا۔

ستون چہارم:

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وصیت کے مطابق ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کے
 جنازے میں شمولیت کا موقع نہ دیا گیا۔

استقاط ستون اول:

آیت میراث میں خطاب امت کو ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مستثنیٰ ہیں۔
 جیسا کہ ہم اپنی اور شیعہ کتب سے ثابت کر آئے ہیں کہ انبیاء کے ام کی ”مالی میراث“

نیں ہوتی۔

رہا سلیمان علیہ السلام کا حضرت داؤد علیہ السلام کا وارث بننا تو اس سے وراثت
 ملی، مراد ہے۔ کیونکہ اگر وہ مالی ہوئی۔ تو ان کے دوسرے اٹھارہ بھائی بھی وارث
 ہوتے۔ اس وراثت ملی، کو اصول کافی صفحہ ۲۲۵ طبع جدید کتاب الحجۃ باب ان الائمة
 ورثوا علم النبی الخ۔ پر مسطور رکھا۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا میں بھی ”وراثت
 نبوت و علم و حکمت“ مراد ہے۔ جو ان کے بیٹے یحییٰ کے پیغمبر ہونے کی صورت،
 میں مستجاب ہوئی۔

اسقاط ستون دوم:

سورۃ روم اور سورۃ بنی اسرائیل دونوں مکی ہیں۔ جن میں ”آیۃ التَّوْبِ
 حَقَّقَ“، مذکور ہے۔ اور ”باط فذک“ کا معاملہ مکی زندگی میں رونما ہی نہ ہوا تھا۔
 اس لیے اسے اس معاملہ کے ضمن میں پیش کرنا انتہائی حماقت ہے ”ذک“ ہجرت
 کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں آیا۔ پھر آپ نے قبضہ میں آنے سے پہلے
 ”وجہ“ کیسے کر دیا۔

اسقاط ستون سوم:

”غَضِبْتَ فَأَیْطَعُ“، کے الفاظ راوی نے اپنی طرف سے قیاس اور
 اندازے کے پیش نظر زائد کر دیئے۔ جس سے یہ روایت بالمتنی قرار پائی۔ ہمارا دعویٰ
 ہے کہ کوئی شیعہ یہ ثابت کر دے۔ کہ اس قسم کے ناراضگی کے الفاظ سیدہ فاطمہ
 رضی اللہ عنہا کے منہ سے نکلے ہیں۔ تو اسے منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔ یہ اسی طرح
 کیا نہ آرائی ہے۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بالا خانہ میں تشریف سے جانا کہ

لوگوں کو اس سے یہ تاثر ملا کہ آپ نے اپنی ازدواجی مطہرات کو طلاق دے دی۔ اسی طرح سیدہ رضی اللہ عنہا کا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہ کرنا۔ ان کی ناراضگی کے لیے دلیل بنائی گئی۔ حالانکہ ایسا حقیقت میں تھا۔ حالانکہ درشرح ابن میثم اور دروغ نجفیہ کے مطابق جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے فدا کی آمدنی انہی مصارف پر خرچ کروں گا۔ جن پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف فرمایا کرتے تھے۔ تو فرضیت بذالک واخذت العهد علیہ، کے الفاظ ان دونوں مصطفین کے لئے۔ جس سے معلوم ہوا کہ سیدہ کی ابو بکر صدیق سے ہم کلامی اور رضامندی دونوں ثابت ہیں۔ اگر ان بھی ایسا جائے کہ سیدہ فاطمہ نے ابو بکر صدیق سے تا دم آخر کلام نہیں فرمائی تو اس کا معنی یہ ہے کہ آپ نے فیصلہ ابو بکر صدیق کے بعد باغ فدک کے بارہ میں کوئی نرالی کلام نہیں فرمائی۔ جس کی تائید شعی مؤرخ مسعودی نے بوں فرمائی۔

التیذ والاشرات:

وَكَانَتْ مُهَاجِرَةً لَهُ مُنْذُ طَالَبَتْ بَرَارِثَهَا مِنْ أَيْبِهَا عَنِ السَّلَامِ
مِنْ قَدْرِكَ وَتَغْيِيرِهَا وَمَا بَيْنَهُمَا مِنَ التَّخَاوُعِ فِي ذَلِكَ إِلَى أَنْ مَاتَتْ

(التیذ والاشرات من ۲۵ مطبوعہ قاہرہ طبع جدید)

ترجمہ: جب سے باغ فدک وغیرہ کے مطالبہ کی وجہ سے سیدہ نے ترک کلام فرمائی ہے (تو اس سے مراد) نرالی کلام۔ ہے جو ان کے درمیان سیدہ کے آخر وقت تک نہ ہوئی۔

استقاط ستون چہارم:

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ وصیت کا قصہ شیوخ لوگوں کا خود ساختہ ہے

بقتل اسے مانتی ہے۔ اور نہ نقل اس کی تائید کرتی ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجہ "اسماء بنت عیس" تو خود سیدہ فاطمہ کی تیمارداری کے فرائض سرانجام دیتی ہیں۔ اور آخری دم تک وہیں رہیں۔ اور مطابق "وصیت سیدہ" انہیں غسل بھی ہوا۔ بنت عیس نے دیا۔ اس کے باوجود حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بنت رسول کے وصال کا علم نہ ہوا۔ یہ عقلاً محال ہے۔

دوسرا بہتان یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جنازہ میں شرکت کا موقع نہ دیا۔ یہ بھی کذب بیانی کی انتہا ہے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صدیق اکبر نے سیدہ کے جنازے کے وقت فرمایا۔ علی! تم نماز جنازہ پڑھاؤ۔ حضرت علی نے جواب دیا۔ خلیفہ وقت کی موجودگی میں میں جنازہ کس طرح پڑھا سکتا ہوں۔ یعنی فرض عین (نماز پنجگانہ) میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم صدیق اکبر کے متعلق فرمیں۔ "سرفا ابابکر فلیصل بالناس" ابو بکر کو میری طرف سے حکم دو۔ کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ اور اب نماز جنازہ فرض کفایہ میں خلیفہ رسول کی موجودگی میں کس طرح کی صلی امامت پر کھڑا ہو سکتا ہوں۔ یہی قانون تھا۔ جس کی بنا پر امام حسن رضی اللہ عنہ کے جنازے کی نماز سعید ابن العاص حاکم مدینہ نے پڑھائی۔

قولِ امام حسین رضی اللہ عنہ: اگر پہلے سے یہ سنت قائم نہ ہوتی۔ تو میں تجھے اپنے بھائی کی نماز جنازہ نہ پڑھانے دیتا۔

(کامل ابن اثیر جلد ثالث ص ۲۶ ذکر وفات الحسن الزم)

کشف الغر جلد اول ص ۵۸۶ مطبوعہ تبریز فی شہادت

الحسن علیہ السلام (مقاتل الطالین ص ۵۵ ذکر امام حسن علیہ السلام)

یہ اس امام کا کلام ہے۔ جس نے عمر بھر تقیہ نہیں کی، کتب شیعہ سے ثابت ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ اتنے حق گو اور بے باک تھے۔ کہ سید نامہ

کو عین خطبہ کے وقت کہا۔ کہ میرے نانا جان کے منبر سے اتر جاؤ۔ حالانکہ ابھی بائیں بھی نہیں ہوئے تھے۔ اس موقعہ کی نزاکت کو بھانپ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حسین کو میں نے نہیں سکھایا۔ تو فاروق اعظم نے فرمایا۔ بیٹا تم نے سنا ہے۔ علاوہ ازیں میدان کربلا آپ کی حق گوئی اور بے باکی کی عظیم داستان ہے۔ سب کچھ قربان ہو گیا۔ خود بھی جام شہادت نوش فرمایا۔ لیکن باطل کے سامنے سرنگوں نہیں ہوئے۔ توان واقعات و حالات سے یہ دلیل حاصل ہوتی ہے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جنازہ کی نماز کے متعلق طریقہ مسنونہ یہی تھا۔ کہ صدیق رضی اللہ عنہ امامت کراتے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کی اقتدار میں نماز پڑھتا۔ جیسا کہ آئندہ چل کر ہم ثابت کریں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جنازہ پر شیخین کی عدم شمولیت

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جب ”فدک“ سے محروم کر دی گئیں۔ اور باوجود ان کے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف فیصلہ فرما کر وہ باغ فدک، ان سے غصب کر لیا۔ تو اس غلط فیصلہ کی وجہ سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ناراض ہو کر گھر آ گئیں اور پھر تادم آخریں ابو بکر سے گفتگو کی۔

اسی غصہ کی بنا پر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جہاں بوقت انتقال اور وصیتیں کیں۔ ایک وصیت یہ بھی فرمائی۔ کہ میرے جنازہ پر ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما، کو حاضر نہ ہونا دیا جائے تو جس طرح سیدہ کی دوسری وصیتوں پر عمل ہوا۔ اسی طرح حضرت کرم اللہ وجہہ نے ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو دختر رسول کے جنازے میں شمولیت سے محروم رکھا۔ یوں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ کی وصیت پر عمل کر کے کہا۔ ”ما باقر مجلسی“ نے اپنی کتاب در جلاء العیون، میں اسے ان الفاظ سے

تقریر کیا۔

جللاء العیون:

ابن بابویہ بسند معتبر روایت کردہ است۔ کہ از حضرت صادق علیہ السلام پرسیدند کہ بچہ سبب حضرت امیر المومنین فاطمہ را در شب دفن کرد؟ فرمود برائے آنکه حضرت فاطمہ وصیت کرده بود کہ اُن دو مرد ایرانی کہ ہرگز ایمان بخدا و رسول نیاوردہ بودند یعنی ابو بکر و عمر براو نماز نکنند، (جللاء العیون جلد اول ص ۲۲۲) باب سخنان حضرت

امیر چنگام دفن آنحضرت مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ: ابن بابویہ نے معتبر سند کے ذریعہ روایت کی ہے۔ کہ لوگوں نے جناب صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا سبب تھا کہ حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رات کے وقت دفنایا؟

فرمایا۔ وجہ یہ تھی کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وصیت کی تھی کہ وہ دو آدمی جو اللہ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہرگز ایمان نہیں لائے یعنی ابو بکر و عمر یہ دونوں نماز جنازہ میں شرکت نہ کریں۔

ان الفاظ روایت سے صاف صاف معلوم ہوا کہ یہ وصیت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس لیے فرمائی تھی کہ آپ ان دونوں سے ناراض تھیں۔ اور یہ ناراضگی ختم نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ سادہ آخری سیدہ ناراض تھیں۔ اور ناراضگی میں ہی اک وارفائی سے انتقال کر گئیں۔ تو جن دو اشخاص سے سیدہ ناراض تھیں۔ اور وہ اُن روایت کے مطابق مومن بھی نہ تھے۔ ایسے اشخاص خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بننے کے کیسے مستحق ہو سکتے ہیں؟

جوابِ طعن :- مذکورہ طعن کے دو رکن ہیں :-

رکن اول :

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ناراضگی کی وجہ سے ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو ان کے جنازہ کی اطلاع نہ دی گئی۔ اور سیدہ کی ناراضگی خود ان کی وصیت سے عیاں ہو رہی ہے۔

رکن دوم :

ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما دونوں حضرات سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جنازہ میں شرکت سے محروم رہے۔

رکن اول کا جواب شیخین کہ جنازہ فاطمہ کی اطلاع نہ ہونا دو وجہ سے باطل ہے :-

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے وصال اور پھر جنازہ کی اطلاع نہ دینے کی وجہ سے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس کا علم نہ ہونا دو وجہ سے باطل ہے۔

وجہ اول :- دو جلاء العیون، کی عبارت ملاحظہ ہو۔

جلاء العیون :

چوں حضرت امیر المومنین ایں خبر وحشت اثر را شنید برود در آمد
میفرمود کہ بعد از تو خود را بتسلیم دہم پس شعری چند در مصیبت آنحضرت
ادافرمود کہ زمین و آسمان را بگریہ در آورد۔ چوں ایں خبر در مدینہ منتشر

گر وید۔ مردان و زنان ہمد گریاں شدند و مصیبت آنحضرت و شیون
از خانہما کے مدینہ بلند شد۔ و مردان بسوئے آنحضرت و ویدند زنان
بنی ہاشم در خانہ آنحضرت جمع شدند نزدیک شد کہ از مدائے شیون
ایشان مدینہ طبرہ در آید ایشان می گفتند۔ اسے سیدہ و فاتون زنان
اسے دختر پیغمبر آخر الزمان۔ مرد و فوج بتعزیر بسوئے حضرت امیر المؤمنین
علیہ السلام آمدند آن حضرت نشستہ بود۔ جناب امام حسن و امام حسین
علیہما السلام در پیش آنحضرت نشستہ بودند و می گریستند مرد و از گریہ
ایشان می گریستند۔

(جلال الاعیون جلد اول ص ۲۳۸ کیفیت شہادت و
دفن آنحضرت تحت زندگانی فاطمہ زہرا علیہا السلام)
مطبوعہ تہران طبع جدید

ترجمہ: جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کی
وحشت انگیز خبر سنی۔ تو منہ جھکا کر بیٹھ گئے۔ اور فرمانے لگے۔ کہ اے
فاطمہ! تیرے بعد میں اپنے آپ کو کس سے تسلی دوں گا۔ پھر چند اشعار
سیدہ فاطمہ کی رحلت کی پریشانی میں کہے۔ جن سے زمین و آسمان
گریہ کنال ہو گئے۔

جب یہ خبر مدینہ منورہ میں پھیل گئی۔ تمام مرد و زن روتے ہوئے
اپنے اپنے گھروں سے نکلے۔ اور سیدہ کی رحلت کی وجہ سے مدینہ
کے ہر گھر سے گریہ و فغاں بلند ہوا۔ لوگ حضرت فاتون جنت
کے در دولت کی طرف بھاگے ہوئے آئے۔ بنی ہاشم کی عورتیں
سیدہ کے گھر میں اکٹھی ہوئیں۔ قریب تھا۔ کہ ان کی آہ و فغاں سے

مدینہ کانپ جاۓ۔ وہ کہہ رہی تھیں اے سیدہ! اے خاتونِ زمانِ الہی
دخترِ پیغمبرِ آخرِ الزمان۔

لوگ جوق در جوق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس آئے۔ آپ اس کو
بیٹھے ہوئے تھے۔ اور جناب حسن و حسین رضی اللہ عنہما آپ کے سامنے بیٹھے ہوئے
تھے۔ اور رو رہے تھے۔ ان کے رونے سے تمام حاضرین بھی رو رہے تھے
”اباقر مجلسی“ نے اسی کتاب میں مزید لکھا۔

جلال العیون :-

در بعضی از کتب معتبرہ از ابن عباس روایت کردہ اند۔ کہ چون
حضرت فاطمہ علیہا السلام از دنیا رحلت کردہ اسامہ بنت عیس
گریبان خود را درید۔ بجانب مسجد و دید حضرت امام حسن و حضرت
امام حسین علیہما السلام در راہ اورا دیدند و احوال مادر خود را از او پرسیدند
سیدہ اوساکت شد و جواب نہ گفت چوں بختانہ آمدند مادر خود را
دیدند کہ در میان خانہ خوابیدہ است پس بنزدیک او آمدند و
حضرت امام حسین علیہ السلام اورا حرکت داد چوں دید کہ از دنیا رحلت
کردہ است با امام حسن گفت کہ اے برادر خدا ترا مزد و ہد در
مصیبت مادر ت و از خانہ بیرون دویدہ فریاد برآوردند کہ یا محمد
یا احمد امرو زہ کا در ما از دنیا رحلت کرد مرگ تو برائے ما نازہ
شد پس حضرت امیر المومنین را خبر کردند۔ آن حضرت در مسجد بود
چوں ایس خبر جاں سوز را شنید ہوش گردید۔ آب بزرگے مبارکش
پاشیدند تا ہوش باز آمد۔

(جلد دومین جلد اول حصہ ۲۲۴-۲۲۳ زندگانی

فاطمہ زہرا علیہا السلام فصل ہفتم کا آخر مطبوعہ تہران)

زجر: بعض معتبر کتابوں میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دنیا سے رحلت فرمائی۔

اسا و بنت عیسیٰ نے اپنا گریبان پھاڑ دیا۔ اور مسجد کی طرف دوڑ پڑیں راستے میں حضرت امام حسن حسین رضی اللہ عنہما نے انہیں دیکھا۔ تو اپنی والدہ کی حالت دریافت کی۔ یہ خاموش رہیں۔ اور جواب میں کچھ نہ کہا۔

جب دونوں شہزادے گھر آئے۔ اپنی والدہ کو گھر کے درمیان سویا ہوا پایا۔ نزدیک آئے۔ اور امام حسین رضی اللہ عنہ نے والدہ ماجدہ کو

حرکت دی۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ وہ دنیا سے رخصت ہو چکی ہیں۔ تو اپنے برادر اکبر امام حسن رضی اللہ عنہ کو کہا، بھائی جان، والدہ کی

مصیبت میں اللہ تعالیٰ تمہیں صبر عطا فرمائے۔ گھر سے دوڑتے ہوئے باہر آئے۔ اور زور سے کہا۔ ”یا محمد، یا احمد، آج جب کہ ہماری

والدہ ہمیں داغ غفارت دے گئیں۔ آپ کی رحلت ستارہ ہو گئی۔

اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اس امر کی اطلاع دی۔ اس وقت

حضرت علی رضی اللہ عنہ مسجد میں تھے۔ اس امد و ہناک خبر کو سنتے ہی بے ہوش ہو گئے۔ لوگوں نے آپ کے چہرہ پر پانی ڈالا۔ تب کہیں ہوش آیا۔

مذکورہ روایات سے درج ذیل امور صریحاً ثابت ہوئے

۱۔ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے وصال کے وقت ۳۲ سالہ بنت عیسیٰ، مریضہ تھیں۔ اور اس واقعہ فاجعہ سے اپنا گریبان چاک کر دیا۔ اور دیوانہ وار مسجد کی طرف دوڑیں۔ یاد رہے کہ اس سال بنت عیسیٰ، بوقت رحلت خاتونِ جنت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھیں۔

۲۔ حسین کریمین رضی اللہ عنہما نے جب دیکھا کہ سیدہ رضی اللہ عنہا داغ مفارقت سے گئیں۔ تو ”یا محمد یا احمد“ کے الفاظ سے فریاد کرتے ہوئے مسجد میں دوڑ کر گئے۔ اور اپنے والد گرامی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو سیدہ کے انتقال کی خبر دی۔

۳۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جب سیدہ کی رحلت کی خبر سنی۔ تو بے ہوش ہو گئے۔ اور مسجد میں موجود نمازیوں نے آپ کے چہرہ پر پانی چھڑکا۔ تب کہیں ہوش آیا۔

۴۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے وقت مدینہ کے مرد و زن اس قدر روتے کہ ان کی آہ و نغان سے پورا مدینہ لرز اٹھا۔

۵۔ بنی ہاشم کی عورتیں سیدہ کے گھر جمع ہوئیں۔ اور مدینہ کے مرد و عورت درجوق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس تعزیت کے لیے آئے۔
مقامِ تعجب :-

تاریخین کرام باپنے دونوں روایات کے ثابت شدہ امور ملاحظہ فرمائے۔

اور یہ امور ہم نے ان روایات سے ثابت کئے۔ جو شیعوں کی کتاب ”جلاء العیون“ سے نقل کی گئی تھیں۔

مقام تعجب ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے وقت زوجہ صدیق و اسامہ بنت عیسٰی اگر بیان چاک کرتے ہوئے مسجد کی طرف دوڑیں۔ حسین کریمین یا محمد یا احمدہ کی فریاد کرتے ہوئے دوڑ کر مسجد میں آئیں۔ اور اپنے والد گرامی کو سیدہ کی فوتیگی کی اطلاع دیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ خبر سن کر بے ہوش ہو جائیں۔ اور مسجد میں موجود لوگ منہ پر پانی کا چھڑکاؤ کر کے اشیوں ہوش میں لائیں۔ مدینہ کی عورتیں نالتون جنت کی رحلت کی خبر سن کر ان کے در و درت پر آجائیں۔ مدینہ کے مرد سیدہ کی عزت کیلئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں۔ اور مدینہ میں لوگوں کی آہ و فغان سے قریب تھا کہ سارا شہر ریز جلے۔ ان تمام باتوں کے ہوتے ہوئے حضرت ابو بکر صدیق اور عمر بن خطاب کو سیدہ کے انتقال کا علم نہ ہوا۔ جب کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ غیظ و وقت تھے۔ اور عمر بن خطاب عام و خاص کے مادی و ملجالتھے۔ یہ کیونکر ممکن ہے؟ اور اس پر مزید یہ کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کا جنازہ رات گئے تک نہ اٹھایا گیا ہوا۔ اتنا و محنت گزرنے اور اس قدر شور و غوغا سے صرف دو آدمیوں کو سیدہ کی فوتیگی کا علم نہ ہوا۔ باقی تمام مرد و زن کو اس کی خبر ہو گئی۔ کیا عقل اس منطقی کو درست کہہ سکتی ہے۔؟

”سلیم بن قیس ہلالی“ کا فیصلہ:-

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے غاص شاگرد ”سلیم بن قیس“ نے اپنی کتاب میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جنازہ کی ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو عدم اطلاع کا فیصلہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

شیخین سیدہ فاطمہ رضی کی وفات پر حضرت علی رضی کے گھر تعزیت کیے گئے
ناسخ التواریخ:

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ قُبِضَتْ فَاطِمَةُ مِنْ تَوَدُّهَا فَأُتِجَتْ
الْمَدِينَةُ بِالنَّبَاِ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَدَهَشَ النَّاسُ
يَوْمَ قُبِضَ فِيهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَأَقْبَلَ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ تَعْزِيَانِ عَلَيََّا وَيَقُولُونَ لَهُ
يَا أَبَا الْحَسَنِ لَا تَسْمِقْنَا يَا صَفْوَةَ عَلَى ابْنَتِهِ
رَسُولِ اللَّهِ -

(۱) ناسخ التواریخ جزہ اول از تاریخ خلیفہ ص ۱۸۱ مصنف

مرزا محمد تقی طبع جدید تہران

(۲) کتاب سلیم بن قیس ص ۲۲۶ مطبع حیدریہ نجف

اشرف عراقی

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ جس دن سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا
انتقال ہوا۔ تو مرد و زن کی چیخ و پکار سے پورا مدینہ لرز اٹھا۔ اور لوگوں
میں ایسی سراسیمگی پھیل گئی۔ جیسی سراسیمگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال
کے وقت پھیلی تھی۔ سیدہ کی وفات کا سن کر حضرت ابوبکر صدیق
اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما تعزیت کے لیے حضرت علی المرتضیٰ کے
پاس آئے۔ اور انہیں کہا کہ اسے ابوالحسن! نبوت رسول صلی اللہ
علیہ وسلم کی ناز جنازہ پڑھنے کے وقت، ہمیں پیچھے نہ چھوڑنا۔
”سلیم بن قیس“ نے توفیق صلاہی کو دیا۔ کہ جو لوگ صدیق اکبر اور فاروق اعظم
کے بارے میں یہ کہتے ہیں۔ کہ ان دونوں کو سیدہ کے وصال کی خبر تک نہ ہوئی۔

اور حضرت سیدہ کی ناز جنازہ میں شمولیت سے محروم رہے۔ غلط کہتے ہیں۔
 کیونکہ فاتونہ جنت کے انتقال کی خبر انہیں نہ ملتی۔ تو برائے تعزیرت حضرت علی
 المرتضیٰ کے پاس کیوں آتے؟ اور پھر ان سے کہا کہ "وہ بنت رسول" کا جنازہ
 پڑھنے میں ہم سے سبقت نہ کرنا۔ کس کا جنازہ؟ کس کی فوتیدگی؟ جس کا انہیں علم
 ہی نہیں۔

خدا اب بھی باز آ جاؤ۔ اور ہٹ دھرمی سے ایمان کا تینا ناس نہ کرو۔

وجہ دوم:-

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے وصال کی اطلاع نہ
 دینے جانے کی بنا پر انہیں "وہ وصال سیدہ" کا علم نہ ہونا اس وجہ سے بھی باطل
 ہے۔ کہ انہیں لمحہ بہ لمحہ سب حالات کا علم تھا۔ جس کی بنا پر اطلاع دینے کی
 ضرورت ہی نہ تھی۔ کیونکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ اسما بنت عمیس،
 رضی اللہ عنہا ہی وہ خدمت گار تھیں۔ جو ہر وقت سیدہ کی تیاری داری کرتی تھیں۔
 یہاں تک کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی تجہیز و تکفین میں بھی شریک رہیں۔
 اور "منسل" کے فرائض بھی انہیں نے سرانجام دیے۔ اور ان کے جنازہ کے
 پردہ کا گہوارا بھی اسی غرض بخت سعادت نے بنایا۔

کشف الغمہ:-

عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ عَمَيْسٍ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ رَسُولِ اللَّهِ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ لَا أَسْمَاءَ إِذْ قَدْ
 اسْتَقْبَحَتْ مَا يُصْنَعُ بِالنِّسَاءِ أَنَّهُ يُطْرَحُ عَلَى

الْمَرْأَةُ الشَّوْبُ فَيَصِفُهَا لِمَنْ رَأَى فَقَالَتْ أَسْمَاءُ يَا
 مَيِّتَ رَسُولِ اللَّهِ أَنَا أُمِيرُكَ شَيْئًا رَأَيْتُكَ يَا رَجُلَ
 الْحَبَشَةِ قَالَ فَدَعَتْ بِجَرِيدَةٍ رَطْبَةٍ فَخَشَتْهَا
 ثُمَّ طَرَحَتْ عَلَيْهَا شَوْبًا فَقَالَتْ مَا طِمَّةٌ عَلَيْهَا
 السَّلَامُ مَا أَحْسَنَ هَذَا وَ أَجْمَلَهُ لَا تُعْرِفُ
 بِهِ الْمَرْءَ مِنَ الرَّجُلِ قَالَ قَالَتْ مَا طِمَّةٌ
 فَإِذَا مَيِّتٌ فَغَسَلْتَنِي آئِينَ وَلَا يَدْخُلُنَّ عَلَيَّ
 أَحَدٌ - (کشف الغم فی معرفۃ الامم مطبوعہ تبریز ص ۵۳-۵۴)

جلد اول باب فی وفات فاطمہ

ترجمہ اسماء بنت عیسٰی کہتی ہیں کہ سیدہ فاطمہ بنت رسول اللہ نے مجھے کہا کہ میں عورتوں کی
 میت پر ڈالے جانے والے کپڑے اچھا نہیں سمجھتی عورت کی میت پر کپڑا اس طرح
 ڈالا جاتا ہے کہ دیکھنے والا پہچان جاتا ہے۔ اسماء بنت عیسٰی نے کہا۔ اے بنت رسول
 میں آپ کو ایک ترکیب بتاتی ہوں جو میں نے ”حبشہ“ میں دیکھی ہے۔ یہ کہہ کر
 ”اسماء“ نے کھجور کی گیلی ٹہنیاں منگوائیں۔ انہیں جھکا کر آپس میں ان
 کے سرے ملا دیئے۔ پھر ان پر کپڑا ڈالا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے یہ
 دیکھ کر فرمایا۔ کیا خوب ہے۔ اور کس قدر اچھی ہے۔ اس طرح کرنے
 سے عورت اور مرد کے جنازے کی پہچان نہیں ہو سکتی پھر حضرت
 فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا جب میرا انتقال ہو۔ تو اسے اسماء!
 مجھے تم ہی غسل دینا۔ کسی دوسرے کو ہرگز نہ دینا۔

ام غمورہ:-

”اسماء بنت عیسٰی، رضی اللہ عنہا جن سے یہ روایت مذکور ہوئی۔“

پاک باز و خوش قسمت خاتون ہیں۔ جن کا عقد ابتدا میں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ جب آپ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں آئیں۔ تیمارداری کا واقعہ اس دور کا ہے۔ جب یہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ صدیق اکبر کے وصال کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عقد میں آئیں۔

اس پاک باز عورت کے حوالے سے بہت سی باتیں وضاحت سے سامنے آجاتی ہیں۔ جن میں شیعہ حضرات نے بہت دھوکہ کھایا۔ اور لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی۔

۱۔ اگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ہمدوم آخریں ناراض رہیں۔ اور ان سے کلام تک کرنا گوارا نہ فرمایا۔ تو کیا ان کی ہمدومت تیمارداری کے لیے اسی عورت کو منتخب کیا گیا۔ جو معاذ اللہ ان کے دشمن اور غاصب فداک کی زوجہ تھیں۔

۲۔ اس کے برعکس اگر سیدہ نام صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو سپرد سے کوئی رنجش تھی۔ اور انہیں دیکھنا گوارا نہ کرتے تھے۔ تو اسی صورت میں اپنی زوجہ کو ان کی تیمارداری کرنے کی اجازت دینا کس طرح درست سمجھتے تھے؟

۳۔ اگر یہ نیک بخت بیوی جانتی۔ کہ میرے خاوند (ابو بکر صدیق) اور بہت رسول کے درمیان قطع کلامی ہے۔ اور ایک دوسرے سے ناراض ہیں۔ تو خاوند کی دشمن کی تیمارداری کیوں کر کرتیں؟

۴۔ اگر صدیق اکبر معاذ خلافت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق خلافت کے غاصب تھے۔ تو اس غاصب کے مرنے کے بعد ان کی زوجہ سے شادی کیوں کی؟

ہذا معلوم ہوا۔ کہ زوجہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضرت "اسماء بنت مہدی" کی
ایام علات میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی متواتر دیکھ بھال اور تیمارداری کرتا ہے
خاوند کی اجازت اور مرضی سے تھا۔ اگر اس میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اجازت
اور رضامندی نہ ہوتی۔ تو کوئی مسلمان عورت ایسی صورت میں کبھی بھی گھر سے
باہر قدم نہیں رکھ سکتی۔ جب ثابت ہوا۔ کہ یہ سب کچھ باہمی رضامندی سے تھا
تو اس کا لازمی نتیجہ ہے۔ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی زوجہ کے ذریعے سے
سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی علات کا لمحہ بہ لمحہ علم رکھتے ہوں گے۔ اور وفات سیدہ
کا بھی یقینی طور پر پتہ چل گیا ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض معتبر روایات سے ثابت ہے
کہ حضرت خاتونِ جنت کی نماز جنازہ بھی غلیفہ رسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
نے پڑھائی۔ جیسا کہ منقریب اس کی تفصیل آ رہی ہے۔

امرتانی کا جواب :-

تاریخ کلام کی یاد دہانی کے لیے اس امر کے ضمن میں ہم ایک اصولی بات عرض
کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ یہ کہ حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ میں
کسی شخص کا بالتخصیص شریک ہونا نہ فرض تھا نہ واجب۔ بلکہ ایک میت کے لیے
کسی مخصوص آدمی کی شرکت کوئی ضروری نہیں۔ کہ جس کی ماضی کے بغیر وہ گناہگار
ٹھہرتا ہو۔ اگر بالفرض شیعوں کو یہ سمجھتے ہوں کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کے جنازے میں
ہر فرد کی شرکت فرض تھی۔ اور جو شخص نماز جنازہ میں شریک نہیں ہوا۔ اس کی یہ غلطی
ایسی ہو۔ کہ اس کی بنا پر اس پر زبانِ طعن دراز کرنی جائز ہو جائے۔ تو پھر ان سے
پوچھا جاسکتا ہے۔ کہ تمہاری روایات کے مطابق صرف سات آدمی سیدہ کی
نماز جنازہ میں شریک تھے۔ تو ان سات کے علاوہ دیگر صحابہ کرام کے بارے

یہ تم لوگوں کا کیا رول ہوگا۔

چنانچہ شیخہ حضرت کی معتبر کتاب ”جلال العیون“ کی عبارت ملاحظہ ہو۔

سیدہ فاطمہ کا جنازہ صرف رات آدمیوں نے پڑھا

جلال العیون :-

از حضرت امیر المؤمنین صلوٰۃ اللہ علیہ روایت کردہ است کہ ہفت کس
بر جنازہ حضرت فاطمہ نماز کروند۔ ابوذر سلمان، حذیفہ، عبداللہ بن
مسعود، مقداد و ابن امام ایشان بودم۔

(جلال العیون جلد اول ص ۲۲۳ مطبوعہ تہران)

سند کردہ دفن آنحضرت)

ترجمہ : حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نماز
جنازہ میں صرف رات آدمی شریک تھے۔ ابوذر، سلمان، حذیفہ،
عبداللہ بن مسعود، مقداد اور میں ان کا امام بنا۔ اور نماز پڑھائی۔

جلال العیون :-

”جب رات ہوئی۔ جناب امیر نے عباس اور فضل ابن عباس و
سلمان و مقداد و ابوذر و ہمار کو بلایا۔ اور جناب فاطمہ پر نماز پڑھی۔
اور دفن کر دیا“

(جلال العیون جلد اول مترجم ص ۲۷۸)

”جلال العیون“ کی دونوں روایتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سیدہ
کی نماز جنازہ میں رات آدمی شریک ہوئے۔ جن کے اسماء گرامی بھی دیئے

گئے ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے علاوہ کئی جلیل القدر صحابہ اس وقت موجود تھے لیکن انہوں نے شرکت نہ فرمائی۔ مثلاً امام حسن، حسین، عبداللہ بن عباس، عقیل بن ابی طالب، جعفر بن ابی طالب، سعد بن عبادہ، ابویوب الانصاری، ابوسعید خدری، اہل بن حنیف، بلال، صہیب، رافع، عازب، ابورافع رضوان علیہم اجمعین۔ ان بارہ حضرات کو خوشیعہ بھی قابل احترام شخصیات مانتے ہیں۔ ان کی جلالت قدر کے قائل ہیں۔

تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر صدیق اکبر بالغرض حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جنازہ میں شریک نہ ہوئے۔ اور یہ بھی فرض کر لیجئے کہ ان کی عدم شرکت بوجہ ناقص تھی۔ تو ان بارہ حضرات کے بارے میں شیعہ حضرات کیا کہیں گے۔ کیونکہ سیدہ کی ناز جنازہ میں یہ بھی شریک نہیں ہوئے۔ کیا سیدہ ان سے بھی ناراض تھیں؟ ان کے بارے میں بھی سیدہ نے وصیت کر دی تھی۔ کہ میرے جنازے میں یہ شریک نہ ہوں۔ جن میں ان کے حقیقی بیٹے امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما بھی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ سیدہ کی ناز جنازہ میں شرکت یا عدم شرکت کو فضائل یا ناراضگی کی بنیاد بنانا غلط ہے۔ کیونکہ اس طرح کہنا پڑے گا کہ ان بارہ افراد سے بھی سیدہ ناراض تھیں۔ یعنی امام حسن حسین اور عبداللہ بن عباس سے بھی ناراض تھیں۔ اگر ان کی عدم شرکت ناراضگی کی بنا پر نہ تھی۔ تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی عدم شرکت بھی اسی قاعدے کے تحت آنی چاہیے۔ اس لیے اس کو ناراضگی کے اسباب میں ذکر کرنا لغو و باطل ہے۔

امامت صلوٰۃ کے لیے اسلامی قانون

شریعت میں پنجگانہ نماز اور نماز جنازہ کے لیے قانون یہ ہے۔ کہ ان کی امامت کا اولیٰں حقدار امام وقت یا خلیفہ وقت ہوتا ہے۔ اگر وہ موجود نہ ہو۔ تو اس کی طرف سے مقرر کردہ شخص اس منصب کا حق دار ہے۔ اس قانون کے لیے شیعہ حضرات کی کتب سے ان کی تسلی کے لیے حوالہ جات پیش کرتے ہیں۔
 ملاحظہ فرمائیں۔

حوالہ نمبر (۱)۔

فروع کافی:-

عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ قَالَ سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ
 عَنِ الْقَوْمِ مِنْ أَصْحَابِنَا يَجْتَمِعُونَ فَتَحْضُرُ
 الصَّلَاةَ فَيَقُولُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ تَقَدَّمَ يَا فُلَانٌ
 فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
 يَتَقَدَّمُ الْقَوْمَ أَهْلُهُمْ لِيُقَدَّمَ إِنْ كَانُوا فِي
 الْفِرَاقَةِ سَوَاءً فَاقْدُمُوهُمْ مَجْدَةً فَإِنْ كَانُوا فِي
 الْمَجْرَةِ سَوَاءً فَأكْبِرُوهُمْ سِيًّا۔

(فروع کافی جلد ۳ ص ۳۷۷ کتاب الصلوٰۃ)

طبع جدید تہران

ترجمہ:

ابو بیدہ سے روایت ہے۔ کہ میں نے امام باقر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا۔ کہ آپ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ ہماری قوم کے کچھ افراد جمع تھے۔ نماز کا وقت آگیا۔ ایک دوسرے کو کہنے لگا۔ تم آگے بڑھو۔ اور ہمیں نماز پڑھاؤ۔ (یعنی آپ فرمائیں۔ اس بارے میں شریعت کا حکم کیا ہے۔ کہ لوگوں میں سے امامت کس کو کرنی چاہیئے) تو امام موصوف نے فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ لوگوں میں امامت کے لیے آگے وہ آئے جو ان میں قرآن کا زیادہ پڑھنے والا ہو۔ اگر سبھی قرآن پڑھنے میں برابر ہوں۔ تو ان میں سے وہ جو ہجرت میں مقدم ہے۔ آگے بڑھے۔ اگر ہجرت میں سب برابر ہوں۔ تو عمر میں بڑا شخص امامت کا زیادہ مستحق ہے۔

حوالہ نمبر (۲)

امالیٰ شیخ صدوق :-

وَأُولَى النَّاسِ بِالتَّقَدُّمِ فِي جَمَاعَةٍ أَقْرَأُهُمْ
لِلْقُرْآنِ فَإِنْ كَانُوا فِي الْقُرْآنِ مِثْلًا فَأَقْدَمُهُمْ
هِيَ جَرَّةٌ فَإِنْ كَانُوا فِي الْهَيْجَرَةِ سَوَاءً
فَأَسَنَّهُمْ

(امالیٰ شیخ صدوق ص ۳۸۲ المجلس الثالث التسعون)

عبارت مذکورہ بالا کا ترجمہ وہی ہے جو ابھی گزرا۔

حوالہ نمبر ۳ :

شرح لمعہ :

فَارْتَسَاوَا فِي الْقِتَالِ وَالْفِرَاقِ فَلَا قَدَمُ هَجْرَةٍ مِنْ
دَارِ الْحَرْبِ إِلَى دَارِ السَّلَامِ فَلَنْ تَسَاوَا فِي
ذَلِكَ قَالَسَنْ مُطْلَقًا وَالْإِمَامُ الرَّائِبُ فِي
مَسْجِدٍ مَخْصُوصٍ أَوْ لِي مِنَ الْجَمِيعِ لَوْ اجْتَمَعُوا
وَكَذَا صَاحِبُ الْمَنْزِلِ أَوْ لِي مِنْهُمْ دَرَجَاتُ الزَّانِبِ وَ
صَاحِبُ الْإِمَارَةِ فِي إِمَارَتِهِ أَوْ لِي مِنْ جَمِيعِ مَا ذَكَرَ
(شرح لمعہ جلد اول صفحہ ۱۰۱ کتاب الصلوٰۃ فصل الحادی عشر
فی الجماعۃ طبع تبریز طبع ہدید۔)

ترجمہ : اگر حاضرین فقہ اور قرأت میں برابر ہوں تو پھر ان میں امامت کا مستحق وہ شخص ہو
گجو دار الحرب سے دار السلام کی طرف ہجرت کرنے میں مقدم ہو۔ اگر اس
وصف (ہجرت) میں سب برابر ہوں تو مطلقاً عمر رسیدہ آدمی
اور کسی مخصوص مسجد کا مقرر کردہ امام ان تمام سے زیادہ حق دار ہے اور گھر
کا مالک ان تمام اور مخصوص مسجد کے امام سے بہتر ہے اور خلیفہ وقت اپنی
حکومت میں ان تمام سے بہتر ہے۔

حوالہ نمبر ۴ :

فروع کافی :

عَلَى بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى عَنْ
طَلْحَةَ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ

قَالَ إِذَا حَضَرَ الْإِمَامُ الْجَنَازَةَ فَهُوَ أَحَقُّ النَّاسِ
بِالصَّلَاةِ عَلَيْهَا۔

(فروع کافی کتاب الجنائز باب من اولى الناس
بالصلاة على الميت جلد ۳ صفحہ ۷۷، المطبوعہ تہران -
طبع جدید)

ترجمہ: حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ جب جنازہ پر امام موجود ہو تو وہ
بقیہ تمام لوگوں سے اس کی نماز پڑھانے کے لیے بہتر ہے۔

مندرجہ بالا روایات کے چند امور بالضراحت ثابت ہوئے :

- ۱۔ جماعت کے وقت اگر حاضرین میں کوئی زیادہ قرأت قرآن والا ہے تو وہ ان میں سے
زیادہ عقیدہ ہے۔
- ۲۔ اگر قرأت قرآن میں سب مساوی ہوں تو مقدم فی الہجرت اولی ہے۔
- ۳۔ اگر تمام کے تمام حیرت میں برابر ہوں تو عمر رسیدہ بہتر ہے۔
- ۴۔ اگر سب ہی ان اوصاف (قرأت، تقدم فی الہجرت، عمر) میں مساوی ہوں تو اگر
اس مسجد کا مخصوص امام ہو۔ وہ زیادہ حق دار ہے۔
- ۵۔ مذکورہ تمام افراد کی موجودگی میں اگر غیبت وقت اور امام وقت ہو تو وہ سب اولی ہے
- ۶۔ نماز پنجگانہ ہو یا نماز جنازہ ان کی امامت کے استحقاق کی یہی ترتیب ہے۔
ان میں کوئی فرق نہیں۔

خلاصہ کلام :

امیر المؤمنین اور خلفہ وقت اگر کسی جماعت کے افراد میں موجود ہو تو امام جعفر

کے زمان کے مطابق وہی مسئلہ امامت پر کھڑا ہونے کا سب سے زیادہ مستحق ہے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی یہی ارشاد فرمایا :

قَالَ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْوَلَايَ الْحَقُّ بِالصَّلَوةِ عَلَى الْجَنَازَةِ
مِنْ قَوْلَيْهَا -

اقرب الاسانید مع الاشعریات صفحہ ۲۱۰ جلد دوم باب من اتم بالصلوۃ
علی المیت منہ لم یزل علیہ السلام (مع جدید)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر کسی کی نماز جنازہ میں میت کا ولی اور امیر المؤمنین
غیبت وقت و وزن موجود ہوں تو ان میں سے خلیفہ وقت نماز جنازہ پڑھانے کی
اولیت رکھتا ہے یعنی امیر المؤمنین کافی زیادہ ہے۔

اسلامی قانون کے مطابق سید فاطمہ کے جنازہ کی امامت سب سے زیادہ مختار
نیز ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔

سب ہم شیعہ حضرات کی کتب سے چند درجات پیش کر چکے ہیں جن میں امامت
کے لیے بہتر اشخاص کی ترتیب کا ذکر ہے تو اسی ترتیب کو ذہن میں رکھتے ہوئے ہم یہ
فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ کے بارے میں سوچ کر فیصلہ کرتے ہیں کہ سیدہ کی نماز جنازہ
کی امامت کا زیادہ حق دار کون تھا ؟

اہل بیت کے مذکورہ اصول کے مطابق اس منصب کے لیے سب سے اولیٰ شخصیت
صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی ہے۔ کیوں کہ سب موجودین میں مقدم فی البجرت آپ
ہی تھے اور آپ کی ہجرت وہ عظیم الشان مرتبت والی ہے کہ میں کو
محضی طور پر منصوص من اللہ ہونے کی سعادت حاصل ہے۔ پھر آپ کی ہجرت اہم الانبیاء
کی ہجرت میں عمل میں آئی۔

یہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ میں شریک حاضرین میں سے عمر کے اعتبار سے آپ سب سے زیادہ عمر والے تھے۔

یہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مدرس واقعہ مسجد "مسجد نبوی" کے امام بھی مقرر ہوئے تھے۔

اور سب سے افضل وصفت کہ آپ وقت کے خلیفہ اور مومنین کے امیر بھی تھے۔ کی موجودگی میں "ولی میت" بھی اولویت سے محروم ہو جاتا ہے۔

حضرت ناظرین: آپ نور فرمائیں جب یہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا اس دن وقت کا خلیفہ وہیں موجود تھا جس کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ آپ (صدیق اکبر) نے فتیدگی پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تعزیت کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اکبر رضی اللہ عنہ نماز جنازہ میں موجود ہوں گے تو پھر ایسی جامع صفات اولویت کے ساتھ ہونے کے دوسرے کون اس بات کا حق رکھتا ہے کہ مصلی امامت پر کھڑا ہو کر نماز پڑھتا کیوں کہ شیعہ کتب کے حوالہ بات سے آپ سے بڑھ کر کون زیادہ مستحق ہو سکتا تھا اسی لیے مستند احادیث میں موجود ہے کہ یہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ کی امامت حضرت خلیفہ المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمائی۔

جنازہ فاطمہ میں امامت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

طبقاً ابن سعد: أَخْبَرَنَا شَيْبَانُ بْنُ سَوَادٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ أَبِي الْمَسَاوِدِ عَنْ حَمَادِ بْنِ أِبْرَاهِيمَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ عَلَى فَاطِمَةَ بِمَنْتِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَتَبَ عَلَيْهَا أَرْبَعًا -

۱۔ (البلقات ابن سعد ج ۲ صفحہ ۲۹ ذکر نبات رسول)

۲۔ (کنز العمال ج ۱۵ جلد ۱۵ حرف المیم کتاب المراثی)

تو میرے چچا بن ابراہیم سے روایت ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت
فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ کی امامت کرائی اور آپ نے چار تکبیریں کیں

کنز العمال :

عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ مَاتَتْ فَاطِمَةُ
بِنْتُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ
أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ لِيُصَلُّوا، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ لِعَلِيِّ بْنِ
أَبِي طَالِبٍ تَقَدَّمْ فَقَالَ مَا كُنْتُ لِأَتَقَدَّمَ وَأَنْتَ
خَلِيفَةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَقَدَّمَ
أَبُو بَكْرٍ وَصَلَّى عَلَيْهَا.

(کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۶۶)

تو میرے چچا بن محمد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب فاطمہ بنت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو ابو بکر و عمر دونوں نماز جنازہ پڑھنے
کے لیے آئے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا
آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تشریف لے چلیے تو حضرت علی نے کہا آپ رسول
اللہ کے خلیفہ ہیں آپ کی موجودگی میں میں کیسے آگے بڑھ سکتا ہوں تو پھر
ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور سیدہ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیان کردہ قانون کے مطابق حضرت صدیق
اکبر کو امامت کے لیے آگے بڑھنے کو کہا کیوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جناب صدیق
کو خلیفہ بنا رہے تھے اور کہتے تھے تو صدیق اکبر نے آگے بڑھ کر نماز جنازہ
پڑھائی۔

امام حسین نے سنت سمجھتے ہوئے امام حسن اور سیدہ اُمّ کلثوم کا جنازہ مکہ سے پڑھوایا۔

اسی قارئین کی تائید امام حسین رضی اللہ عنہ کے قول و فعل سے بھی ثابت ہوئی ہے۔ جب امام حسن رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو باوجود اس کے کہ آپؑ دلی میت تھے دیگر اوصاف کے مالک بھی تھے لیکن مصلی امامت پر سعید بن العاصؓ والی ہوا کیا اور فرمایا:

اگر نماز میں حاکم وقت کی امامت کا دستور نہ ہوتا تو میں تمہیں ہرگز امامت نہ کرنے دیتا۔

حوالہ جات ملاحظہ ہوں،

کشف الغمۃ:

قَدْ قَسَدَمَ أَنَّ سَعِيدَ بْنِ الْعَاصِ صَلَّى عَلَى الْحَسَنِ
لَإِنَّهُ كَانَ وَلِيًّا يَوْمَئِذٍ عَلَى الْمَدِينَةِ۔

دکشف الغمہ جلد اول صفحہ ۵۸۶ طبع تبریزی تذکرۃ شہادت

حسن رضی اللہ عنہ

ترجمہ: پہلے بیان ہو چکا ہے کہ سعید بن العاصؓ نے امام حسنؑ کی نماز جنازہ پڑھا لیکن کہہ یہ ان دنوں مدینہ کے گورنر تھے۔

مقاتل السابیین:

حدثني سعد بن الحسين الاشثاني قال حدثنا عبد

ابن الوضاح قال حدثني بن يمان عن الشوري عن

سالم بن ابي حفصه عن ابي حازم ان الحسن بن الحسين

عَلَيْ قَدَمِ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ لِلصَّلَاةِ عَلَى الْحَسَنِ بْنِ
عَلِيٍّ وَ قَالَ تَقَدَّمَ فَلَوْلَا أَنَّهَا سُنَّةٌ مَا قَدَّمْتُكَ
(مقاتل الطالبین مصنفہ ابو فرج اصفہانی شیعہ صفحہ ۷۷،)

طبع بیروت ذکر حسین بن علی

ترجمہ: بے شک امام حسین بن علی رضی اللہ عنہ نے امام حسن کی نماز جنازہ پڑھانے
کے لیے سعید بن العاص کو آگے کیا اور کہا آگے بڑھ کر نماز پڑھائیں اور فرمایا
اگر اسی طرح دستور نہ ہوتا تو میں تمہیں آگے نہ کرتا۔

ابن حبیہ شرح نہج البلاغۃ :

قَالَ أَبُو الْفَرَجِ وَ قَالَ جَوَيْرِيَّةُ بْنُ سَمَاءٍ لَمَّا مَاتَ الْحَسَنُ
وَ أَخْرَجُوا جَنَازَتَهُ جَاءَ مَرْوَانَ حَتَّى دَخَلَ تَحْتَ قَحْلٍ
سِيرِيرَةٍ فَقَالَ لَهُ الْحُسَيْنُ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَتَحْمِلُ الْيَوْمَ
سِيرِيرَةً يَا لَأَمْسٍ كُنْتُ تُجَرِّعُهُ الْغَيْظُ قَالَ مَرْوَانُ كُنْتُ
أَفْعَلُ ذَلِكَ يَمَنْ يُوَارِثُ حِلْمَهُ الْجَبَالُ قَالَ وَقَدَّمَ
الْحُسَيْنُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِلصَّلَاةِ عَلَيْهِ سَعِيدُ بْنُ
الْعَاصِ وَ هُوَ يَوْمَئِذٍ أَمِيرُ الْمَدِينَةِ وَ قَالَ تَقَدَّمَ
فَلَوْلَا سُنَّةٌ لَمَا قَدَّمْتُكَ .

(ابن حبیہ شرح نہج البلاغہ جلد ۳ صفحہ ۸۷) فی نفس مارثی الحسن

وشرح النافذ الفضل

ترجمہ: جب امام حسن کا انتقال ہوا اور ان کا جنازہ اٹایا گیا تو مروان نے اُن کو
گندھا دیا یہ دیکھ کر امام حسین علیہ السلام نے مروان کو کہا آج کدھام سے بے
ہوا اور گل حسیں باقی کی طرح غصہ پلا دے تھے مروان نے کہا میں

یہ معاملہ اس شخص کے ساتھ کرتا تھا جو بربوری میں پہاڑ کی مانند تھا۔ امام حسین نے نماز جنازہ کے لیے سعید بن العاص کو زمرہ بنہ کو آگے کیا اور کئی نماز پڑھوا اگر یہ سنت نہ ہوتی تو میں نہیں آگے نہ کرتا۔

کتاب الجعفریات :

عن جعفر بن محمد عن ابیہ لَمَّا تَوَقَّعَتْ أُمُّ كَلْثُومٍ
بِذَاتِ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِ السَّلَامُ خَرَجَ مَرَّةً
ابْنُ الْحَكَمِ وَهُوَ أَمِيرُ يَوْمَئِذٍ عَلَى الْمَدِينَةِ
فَقَالَ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَوَلَا السُّنَّةُ
مَا تَرَكْتَهُ يُصَلِّي عَلَيْهَا -

کتاب الجعفریات صفحہ ۲۱۰ باب من اتق بالصلوة علی المیت

قرب الاسناد جلد دوم صفحہ ۱۱۱ باب من اتق بالصلوة علی المیت

ترجمہ : امام باقر فرماتے ہیں جب ام کلثوم بنت علی المرتضیٰ کا انتقال ہوا تو اس وقت مدینہ کا حاکم مروان بن حکم "نماز جنازہ کے لیے (امامت کے لیے) نکلا تو امام حسین بن علی نے کہا۔ اگر طریقہ شریعی نہ ہوتا تو میں تمہیں اس کی نماز جنازہ نہ پڑھانے دیتا۔

منتہی الآمال :

درمعدۃ المطالب است کہ عبداللہ بن جعفر در شہر مدینہ وفات کرد ابان بن عثمان بن عفان بروئے نماز گزاشت و در بقیع مدفون شد و قریب است کہ در ابرار وفات کرد و سیاح بن عبدالملک

مردان برادر نماز گزاشت و در آنجا دفن شد۔

(فتی الامام مصنفہ شیخ عباس قمی جلد اول صفحہ ۲۴۹ ذکر

عبداللہ بن جعفر طیار)

ترجمہ: مدۃ الطالب میں ہے کہ سنہ ۹۳ھ میں جب عبداللہ بن جعفر کا مدیر منورہ میں انتقال ہوا تو ابان بن عثمان بن عفان نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور نسیع میں دفن ہوئے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ سنہ ۹۳ھ میں مقام ابوا میں انتقال فرمایا اور سلیمان بن عبدالملک مروان نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور وہیں دفن ہو گئے۔

تنبیہ :

کتاب شیعہ کے مذکورہ حوالہ جات نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ طعنات ابن سعد اور کامل ابن اشیر کی روایات معتبر اور صحیح ہیں اور یہ بھی ثابت کر دیا کہ ائمہ اہل بیتؑ وہی دستور رہا کہ اپنے افراد کی نماز جنازہ اس سے پڑھوانے جو وقت کا حاکم ہوتا اور یہ اس لیے کرتے تھے کہ سنت یہی طریقہ تھا کیوں کہ حضرت علی المرتضیٰ کا قول و فعل یہی تھا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ تو پڑھی نہیں گئی نہ اس کی ضرورت تھی آپ کے بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ کے لیے حضرت ابو بکر صدیق کو آگے کیا تو انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی۔ یہی وہ سنت ہے جس کا اعلان امام حسین نے سعید بن العاص کے اماں بنانے پر کیا اور یہی وہ سنت ہے جس پر ام کلثوم کے جنازہ کی نماز کے وقت عمل کیا گیا۔

اسی سنت کے بارے میں امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر سنت نہ ہوتی تو تم میں سعید بن العاص و مروان بن حکم کو نماز جنازہ پڑھانے کی اجازت نہ دیتا۔

باب

کُتبِ شیعہ سے سیدنا صدیق اکبر کی اہلبیت سے
مُحبت و عقیدت کے حوالہ جات

حوالہ نمبر ۱ :

حقِ بیعتیں : صدیق اکبرؑ کی سیدہ فاطمہؑ سے بے پناہ عقیدت

ابو بکر گفت ای حبیبِ رسول خدا من صلہ قرابت رسول را دوست ترمیدم
از صلہ قرابت خود من آرزو میکنم که کا شکی روزی به پدر تو مرد من میبرد
بعد از وفات او منی مانندم آیا گمان داری که من ترا شناسم و حق ترا دانم و
میراث ترا از حضرت رسول (ص) بتوانم من شنیدم از رسول خدا (ص)
که گروه انبیاء میراث ندارند ما آنچه از ما میماند صدقه است. فاطمہ گفت
اگر من حدیثی از رسول خدا نقل کنم آیا اقرار بآن میکنید گفتند بی فرمود که قسم
میدهم شمار آنچه از شنیدید از آنحضرت که گفت رضا کے فاطمہ از رضا
من است و سخط فاطمہ از سخط من است و سر کہ فاطمہ دختر من را دوست
دارد پس تحقیق کہ مرا دوست داشته است و سر کہ راضی کند فاطمہ را تحقیق
کہ مرا راضی گردانید و سر کہ جنتم آورد فاطمہ را تحقیق کہ مرا بختم آورد و
گفتند بی شنیدیم این را از رسول خدا فاطمہ گفت پس من خدا را
و خدا کے را گواہ میکنم کہ شمار جنتم آورد و مرا خوشنود گردانید و اگر رسول

خدا اعلیٰ ذات کس شکر کا شکر شمار خواہم کرو۔ باوجودیکہ گفت پناہ می برم بخدا
 سلطان او و از سخط تو اسے فالہم پس ابو بکر آنقدر گریست بر خود کہ نزدیک
 بود بکشد شود فالہم گفت سجدہ اگر نمایی خواہم کرد ترا در ہر نماز سے ابو بکر گفت
 من دعا خواہم کرو از برائے تو در ہر نمازی پس گریاں بیرون آمد ابو بکر با مردم
 گفت شما ہر یک می روید با جلدہ خود خوشحال می خوابید و مرا باین حال بگذاشت
 مرا احتیاج ہے نیست بیعت شما اقلہ کنید بیعت مرا گفتندے خلیفہ رسول اللہ
 ایں امر مستقیم نمی شود بدین تو اگر اقلہ کنی دین خدا بر پائی شود ابو بکر گفت اگر نہ
 ترس ایں بود و آنکہ میرسم عروہ اسلام است شود ہر آئینہ یکشب با بیعت
 شما نمی خواہیم بعد از آنچہ شنیدم و دیدم از فالہم
 (حق یقین صفحہ ۱۱۴ - ۱۱۵ باب پنجم در معنی خلافت نامہیں)

ترجمہ:

ابو بکر صدیق نے کہا اسے رسول خدا کی لاڈلی! میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت
 سے صدر رچی کو اپنی قرابت کی صلہ رچی سے زیادہ محبوب رکھتا ہوں ہاں سے
 افسوس! جس دن تمہارے والد رخصت ہوئے میں مر جاتا ان کے وصال کے
 بعد میں نہ رہتا۔ کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ میں تمہیں پہچانتا ہوں اور تمہارا حق بھی بدانتا
 ہوں اس کے باوجود تمہیں میرا بیٹا رسول نہیں دے گا دایا نہیں ہو سکتا،
 میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ ہم گروہ انبیاء کی مہر است میں ہوتی
 بہذا سب کچھ سداۃ ہوتا ہے۔ فالہم نے کہا اگر میں ایک حدیث رسول بیان
 کروں تو کیا اسے مان لوگے۔ کہا کیوں نہیں۔ فرمایا میں تمہیں قسم دلا کر پوچھتی ہوں
 کیا تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہیں سنا کہ فاطمہ کی خوشی میری خوشی سے
 ہے اس کی ناراضگی میری ناراضگی سے ہے میں نے میری بیٹی فاطمہ کو محبوب رکھا

تحتیں اس نے مجھے محبوب رکھا۔ جس نے فاطمہ کو راضی کیا یعنی اس نے مجھے راضی کیا۔ جس نے فاطمہ کو غصہ دلایا اس نے مجھے غصہ دلایا۔ ابو بکر صدیق نے کہا ہاں ضرور ہوتا ہے۔ بعد نے کہ میں اللہ اور اس کے فرشتوں کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ تم نے مجھے غصہ دلایا اور مجھے راضی نہیں رکھا۔ اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت ہوئی تو تمہاری شکایت کروں گی۔ ابو بکر نے انہیں کہا تمہاری اسے لنگی سے اللہ کی اور تمہاری پناہ چاہتا ہوں۔ یہ کہہ کر صدیق اکبر انہیں روک کر قریب تنہا ہلاک ہو جاتے۔ فاطمہ نے کہا اللہ کی قسم! میں ہر دم میں تم پر نفرت کے کلمات کہتی ہوں۔ ابو بکر نے کہ میں ہر نماز میں تمہارے لیے دعا کرتا ہوں۔ پھر دوتے ہوئے ابو بکر نے لوگوں سے کہا تم میں سے ہر ایک اپنی بیوی کے پاس چلا جاتا ہے اور غرض رہتا ہے اور آرام سے جا کر سو جاتا ہے اور مجھے اس سال میں چھوڑ کر چلے جاتے ہو۔ تمہاری بیعت کی مجھے کوئی ضرورت نہیں۔ میری بیعت توڑ دو۔ لوگوں نے کہا اے خلیفہ رسول یہ کام آپ کے بغیر درست نہ رہ سکے گا۔ اگر آپ بیعت توڑتے ہیں تو اللہ کا دین قائم نہ رہ سکے گا۔ ابو بکر نے کہا اگر اس بات کا خطرہ نہ ہوتا کہ اسلام کی کامیابی ماند پڑ جائے گی اور جو کچھ میں نے دختر رسول سے سنا تو اس کے بعد میں تمہاری بیعت کے ساتھ ایک رات بھی آرام نہ کرتا۔

حوالہ نمبر ۱۲

حق ایستغفر

اموال و ابراہی خود را از تو مسئلہ نمازم آسپہ خواہی بگیر تو سیدہ است پدر
خودی و شجرہ طیبہ از برائے فرزند ان خود انکار فضل تو کے فی توانہ کرد

وہم تو نافذ است ورمال من راما در اموال مسلمانان مخالفت گفته پیر تو نمی توانم کرد۔

(۱) بیت الاحزان ص ۱۲ (شعخ عباسی قمی) بالفاظ مختلفہ

(۲) حق الیقین صفحہ ۱۲ باب پنجم احتجاج حضرت فاطمہ با ابو بکر و عمر فاروق

(۳) ناسخ التواریخ زندگانی فاطمہ ص ۱۳۸

ترجمہ: میں اپنا مال و مال آپ سے ورنہ نہیں رکھتا۔ ان میں سے جو آپ کہ مرضی
کے سکتی ہیں۔ آپ اپنے والد کی امرت کی سردار ہیں اور اپنے بچوں کے،
یہ شجرہ طیبہ ہیں۔ آپ کی فضیلت کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا اور آپ کا
حکم میرے ذاتی مال میں نافذ ہے لیکن مسلمانوں کے اجتماعی مال میں آپ کے
والد گرامی کے ارشاد کی میں مخالفت نہیں کر سکتا۔

خلاصہ کلام :

”حق الیقین“ کی مذکورہ دو وزن عبارتوں میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اقوال سے
یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ جناب صدیق کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی دختر
نیک اختر سے انتہائی عقیدت و محبت تھی۔ اسی لیے فرمایا :

۱۔ کاش میں اس وقت مر جاتا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رحلت ہوئے اور
ان کی جگہ میری موت واقع ہو جاتی۔

۲۔ سیدہ: آپ کی شان کو پہچانتے ہوئے اور آپ کے حق کو جانتے ہوئے میں نہیں
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث سے کیسے روک سکتا ہوں جب کہ میں آپ کو
اپنے مال میں تصرف کا کمی اختیار دیتا ہوں لیکن مجھے صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے حکم کا پاس ہے۔ آپ نے فرمایا ہماری میراث نہیں ہوتی بلکہ ہمارا سب کچھ
پھوڑا ہوا صدقہ ہوتا ہے۔

۱۱۔ سید نے جب اپنے مقام و مرتبہ کے پیش نظر صدیق اکبر کو اپنے گھر کا غلام سمجھتے ہوئے ناراضگی کا اظہار کیا جو فخر غافل گرفت نہ تھا لیکن اس کے باوجود صدیق اکبر کا یہ عالم تھا کہ روتے روتے قریب الموت ہو گئے اور بیدار سے رخصتی کے بعد خلافت سے دستبرداری کا تہیہ کر لیا لیکن صحابہ کرام نے ایسے وقت خلافت سے دستبرداری کو اسلام کے لیے عظیم نقصان دہ قرار دیا تو اس مجبوری کے تحت مسرت و تونہ کی لیکن سید کی ناراضگی کا اتنا اثر بتلایا کہ فرمایا میں اس ناراضگی کے ہوتے ہر ایک ایک رات بھی خلافت میں گزار نہیں سکتا۔

حوالہ نمبر ۳ :

کشف الغمہ :

عن عتبہ بن الحرث قال خرجت مع ابي بكر
رضي الله عنه بسرا وفاق النبي صلى الله عليه
وسلم ببلال وعليه السلام يمشي على جنبه
فمتر يحسن بين علي يلعب مع غلمان فاحتمله
على رقبته وهو يقول يا بني ثيبه بالنبي ليس
ثيبها يعني قال وعليه السلام يضحك
كشف الغمہ فی معرفۃ الامم مطبوعہ تبریز صفحہ ۵۵ جلد اول

تذکرہ اہم سن فی فضائلہ

توجہ : عتبہ بن حرث کہتے ہیں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے کئی دن بعد صدیق اکبر کے ہمراہ باہر نکلا اور حضرت علی ان کے ایک پہلو میں چل رہے تھے۔ ابو بکر صدیق کا گزر حسن بن علی کے پاس سے ہوا۔ وہ اس وقت بچپن

کے ساتھ کھس رہے تھے تو صدیق اکبر نے انہیں گردن دکنہ صوں پر اٹھایا اور کہتے تھے میرا باپ قربان : یہ سچ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شبیہ ہے۔ علی کا شبیہ نہیں۔ یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ ہنس پڑے تھے۔

نوٹ:

کشف الغمہ کی اس عبارت معلوم ہوتا ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو امام حسن رضی اللہ عنہ سے اتنا پیارتا تھا کہ کسی محب بنی لیس کو ہوتا ہے۔ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب حضور کا وصال ہو چکا تھا اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہو چکے تھے غلیظہ رسول اور امیر المؤمنین ہوتے ہوئے۔ اُن کا مقام و مرتبہ کا خیال نہ کیا۔ بلکہ محبت الی بیت نے ان کو غلامیہ کی کہ امام حسن کو کندنہ صوں پر اٹھایا اور یہ شعر پڑھا:

يَا بَنِي شَيْبَةَ يَا الْمَسِيحِي
كَيْفَ شَيْبَتُهَا يَكْفِي

اس قسم کا کام اسی شخص سے وقتاً پذیر ہوتا ہے جو محب صادق ہو۔ بنائے محبت ایسی توقع نہیں کی جاسکتی کیوں کہ بنائی محبت امام حسن کو کندنہ صوں پر بٹھانے کی بجائے ان کے پیچھے سے مصالحت بھی کیجیجی یا اور نیز مار کر ان کی زبان کو خون آلود کر دیا اور ان کا مال و اسباب بھی لوٹ لیا۔ اعتبار نہ ہو تو کشف الغمہ کی عبارت دیکھ لیجیے۔

کشف الغمہ:

فَأَنَّتْهُ بِوَأَحْشَى أَنَّهُ دُفَا مُصَلَّى مِنْ رَحْمَتِهِ ثُمَّ شَرَّكَ
عَلَيْهِ رَجُلٌ يَدَّالُ لَهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ وَطَعَنَ فِي فَخْزِهِ
فَنَشَّهَ حَتَّى بَلَغَ الْعَظَمَ.

۱۔ کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد اول صفحہ ۵۴۰ مطبوعہ تبریز باب

فی صلح مع معاویہ

۲۔ اجتماع طبری جلد دوم صفحہ ۱۰ طبع جدید اجتماع حسن علی من اکر
علیہ مصالحتہ معاویہ ۔

۳۔ اجتماع طبری صفحہ ۱۵ طبع قدیم اجتماع حسن بن علی علی معاویہ

ترجمہ انہوں نے (شیعوں نے) آپ کے مال کو لوٹا۔ آپ کے بیچے سے مصطفیٰ
یکسب کیا۔ ایک آدمی (شیعہ) نے آپ کی ران میں نیزا مارا جو پڑی تک
پہنچ گیا۔



حضرت ابو بکر صدیقؓ پر اہلبیت کا اعتماد و یقین

حوالہ نمبر ۱ :

حیات القلوب :

نذاقہ امر کردہ است کہ ابو بکرؓ را ہمراہ خود میری .

حیات القلوب جلد دوم سنہ ۵۱ھ مبعوثہ نو کشور بہ بستان

دھارم در ہجرت آنحضرتؐ بسوئے مدینہ

ترجمہ : شب ہجرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے حکم فرمایا کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لے لینا ۔

حوالہ نمبر ۲ :

تفسیر حسن عسکری :

بعد ازاں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکرؓ سے فرمایا آیا تو اس امر پر راضی ہے کہ میرے ساتھ رہے اور دشمن جس طرح میری تلاش میں ہوں اسی طرح تیری بھی جستجو کریں اور وہ تیری نسبت یہ معلوم کر لیں کہ تو ہی مجھ کو اس دعویٰ نبوت پر آمادہ کرتا ہے ۔ اسی وجہ سے تجھ کو میرے باعث بہت سی تکلیفیں اٹھانا پڑیں ۔ انہوں نے جواب دیا یا رسول اللہ اگر میں تمام دنیا کے برابر

مریادوں اور ہمیشہ سخت تر عذابوں میں مبتلا رہوں اور مجھ کو نہ تو آرام کی ہمت
 نصیب ہو اور نہ کسی قسم کی راحت ملے اور یہ سب کچھ حضرت کی محبت
 میں ہو تو میں اس بات کو زیادہ پسند کرتا ہوں بہ نسبت اس کے کہ حضرت
 کی مخالفت میں مجھ کو تمام دنیا کی بادشاہی مل جائے اور عیش و عشرت
 سے زندگی بسر کروں۔ یا رسول اللہ! مرے اہل و عیال اور اولاد سب آپ
 پر نشانہ ہیں حضرت نے ان کی یہ تقریر سن کر ارشاد فرمایا:

لَا جَرَمَ أَنْ أَطْلَعَ اللَّهُ عَلَى قَلْبِكَ وَوَجَدَ مَا فِيهِ
 مَوَافِقًا لِمَا جَرَى عَلَى لِسَانِكَ، جَعَلْتُكَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ
 السَّمْعِ وَالْبَصَرِ وَالرَّأْسِ مِنَ الْجَسَدِ۔

۱۔ تفسیر حسن عسکری صفحہ ۳۳۱

۲۔ آثار چمدی ترجمہ اُردو تفسیر امام حسن عسکری صفحہ ۲۰۲ مطبوعہ امامیہ

کتب خانہ لاہور

ترجمہ: تحقیق اللہ تیرے دل پر مطلع ہوا اور تیرے دل کو تیری زبان کے مطابق
 پایا با یقین خدا نے تجھے بمنزلہ میرے سمع و بصر کے گردانا اور تجھ کو میرے
 ساتھ وہ نسبت ہے جو سر کو جسم سے اور روح کو بدن سے ہے۔
 مذکورہ بالا دونوں عباراتوں سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوئے۔

فائدہ نمبر ۱:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم شبِ ہجرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ اللہ کے
 حکم سے لے گئے تھے، لہذا یہ کہنا کہ شبِ ہجرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کفار کی طرف
 سے جاؤں تھے (معاذ اللہ) اور جاؤں اس غرض سے بنائے گئے تاکہ حضور صلی اللہ
 علیہ وسلم کا اگر پتہ چل جائے تو اطلاع کفار تک پہنچا دیں لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو استخرا کر لیا اور اپنے ساتھ لے گیا کیونکہ آپ کو
ابو بکر کے ارادے کا علم ہو گیا تھا اس لیے ابو بکر نے اپنی جاسوسی میں ناکام ہو گئے۔ معاذ اللہ
ثم معاذ اللہ! یہ سراسر ہتھکنڈ اور نیربازی ہے۔

فائدہ نمبر ۲ :

حجرت کی رات ساتھ چلنے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے غلوں
کا امتحان لیا اور کامیابی کے بعد انہیں ساتھ لیا۔

فائدہ نمبر ۳ :

حضرت امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ اپنی تفسیر میں اس روایت کو نقل کر کے
اس بات کی تصدیق فرما رہے ہیں کہ اگر صدیق کبر کو تائبانہ مصائب و مشکلات
کا سامنا رہے۔ یہ تو برداشت کر لیں گے لیکن حضور سرور کائنات کی مخالفت کسی ہمت
گواہ نہیں فرمائیں گے۔

فائدہ نمبر ۴ :

تمام دنیا کی آسائشیں اور آرام بھی اگر آپ کو میسر ہوں تو یہ سب کچھ ضعیفی الٰہیہ
وہم پر شاہد کر سکتے ہیں۔ مگر آپ کی تصحیف برداشت نہیں کر سکتے۔

فائدہ نمبر ۵ :

صدیق کبر رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ کریں قیامت تک ہر عذاب و مصیبت برداشت
کر لیتا ہوں اور دنیا کی شہنشاہی اور گمراہ سب کچھ چھوڑ سکتا ہوں لیکن آپ کی مخالفت نہیں
ہو سکتی یہ الفاظ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ نے تیرے ان الفاظ کی تصدیق
فرمادی ہے۔

فائدہ نمبر ۶ :

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اشار قریبانی اور اللہ تعالیٰ کی تصدیق کے صدر میں حضور

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں وہ مرتبہ عطا فرمایا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب سے
اوپر کان کو ہے بلکہ جو مقام روح کا بدن کے ساتھ ہے۔

نوٹ :

قارئین کرام ! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق
رضی اللہ عنہ کو کس قدر اپنا قرب عطا فرمایا۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ابوبکر
(معاذ اللہ) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے اہل بیت کے دشمن تھے تو اس سے
کہہ بھی کوئی نا انصاف ہو سکتا ہے کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ کسی کی آنکھ، کان اور روح ایک
مخالفت کرے۔

علاوہ ازیں ایسے مشکل وقت میں جب کفار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے
برہنہ تلواریں بیسے بالکل آخری کوشش میں تھے تو اس نازک ماحول میں سرکارِ دو عالم صلی
اللہ علیہ وسلم کی سفر، ہجرت میں ساتھ لے جانے کے لیے جس پر نگاہ پڑی اور بن کو ساتھ لے
کا اللہ نے حکم دیا وہ صدیق اکبر ہی تھے اور پھر فاروقی میں تنہا تین دن رات ان کو اپنے
رکھنا اور جن کی گود میں نیند فرمائی یہ سب باتیں ایسے آدمی سے ہی متوقع ہو سکتی ہیں جس پر اللہ
کامل ہو۔ لہذا معلوم ہوا کہ اس نازک وقت اور مشکل لمحات میں جس قدر حضور علیہ الصلوٰۃ
کو ابوبکر صدیق پر اعتماد تھا وہ صرف انہی کا حصہ تھا۔

انہی اوصاف اور جانثاری کی بدولت اللہ نے صدیق اکبر کو وہ مرتبہ عطا فرمایا جس کی تصدیق
اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فاروق اعظم کے پاس
میں فرمایا کہ فاروق کی نیکیاں آسمان کے ستاروں کے برابر ہیں تو ام المؤمنین سیدہ عائشہ
رضی اللہ عنہا نے اپنے والد (صدیق اکبر) کے بارے میں پوچھا۔ حضور نے جواب دیا کہ اگر
تمام نیکیاں صدیق کی اس نیکی جو شبِ ہجرت فاروق کے موقع پر میرا آل کا مقابلہ نہیں کر
سکتیں۔ (مشکوٰۃ)

حوالہ نمبر ۳ :

کشف الغمہ : رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری وقت تمام وحیات الہیہ کیں

قَالَ أَبُو بَكْرٍ فَمَنْ يَلِيَّ غُصَّكَ قَالَ رَجُلٌ أَهْلُ بَيْتِي
 الْأَدْنَى فَلَا دُنِيَ قَالَ فَنَيْمٌ كُفَّشُكَ ؟ قَالَ فِي ثِيَابِي
 هَذِهِ الَّتِي عَلَيَّ أَوْ فِي حُلَّةٍ يَمَامِنِيَّةٍ خِزَّاءٍ وَفِي بَيَاضٍ
 وَمُضِرٍّ قَالَ كَيْفَ الصَّلَاةُ عَلَيْكَ ؟ فَأَرْتَجِبَتِ الْأَرْضُ
 يَا بُنَّكَاءَ فَقَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ مَهْلًا عَنْيَ اللَّهُ عَنْكُمْ
 إِذَا غُصِّتُ وَكُفِّتُ فَضَحُّوْنِي عَلَى سِرِّي فِي بَيْتِي
 هَذَا عَلَى شَفِيرٍ قَدْ بَرَّيْتُ ثُمَّ أَخْرَجُوا عَنِّي مَاعَةً
 فَإِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَوَّلُ مَنْ يُصَلِّيَ عَلَيَّ ثُمَّ يَأْذُنُ
 لِلْمَلَائِكَةِ

۱۔ کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ مطبوعہ تبریز جلد اول صفحہ ۱۱

۲۔ (جلال الدین سیون جلد اول ص ۱۸۱ زندگانی رسول خدا)

ترجمہ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے وقت صدیق اکبر نے عرض کی آپ کے انتقال کے بعد آپ کو غسل کون دے گی ؟ فرمایا میرے اہل بیت میں سے قرہی ، پھر قرہی مرد عرض کی کن کپڑوں سے آپ کو کفن دیا جائے ؟ فرمایا جو ابھی میں نے پہن رکھے ہیں یا یہی ملے یا سفید مصری چادروں میں بوجھا آپ کی نماز جنازہ کیوں کر ہوگی اس پر زمین رونے لگی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا تمہاراؤ اللہ تمہیں معاف کرے جب مجھے غسل و کفن دے چکو تو میرے گھر میں ہی مجھے چارپائی پر رک کر قبر کے کنارے

رکھ دینا پھر تم سب وہاں سے باہر آ جانا اللہ تعالیٰ سب سے بہت بڑھ کر مسافر
 بھیجے گا پھر فرشتوں کو اجازت دے گا۔

مذکورہ عبارت سے دو امر بلا کسی تاویل کے ثابت ہوئے

امراؤل :

حضرت علی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری لمحات میں تمام وصیات ابو بکر صدیقؓ کی
 اگرچہ اس وقت بہت سے صحابہ کرام بھی موجود تھے اور اہل بیت کی اچھی خاصی تعداد بھی
 تھی تو اس سے معلوم ہوا کہ نبی پاک علیہ السلام کو صدیق اکبر پر انتہائی اعتماد تھا کیوں کہ اس
 آخری لمحات میں کوئی شخص اپنے دشمن کو وصیتیں نہیں کرتا اور اسی کو وصیتیں کی باقی ہی
 امین صدیق اور مستند خاص ہو۔

امرشانی :

آپ کے اس ارشاد سے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ مجھ پر صلوٰۃ جنازہ پڑھے گا
 ہوا کہ آپ کا جنازہ عام لوگوں کے جنازے کی طرح نہ تھا تا کہ یہ اعتراض ہو سکے کہ صحابہ
 نے آپ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی ورنہ یہ لازم آئے گا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؓ
 وسلم کی نماز جنازہ میں "اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِحَبِيبِنَا" پڑھا تو اس نے اپنے علاوہ کسی
 اور سے دُعا مغفرت مانگی اور یہ مترک کفر و شرک ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام
 السلام کی نماز جنازہ جو اللہ تعالیٰ نے پڑھی اس سے مراد آپ کی ذات پر رحمت کا دُعا
 نازل فرمانا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اذن سے بعد میں فرشتوں نے رحمت کی دُعا مانگی اور
 صحابہ کرام باری باری آتے رہے اور رحمتوں کے نزول (صلوٰۃ و سلام) کی دُعا مانگتے
 رہے۔

حوالہ نمبر ۴:

کشف الغمہ:

وَقَبَضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْضَةً مِنْ
الدَّرَاهِمِ وَدَعَا بِأَبِي بَكْرٍ فَدَعَعَهَا إِلَيْهِ وَقَالَ يَا أَبَا
بَكْرٍ اشْتَرِ بِهَذِهِ الدَّرَاهِمِ لِأَنْتَ مِمَّا يَصْلَحُ لَهَا فِ
يَسِيرَتِهَا وَيَعْتَ مَعَهُ سَلْمَانُ النَّارِ سَيِّ وَبَدَلًا لِأَعْيُنَاهُ
عَلَى حَمَلٍ مَا يَشْتَرِيهِ -

۱. (کشف الغمہ فی معرفۃ الأئمہ جلد اول صفحہ ۲۵۹ مطبوعہ تبریز باب
فی تزویج کج فاطمہ)

۲. جلاء العیون جلد اول صفحہ ۱۵۱ زندگانی فاطمہ زہرا)

۳. بیت الاحزان صفحہ ۳۳ حدیث تزویج فاطمہ)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مثنیٰ بھر درہم لیے اور ابو بکر کو بلا کر انہیں دیکر فرمایا
ابو بکر! ان درہم سے میری بیٹی کے لیے گھر جو ضروریات خرید لادو اور
ان کے ساتھ سلمان فارسی اور بلال رضی اللہ عنہما کو بھی بھیجا تاکہ خریدی ہوئی
اشیاء کے لئے میں ان کی مدد کریں۔

روایت بالاسے معلوم ہوا کہ سرمدار دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی بیٹی کے
لیے حمیز خریدنے کے لیے ابو بکر صدیق کا انتخاب فرمایا تو یہ اس لیے فرمایا کہ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم بخوبی جانتے تھے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر محبت و عقیدت
اللہ و رسول سے میری بیٹی کے حمیز کا سامان کوئی دوسرا نہیں خرید سکتا۔ یہ انتخاب حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کے اعتقاد کامل کی علامت ہے اور صدیق اکبر کی خیر اندیشی اور محبت اہل بیت
کی عظیم مثال ہے۔

حوالہ نمبر ۵ :

کشف الغمہ :

كَانَ الْمُشْرِكُونَ يَرْمُونَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ فَبِجَاءِ أَبُوبَكْرٍ وَسَيِّدِنَا أَبُو بَكْرٍ يَحْسِبُ
أَنَّهُ نَبِيُّ اللَّهِ قَالَ فَقَالَ لَهُ عَلِيُّ بْنُ أَبِي النَّظَّاقِ
يُبْرِمُ مَيْمُونٌ فَأَدْرِكُهُ فَأَنْطَلَقَ أَبُو بَكْرٍ فَدَخَلَ مَعَهُ
الْفَارَ -

(کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد اول صفحہ ۸۲ باب فی سبقہ فی الاسلام)
ترجمہ : کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں ادھر ادھر پھر رہے تھے۔ اتنے میں سے
ابو بکر آئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملے ہوئے تھے۔ ابو بکر صدیق
رضی اللہ عنہ نے گمان کیا کہ یہ (علی) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں تو حضرت علی
رضی اللہ عنہ نے (جو بیدار تھے اور اس گمان کو بھانپ گئے) فرمایا اللہ کے
پیغمبر "بیر میمون" کی طرف تشریف لے گئے ہیں وہاں چلے جاؤ۔ ابو بکر یہ
سُن کر وہاں سے چل پڑے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی فار میں
داخل ہوئے (کیوں کہ راستہ میں صدیق اکبر کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے
ملاقات ہو گئی تھی)۔

اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھی صدیق اکبر رضی اللہ
کی ذات پر بے پناہ اعتماد تھا کہ وہ دل و جان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین
اسی اعتماد کے ہوتے ہوئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے
پورا پتہ بتلادیا اور راستہ کی نشاندہی کر دی اور جلد ملاقات ہو جانے کی امید دلانی۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس امید دلانے پر اور صحیح نشاندہی کرنے پر جس

صدیق اکبر علیہ السلام سے توافقی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی۔ گو یا حضرت علی رضی اللہ عنہ
 کی اس خبر کی صداقت "علی بن عیسیٰ" مصنف کشف الغمہ نے بھی کر دی وہ یوں کہ حضرت
 صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جب اس راستے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جا ملے تو دونوں نے اکٹھے
 چلتے ہوئے فاتحہ کا سفر کیا۔ اور غار کے اندر بھی دونوں اکٹھے داخل ہوئے۔
 لہذا اس سے بھی معلوم ہوا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نہ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے
 با اعتماد دوست تھے بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلص فدائی اور جانثار سپاہی بھی تھے
 اور جانثاری کا حق ادا کر کے اپنے اعتماد کو اور چار چاند لگائے۔ علم بھر کبھی حضور صلی اللہ علیہ
 وسلم اور آپ کی اہل بیت کے مقابلہ میں اپنا مفاد نہ سوچا۔ اسی لیے "یار غار" کہلائے

۵

خدا رحمت کنذیں علانہ تنان پاک علینت را

غضب فدک کے متعلق ایک فیصلہ کن ایمانی اور تحقیقی بیان

از

پیر طریقت راہبر شریعت واقف اسرار حقیقت محب

آل واصحابہ علیہ السلام حضرت قبلہ پیر سید محمد باقر علی شاہ صاحب

سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت کیلیا نوالہ شریف ضلع گوجرانوالہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے سچے جانشین عطا فرمائے جنہوں نے نیابت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ادا کرتے ہوئے راہ مستقیمہ کو واضح سے واضح کر دیا اور ان کے دور میں کبھی کسی پر ظلم ہوا یا انہوں نے کسی کو ایسا کرنے دیا۔ مگر خدا مطلق دسے گمراہ فرقہ شنید کو جن کا کہنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں باغ فدک سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دے گئے تھے۔ اور عربی علیہ السلام نے انھیں بند کیں اور ابو بکر صدیق نے حکومت سنبھالی اور سب سے پہلایہ کام کیا کہ سیدہ سے باغ چھو لیا۔ اور بعض سنی بھی شیعوں کی ہمنوائی کرتے ہیں یا یہ کہ شیعہ خود کو سنی ظاہر کر کے ایسا کہتے ہیں۔ حالانکہ اس جھوٹے افسانے کی کوئی حقیقت نہیں ہے نہ نبی علیہ السلام نے انہیں باغ دیا تھا نہ صدیق اکبر نے یا تھا۔

میں سید ہوں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا میری مانی ہیں ان کی عزت کو پاس بنانا ہے اتنا کسی اور کو مشکل ہو گا۔ اور مجھے ان سے جو نسبت حاصل ہے ہر کوئی اس کا دعویٰ نہیں کر سکتا چنانچہ شیعہ کہتے ہیں کہ ابو بکر صدیق نے سیدہ فاطمہ کا باغ غصب کر لیا۔

مالائیکہ سراسر کذب اور فحاشیات سیدنا صدیق اکبر پر بہتان عظیم کیونکر میرے راوی
حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے وہ قوت عطا فرمائی کہ وہ کبھی کسی باطل قوت کے آگے
نہ بھگے۔ ان کا بہادرانہ اور ولیہانہ ارشاد حسب ذیل ہے۔
اگر سارا عرب بھی میرے مقابلے میں آجائے تو میں ان کی گردنیں اٹارنے میں
جلدی کرتا رہوں گا۔

(۱۔ بیچ البلاغہ خطبہ ۳۵ ص ۲۱۹)

(۲۔ مناقب آل ابی طالب جلد ۳)

ص ۳۶۱

اب مقام غور ہے کہ اگر باغ فدک سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ملک ہو تا تو
علی مرتضیٰ شیر خدا سے کبھی منصب نہ ہونے دیتے، بغرض ممال اگر مان بھی لیا جائے
کافریت علی نے وقتی طور پر مخالفین کی مخالفت کی وجہ سے یہ حق چھوڑ دیا تو پھر اپنے
زمانہ خلافت میں جب کہ سیدہ فاطمہ غور حلت فرمائی تھیں آپ نے اسے سیدہ کے ورثا
کے حوالے کیوں نہ کیا۔ یہ کب ممکن ہے کہ باغ فدک بھی سیدہ کا موروثی املاک کی
ملکت ہو جائے اور خود حضرت علی مرتضیٰ کی زوجہ اطہر ہیں۔ علی مرتضیٰ کو پتہ بھی ہو کہ سیدہ کا باغ
منصب ہو گیا ہے۔ اور علی مرتضیٰ کے پاس ایک معمولی منصب نہیں ساری خلافت
اسلام کی زمام بھی ہو چکی حضرت علی مذکورہ باغ سیدہ کی اولاد کو واپس نہ دوا رہیں
تو آخر کیوں؟

خدا سے ڈرو۔۔۔ قیامت کو ہر چیز کا حساب دینا ہو گا۔

اگر تمہارے پاس جواب نہیں ہے تو مجھ سے سنو۔ میں خاندان سادات کی
وکالت کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ حضرت علی نے اپنے دور خلافت میں باغ فدک
سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ورثا کو اس لیے نہ دوا یا تھا کہ آپ کے نزدیک اس باغ فدک

کے بارہ میں اپنے پیش رو صدیق اکبر کا فیصلہ انصاف کے عین مطابق تھا۔ جناب علی نے صدیق فیصلے کو برقرار رکھتے ہوئے اس کی صداقت پر مہر تصدیق لگا دی۔ ورنہ یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ سیدہ کا باغ ہوا اور آپ اسے واپس نہ دلوایں۔ کیونکہ آپ نے اپنے بیٹوں امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو جو لازوال وصیت فرمائی ہے وہ حسب ذیل ہے۔

بیکہ کا حکم کرتے رہنا برائی سے روکتے رہنا اگر تم نے یہ کام چھوڑ دیا تو تم پر ظالم حاکم مسلط ہو جائیں گے پھر تمہاری دعا قبول نہ ہو گی۔

(نہج البلاغہ خطبہ ۴۴، ۴۵)

تو جس شخص کا نصب العین ہی برائی سے روکنا ہو وہ کب کسی کے حق کو منہصہ دیکھ کر خاموش رہ سکتا ہے۔ یقیناً آپ صدیق فیصلہ کو برحق مانتے تھے۔ جس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت زید بن علی رضی اللہ عنہ جو خاندان سادات کے عظیم سربراہ ہیں اسے سوال کیا گیا کہ حضرت ابو بکر نے سیدہ سے باغ فدک چھین لیا تھا۔ تو جناب زید بن علی نے غصے میں آکر فرمایا۔

یاد رکھو ان کا فیصلہ برحق تھا اور اگر بالفرض باغ فدک کا معاملہ میرے پسند کی جاتا تو میں وہی فیصلہ کرتا جو ابو بکر صدیق نے کیا تھا۔

(ابن ابی عمیر شرح نہج البلاغہ جلد چہارم)

(۸۲)

لہذا میرا بھی وہی فیصلہ ہے جو میرے جد امجد حضرت زید بن علی کا ہے۔ اس لیے میں اعلان کرتا ہوں کہ جو آدمی خود کو آستانہ عالیہ حضرت کیدیا نوالہ اللہ عنہ یاد دار عالیہ شرق پر شرعیہ سے منسوب کرے اور پھر ابو بکر صدیق پر طعن کرنے والوں کو دوست رکھے اس کا ہمارے آستانہ سے کوئی تعلق نہیں خواہ وہ سید ہو یا غیر سید وہ اہل سنت ہی سے خارج ہے۔

میرا یہ بیان آئندہ آنے والی ہماری تمام نسی اور روحانی ذریت کے لیے ایک سند ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ آل و اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر قائم رکھے۔

ابوبکر صدیق کی بارگاہ عالیہ میں میرا وہی عقیدہ ہے جو میرے جد امجد امام باقر کا ہے ملا اردبیلی شیعہ نے کشف الغمہ میں یوں نقل کیا ہے :-
کہ امام محمد باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تلوار کا جڑاؤ اس لیے جائز ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ جڑاؤ کیا تھا۔ راوی کہتا ہے میں نے عرض کیا آپ بھی انہیں صدیق کہتے ہیں؟ یہ سن کر امام باقر ایک دم جذبات سے اٹھے اور فرماتے تھے وہ یقیناً صدیق ہیں بلا شک صدیق ہیں اور بالیقین صدیق ہیں اور سنو جو انہیں صدیق نہ کہے اللہ اسے دنیا میں بھی جھوٹا کرے اور آخرت میں بھی جھوٹا کرے۔

اس لیے میں امام باقر کی اولاد ہونے کے رشتہ سے یہ آرزو رکھتا ہوں کہ مجھے روز قیامت اللہ تعالیٰ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شفاعت نصیب فرمائے اور ان کی محبت ہی میرا توشہ آخرت ہے اور ان کی گرد راہ میری آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہے۔

آمین ثم آمین

سید محمد باقر علی شاہ خادم استاذ عالیہ حضرت کیلیا نوالہ شریف ضلع گوجرانوالہ

۱۴۔ اگست ۱۹۱۵ء بروز بدھ

طعن دوم

میدان احد سے ابو بکر صدیق کا بھاگنا

قرآن پاک اور احادیث مقدسہ کی رو سے کسی مسلمان کا میدان جنگ سے بھاگنا گناہ کبیرہ ہے۔ لیکن یہ بات منکر ہے۔ کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میدان احد سے بھاگنے کے وقت بھاگ بکھر رہے ہوئے۔
 لہذا اس فعل کے ارتکاب سے گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوئے۔ اور گناہ کبیرہ کا مرتکب غلامت کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

جواب ہے:-

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں ”میدان احد“ سے بھاگنا کبھی کبھی دراصل شیعہ حضرات کی اپنی کتب سے لاعلمی کا جتنا بھاگنا ثبوت ہے۔ اور اس کے ساتھ قرآن فہم سے گمراہ ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے۔ اگر یہ لوگ خود اپنی کتب کا ہی مطالعہ کر لیتے۔ اور قرآن سمجھا لیتے۔ تو یہ طعن ہرگز نہ کرتے۔ کتب شیعہ سے پہلے تو ہم شاربہ کر لی۔ گئے۔ کہ ایسا ہوا ہی نہیں۔ اور اگر بغیر غرضی محال بھاگنا ثابت ہو۔ تو بھی یہ وہی طعن نہیں بن سکتا۔ کیونکہ اس وقت افراتفری کے عالم میں جو صحابہ بھاگ

میں ہے۔ ان کی ساری کا اعلان اللہ تعالیٰ نے خود قرآن مجید میں فرمایا ہے۔
 وَلَقَدْ صَدَقَ كَقَوْلِ اللَّهِ وَعْدَهُ إِذْ تَحَسَّبُوهَا فِي الْأُمْرِ
 وَصَوَّبْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا أَرْسَلَكُمْ مَا تَحْتَبُونَ مِنْكُمْ
 مَنْ يُرِيدِ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ثُمَّ
 صَرَّحْنَا عَنْكُمْ لِيَبَيِّنَ لَكُمْ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ
 وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ

(پارہ نمبر ۴)

ترجمہ: اور بے شک اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کیا۔ جب کہ تم اس کے حکم
 سے ان کو قتل کرتے رہے۔ یہاں تک کہ جب تم نے ہمت ہار دی۔
 اور اپنی پسند کی چیزیں دیکھنے کے بعد معاویہ میں آپس میں جھگڑنے لگے۔
 اور رسول کی نافرمانی کی۔ تم میں سے بعض دنیا کے طلب گار ہیں۔ اور بعض
 آخرت کے خواستگار ہیں۔ پھر تمہارا رخ ان کی طرف سے پھیر دیا کہ تمہارا
 امتحان ہے اور یقیناً خدا نے تم سے درگزر کیا۔ اور اللہ مومنوں پر رحمت نازل
 کرنے والا ہے۔

(ترجمہ مقبول)

اسی آیت کی تفسیر میں علامہ طبرسی شہیدی، لکھتے ہیں۔

تفسیر مجمع البیان :-

وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ كَمَا أَمَرَ الرَّسُولُ... وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ

ذُو مَنِّ وَ يَغْفِرُ عَنِّيهِمْ بِنِعْمِ الذُّبْيَا وَ التَّيْمِينِ وَ قَرِيبَلِ
يَغْفِرَانِ ذُنُوبَهُمْ -

ترجمہ مجمع البیان جلد اول جزء دوم ص ۱۰۱

مطبوعہ تہران طبع جدید

ترجمہ: اللہ نے تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کرنے کے
بعد درگزر فرمایا..... اور اللہ تعالیٰ مومنوں
کے لئے والا اور انہیں بڑی بڑی نعمتیں عطا کرنے والا ہے۔ وہ نعمتیں دینے کی
جوں یا غروی۔ اور یہ بھی معنی کیا گیا ہے۔ کہ اللہ کا فضل یہ ہے کہ خدا نے
ان کے گناہ معاف کر دیئے ہیں۔

”علامہ طبرسی، کی تفسیر اور آیت کریمہ کے سادہ ترجمہ (مقبول)۔ سے یہ بات شخصی
عیاں کرتا ہے۔ کہ اگرچہ صحابہ کرام سے یہ غلطی سرزد ہوئی۔ کہ وہ میدان احد سے بھاگ گئے
لیکن اس غلطی کو اللہ رب العزت نے معاف کر دیا تھا۔ اور صرف اسی غلطی کو نہ بلکہ
ان کے تمام گناہ معاف کر دیئے۔ اور مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر اپنے متعلق
”فضل عظیم کا مالک“ جو فرمایا۔ تو اس ”مطلب“ یہ ہے کہ صرف یہ معافی ہی نہیں بلکہ اس سے
بڑھ کر دین دریا کی نعمتیں بھی عطا کیں۔

تاکہ کہ کلام باپ غور فرمائیں۔ کہ جب حضرات کی غلطی اور لغزش کی معافی کا اعلان ہوا
خود اپنے قرآن میں فرمادیں۔ ان کی معافی اور بخشش میں کوئی شک و تردد کر سکتا ہے؟ جب معاف
کرنے والا نے معاف کر دیا۔ تو کسی دوسرے کو کیا حق پہنچتا ہے۔ کہ اس معافی کو نہ مانے
تو وہ لوگ جو اللہ کے معاف کر دینے کے بعد بھی معاف نہیں کرتے۔ اور ان حضرات
کے معاف شدہ گناہ کو محض دراپشتی ہیں۔ تو ایسا کرنا ان کے کلام الہی پر عدم ایمان
کے مترادف ہے۔ جب اللہ نے معاف کر دیا۔ تو معاف شدہ افراد پر اسی غلطی کی

کے کہ طعن کرنا اور اصل خود اپنی ذات پر لعنت کرنا ہے۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے میدانِ احد سے بھاگ جانے کا

افسانہ سراسر غلط اور بہتانِ عظیم ہے

شیعہ حضرات کا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق میدانِ احد سے بھاگ جانے کا قصہ بیان کرنا محض فريب ہے۔ اور غلط پروپیگنڈا کے سوا کچھ نہیں۔ خود انہی کے مفسرین و مؤرخین اس سے حقیقتِ حال سینے۔
حوالہ بات ملاحظہ ہوں :-

تفسیر مجمع البیان :-

وَلَقَدْ عَمَّا عَشَكُمْ آعَادَ تَعَالَى ذَكَرَ الْعَفْوِ تَاكِيدًا
بِجَمْعِ الْمَذْنِبِينَ فِي الْعَفْوِ وَمَنْعِهِ لَهُمْ عَنِ
الْيَأْسِ وَتَحْسِينًا لِيُظَنُّوا الْمُؤْمِنِينَ إِنَّ اللَّهَ عَفُوٌّ
حَلِيمٌ قَدْ مَرَّ مَعْنَاهُ وَذَكَرَ أَبُو الْقَاسِمِ الْبَلْخِيُّ
أَنَّهُ لَمْ يَبْقَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يَوْمَ أُحُدٍ إِلَّا ثَلَاثَةٌ عَشَرَ نَفْسًا خَمْسَةً مِنَ الْمُهَاجِرِينَ
وَسَمَانِيَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ هَامَا الْمُهَاجِرُونَ فَعِيلٌ عَلَيْهِ
السَّكَمُ وَأَبُو بَكْرٍ وَطَلْحَةُ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ وَ
سَعْدُ بْنُ أَبِي لَوْقَاتٍ

(مجمع البیان جلد اول جز دوم ص ۵۲ مطبوعہ تہران طبع جدید)

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے بارے میں اپنی معافی کا دوبارہ ذکر اس لیے فرمایا۔
 کیونکہ صحابہ کرام کو اپنی معافی کی شدید خواہش تھی اور اس لیے بھی کہ صحابہ کرام
 کو ناامیدی سے حیات مل جائے۔ اور اس کے علاوہ مومنوں کے غم کی
 تسخیر کے لیے ایسا کیا۔ بے شک اللہ بخشنے والا بڑا بار ہے۔ اس کو بھی
 گزر چکا ہے۔ ابوالقاسم بلخنی نے ذکر کیا ہے کہ میدان احد میں حضور ﷺ
 عیدِ رسم کے ساتھ حضرت تیر و افراد روئے تھے۔ پانچ ہزار اور انصار بھی
 پانچ تھے حضرت علی حضرت ابوبکر ابو طلحہ عبدالرحمن بن عوف اور سعد بن ابی
 الوقاص رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

حوالہ نمبر (۲):

کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ

وَصَدِيقَهُ اَرْبَعَةَ عَشَرَ رَجُلًا سَبْعَةٌ مِنْ
 الْمُهَاجِرِينَ وَسَبْعَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ أَبُو بَكْرٍ
 وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ وَعَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ
 وَسَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ وَطَلْحَةُ بْنُ عُبَيْدِ اللَّهِ
 وَأَبُو عُبَيْدَةَ ثَابِتُ الْجَزَّاحِ وَنُسَيْرُ بْنُ
 النَّوَّامِ وَمِنْ الْأَنْصَارِ الْحَبَّابُ بْنُ الْمُنْذِرِ وَأَبُو
 دُجَانَةَ وَعَاصِمُ بْنُ قَابَتٍ وَالْحَارِثُ بْنُ
 الصَّقْمَةِ وَسَهْلُ بْنُ حَكِيمٍ وَأَسِيدُ بْنُ

حَضْرَتِ سَعْدِ بْنِ مَعَاذٍ -

(کشف الغم فی معرفۃ الأئمہ جلد اول ص ۱۸۸)

(لمع فی شجاعتہ علیہ السلام)

ترجمہ:-

اور آپ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ چوڑھ حضرات ثابت قدم رہے۔ سات مہاجرین میں سے اور سات انصاریوں سے تھے۔ مہاجرین سے ابو بکر صدیق، عبد الرحمن بن عوف، علی بن ابی طالب، عبد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبید اللہ، عبیدہ بن الجراح اور زبیر بن العوام رضی اللہ عنہم تھے اور انصاریوں میں سے جباب بن منذر، ابو جابر، عامر بن ثابت، عمار بن العاص، سہل بن ضیف، اسید بن حضیر اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہم تھے۔

حوالہ نمبر (۳)۔

ابن حدید شرح نہج البلاغہ:-

وَكَانَتْ الْعِصَابَةُ السَّبْعُ ثَبَتَتْ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَدْبَعَةُ عَشَرَ رَجُلًا سَبْعَةٌ مِنْ الْمُهَاجِرِينَ وَسَبْعَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ أَمَّا الْمُهَاجِرُونَ فَعَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَأَبُو بَكْرٍ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ وَسَعْدُ بْنُ إِدْرِيسٍ وَقَاصُ

وَطَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ وَ أَبُو عُبَيْدَةَ
 ابْنِ الْجَزَّاحِ وَالزُّبَيْرُ بْنُ الْعَوَّامِ وَ أَمَّا
 الْأَنْصَارُ فَأَنْحَبَابُ ابْنِ الْمُنْذِرِ وَ أَبُو
 دُبَّانَةَ وَ عَاصِمُ بْنُ ثَابِتٍ ابْنِ أَبِي الْأَفِئَةِ
 وَ الْحَارِثُ بْنُ الصَّقْمَةِ وَ سَهْلُ بْنُ حَنِيئٍ
 وَ أَسِيدُ بْنُ حُصَيْنٍ وَ سَعْدُ بْنُ مَعَاذٍ

(ابن حیدر شرح نہج البلاغہ جلد ۲ ص ۲۹۸)
 بیروت لمع جدید) فی قتل عبد اللہ
 بن حش و ما قالہ و وصی بہ
 و فی بیان من ثبت مع النبی صلی اللہ
 علیہ وسلم یوم احد)

ترجمہ

وہ جماعت جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (میدان احد میں) ثابت قدم
 رہی۔ چڑاؤہ حضرات پر مشتمل تھی۔ رات ان میں سے مہاجرین تھے اور رات
 انصار مہاجرین میں سے حضرت علی، حضرت ابو بکر صدیق، عبد الرحمن بن
 عوف سعد بن ابی وقاص طلحہ بن عبید اللہ ابو عبیدہ بن جراح اور زبیر بن عوام
 اور انصار میں سے حباب بن منذر ابو جازہ، عاصم بن ثلبت، حارث بن
 العتہ، سہل بن حنیف اسید بن حصیر اور سعد بن معاذ تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ
 عنہم اجمعین۔

حوالہ نمبر (۴) :-

روضۃ الصفا :-

در کشف الغمہ مسطور است کہ چہار وہ کس از اصحاب نزد آنحضرت چہار و عا حباب
مانند نہفت تنی از انصار و ہفت نفر از مہاجرین۔ از مہاجرین امیر المومنین،
علی و ابوبکر و عبدالرحمن بن عوف و سعید بن ابی وقاص و طلحہ و زبیر و ابو سعید
جراح و از انصار حباب بن منذر و ابو وجانہ و عاصم بن ثابت و عارت
بن اسیل و اسید بن حنفیہ و سعد بن عبادہ و محمد بن مسلمہ۔

روضۃ الصفا جلد دوم ص ۳۳۲ ذکر احوال

قادم الانبیاء طبع ایران

ترجمہ کشف الغمہ میں مذکور ہے کہ حضور علیہ السلام کے اصحاب میں سے
چودہ آدمی آپ کے پاس باقی رہ گئے۔ سات مہاجر اور سات انصاری
مہاجرین میں سے امیر المومنین علی ابوبکر عبدالرحمن بن عوف سعید بن
ابی وقاص طلحہ زبیر اور ابو سعید بن جراح اور انصار سے حباب بن منذر
ابو وجانہ عاصم بن ثابت عارت بن اسیل اسید بن حنفیہ سعد بن عبادہ
اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

حوالہ نمبر ۵ :-

علاوہ انہی اسی قسم کی عبارت حاشیہ الروضۃ من الکافی ص ۳۱۵ جلد دوم طبع ایران۔
پر بھی ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ طوالت کے خوف سے عبارت نقل کرنا ضروری نہیں سمجھا گیا۔

مندرجہ بالا احادیث کی روشنی میں شیعہ حضرات کی اپنی کتب سے یہ بات آفتاب علیہ السلام کی طرح واضح ہو گئی کہ جو حضرات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ میدانِ احد میں شہید ہوئے وہ شیعہ ہیں۔ یہ میدان کو چھوڑ کر بھاگے نہیں ان میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات بھی تھی۔ کیوں نہ ہو جس شخصیت نے غارتگری و رفاقت کی سعادت حاصل کی ہو وہ میدانِ احد میں کیسے بھاگ سکتی تھی۔ اسی صراحت و وضاحت کے ہوتے ہوئے بھی شیعہ حضرات ابوبکر صدیق پر الزام دھریں اور انہیں موردِ لعن ٹھہرائیں تو اس سے شیعہ کو ان کی بدبختی اور کیا ہو سکتی ہے۔ اور اس پر مزید یہ کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان خوش نصیب صحابہ میں سے ہیں جن کو در بدری، ہار ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اور ان صحابہ کا مغفورا و عفتی ہونا اور اسی طرح بیعت رضوان میں شریک صحابہ کا مغفورا و عفتی ہونا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمام معاف کردگار سے پاک کر دیا لیکن شیعہ ان نفوسِ قدسیہ کو ناکردہ گناہوں کی ابھٹی تک معافی نہیں دے رہے۔

بیعت رضوان اور بدر میں شامل ہونے والے عتقی ہیں

جن میں صدیق اکبر سر فہرست ہیں

منہج الصادقین :-

دو ہمراہ صحابہ بیعت کر دند براۓ مکہ مطلقاً راہ گریز بخونینہ تا انیکہ کشتہ شوند یا فتح نمایند و حضرت فرمود کہ یک کس بد و ورغ فرود از آن مومنان کہ در زیر درخت ثمرہ بیعت کر دند و ایں بیعت را بیعت الرضوان نام نہاند بجهت آنکہ حق سبحانہ در ایشان فرمود (الہ)

(تفسیر منہج الصادقین جلد ۱ ص ۲۶۵)
مطبوعہ تہران

ترجمہ:-
مقام حدیبیہ پر تمام صحابہ کرام نے اس بات پر بیعت کی کہ ہم ہرگز
بھاگیں گے نہیں۔ یہاں تک کہ مر جائیں گے یا فتح حاصل کر لیں گے۔ اور
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان مومنوں میں سے کوئی ایک بھی دوزخ
میں نہیں جائے گا۔ جنہوں نے اس دعوت کے نیچے بیعت کی۔ اس بیعت
کو بیعت الرضوان کہتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنی رضا کا
اظہار فرمایا۔

اہل بدر کو اللہ تعالیٰ نے معاف کرنے کا وعدہ فرمایا ہے

”منہج الصادقین“ میں مذکور ہے کہ کشتہ میں سائرہ نامی لونڈی مکہ سے مدینہ آئی
مکہ میں گانا بجانا اس کا کام تھا۔ مدینہ میں آنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے
پوچھا تو یہاں اسلام لانے کے لیے آئی ہے؟ کہنے لگی نہیں۔ فرمایا جہا جہ رہی کر آئی ہے؟
کہنے لگی نہیں۔ بلکہ کچھ ضروریات زندگی کے لیے آئی ہوں۔ اگر میسر ہو گئیں۔ تو واپس چلی
جائوں گی۔ فرمایا۔ تو نے اہل مکہ سے ضروریات طلب کیوں نہ کیں؟ کہہ کر بدر میں مسلمانوں
کے ہاتھوں جب سے کفار کو شکست ہوئی ہے میرا کاروبار باندھ چکا ہے۔ تو صرف
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ”اے عبد المطلب“ کو فرمایا کہ تم اس لونڈی کی ضروریات کا
اہتمام کرو۔ اسی سلسلہ میں یہ لونڈی عاتب بن بلتعہ کے پاس بھی آئی۔ اور عاتب نے
کچھ سامان کے ساتھ ایک رقعہ بھی دیا۔ جو اہل مکہ کو دکھایا تھا۔ جس میں مذکور تھا کہ عنقریب
تم پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حملہ کرنے والے ہیں۔ اپنا تحفظ کر لینا۔

سارہ نامی لونڈی جب رقعہ لے کر عازم کو ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ، علیؓ، زبیرؓ، عمارؓ، مقدادؓ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس کے پیچھے بھیجا۔ کہ جاؤ اس سے رقعہ چھین لاؤ۔ یہ حضرات جب اُس کے پاس پہنچنے میں کامیاب ہوئے۔ اور اس سے رقعہ کے بارے میں پوچھا۔ تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ سامان کی تلاشی بھی لی گئی۔ لیکن دستیاب نہ ہوا۔ تو واپسی کا ارادہ کر لیا۔

لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کبھی غلط نہیں ہو سکتی۔ لہذا اگر تم نے رقعہ نہ نکالا۔ تو تیری گردن اڑا دوں گا۔ اس پر جان بچانے کے لیے اس لونڈی نے اپنے بالوں سے وہ رقعہ نکالا۔ اور یہ حضرات رقعہ لے کر واپس واپس آ گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جمع فرمایا۔ اور برسر منبر اعلان فرمایا۔ کہ جس نے تم میں سے اہل مکہ کو یہ رقعہ دکھا ہے۔ اگر وہ اعتراف کرے۔ تو اس کی جان بخشی ہو سکتی ہے۔ آپ کے دو مرتبہ اعلان فرمانے کے بعد عاتب بن ابی بنفہ، امیٹھے۔ اور کہنے لگے کہ میں نے خط اس لیے دکھا ہے کہ میرے بچے کو میں بے یار و مددگار تھے اور میں کافروں پر کچھ احسان کر کے اپنے بچوں کو کچھ تحفظ دینا چاہتا تھا اور فتح تو آپ کو مونی ہی ہے۔

تفسیر منہج الصادقین :-

آنحضرت صدیقی اور نمود، مژرا اور قبول فرمود۔ عمر خطاب از جائے خود برخاست گفت یا رسول اللہ اجازت فرمائی تا گردن این منافق بزم رسول فرمود کہ دی از اہل بدراست و خدائی تعالیٰ بدیاز او عدہ مغفرت دادہ و ایشان را بخطاب مستطاب و داعملو اما شتمتم فقد غفرت محکم

(تفسیر منہج الصادقین جلد ۲ صفحہ ۲۸۰ مطبوعہ تہران سن ۱۳۳۳ھ)

ترجمہ ۱۔

حنوفی ائمہ علیہ وسلم نے اس کے بیان کی تصدیق فرمائی۔ اور اس کا عند قبول فرمایا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور عرض کی یا رسول اللہ! اگر اجازت ہو۔ تو اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ فرمایا۔ یہ اہل بددین سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے در بدری، صحابہ کے متعلق مغفرت کا وعدہ فرما کر انہیں یہاں تک فرمادیا۔ کہ تم جو چاہے مل کرو۔ میں نے نہیں معاف کر دیا ہے۔

الحاصل ۱۔

غلامہ کلام یہ ہے۔ کہ شیعہ حضرات آج تک یہی اعتراض کرتے چلے آ رہے ہیں۔ کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ میدان احد سے بھاگ گئے تھے۔ اور اس وجہ سے یہ لوگ معاذ اللہ مرتد اور کافر ہو گئے تھے۔ لیکن شیعہ پیروؤں کی طرح اَفْتُوْا مَنُوْنَ بِبَعْضِ اٰلِکِتَابِ وَتُکْفَرُوْنَ بِبَعْضِ کَامَصْدَقِ بْنِ کَعْبٍ یٰس۔ اور پھر اس کی سزا کے حق دار ہوئے۔ جو ان پیروں کے لیے قرآن نے فرمائی۔

فَمَا جَزَاءُ مَن يَفْعَلْ مِثْلَ مَا لَا خَيْرَ عَمَّا فِي الْكِتَابِ الدُّنْيَا وَآلِ الْيَوْمِ الْآخِرِ مِمَّا كَذَّبُوا إِلَى أَشَدِّ الْعَذَابِ -

ترجمہ ۱۔ تو انہیں جزا اس کی جو تم میں سے یہ فعل کرے مگر دنیوی زندگی میں ذلت اور قیامت میں ان لوگوں کو سخت عذاب کی طرف لوٹایا جائے گا۔

اس آیت کریمہ کے مصداق شیعہ لوگوں کا بھی من و عن وری طریقہ ہے۔ جو یہود کا تھا۔ کیونکہ قرآن پاک میں ہے۔ کہ کفار کے یکبارگی حملہ کی وجہ سے مسلمان صحابہ کرام میدان احد سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ کیونکہ یہ حملہ ان کی پشت کی طرف

سے کیا گیا تھا۔

تو اسی کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ غلطی معاف کر دی ہے بلکہ معافی کے ساتھ مزید فضل و انعام کا بھی ذکر فرما دیا۔ لیکن شیعہ لوگ ہیں۔ کہ پہلی بات کہ قرآن کریم میں بنا تے ہیں۔ اور دوسری بات کہ نہیں ملتے۔
 لہذا ان کی سزا بھی یہی ہے۔ کہ دنیا میں ہمیشہ کے لیے ذلت و رسوائی بشکل تیری ہو
 ماتم اور قیامت میں عذاب شدید۔ اور اللہ ان کے اعمال سے بے خبر نہیں۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)



طعن سوم

صدیق اکبر سے سورۃ برأتہ کے سنانے کا اختیار واپس

لے کر حضرت علی کو سونپا گیا

اللہ تعالیٰ نے جب سورۃ برأتہ نازل فرمائی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا۔ کہ جاؤ اور کہہ دو کہ سورۃ سنائے۔ جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تعمیل ارشاد کے لیے چل پڑے۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ اور فرمایا۔ ابو بکر صدیق کے پیچھے جاؤ۔ اور اُن سے سورۃ برأتہ سنے لینا۔ اور خود اس کا اہل مکہ میں اعلان فرمانا۔ لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صدیق اکبر سے سورۃ برأتہ لے لی۔ اور پھر خود اس کا اعلان فرمایا۔

(ترمذی شریف جلد دوم ابواب التفسیر)

سورۃ توبہ ص ۱۲ مطبوعہ سعیدہ کتب خانہ لاہور

لہذا جو شخص ایک قرآنی سورت کے اعلان کی قابلیت نہ رکھتا ہو۔ اس کو تمام امت مسلمہ کی نمائندگی شریعت کے تمام احکام کی ترجمانی

اور قرآنی ارشادات کی تفسیر پر کس طرح زمین بنایا جاسکتا ہے؟ اور ایسے شخص کی امامت ہو
کی امامت اور خلافت کا اہل کیوں کر قرار دیا جاسکتا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ براءۃ کے اعلان کی واپسی کا حکم فرما کر اس بات کی نشاندہی کر
دی کہ ابوبکر صدیق منصب خلافت و امامت کے اہل نہیں تھے۔

جواب :- ترمذی شریف کی حدیث نقل کرنے میں خیا

اہل تشیع نے ترمذی شریف کے حوالہ سے جو حدیث پیش کی ہے اور اسے
طعن کا سبب قرار دیا ہے۔ اس میں انہوں نے خیانت سے کام لیا۔ لہذا پہلے
حدیث ترمذی شریف من و من پیش کرتے ہیں۔ اور پھر اس کے جواب کی طرف
متوجہ ہوں گے۔

ترمذی شریف :-

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبَا بَكْرٍ وَأَمَرَهُ أَنْ يُنَادِيَ بِهَؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ ثُمَّ أَتْبَعَهُ عَلِيًّا قَبِيلًا مَا أَبُو بَكْرٍ فِي بَعْضِ الطَّرِيقِ إِذْ مِيعَ رُعَاءُ نَافِثَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْفُصُولِ وَخَرَجَ أَبُو بَكْرٍ فَرِغًا فَظَنَّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا هُوَ عَلَى قَدَمِ النَّبِيِّ كِتَابَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمَرَ عَلِيًّا أَنْ يُنَادِيَ بِهَؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ فَانْطَلَقَا وَحِجَا وَقَامَ عَلِيٌّ أَيَّامَ الشَّرِيقِ فَنَادَى

ذَمُّهُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ بَرِيَّةٌ مِّنْ كُلِّ مُشْرِكٍ فَسَيَحْوَا
 فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَلَا يَحْتَجُّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ
 وَلَا يَطُوقَنَّ بِالنَّبِيِّ عَزَائًا وَلَا يَدْخُلُ النَّجْثَةُ
 إِلَّا مُؤْمِنٌ وَكَانَ عَلَيْهِ تِنَادِي فَإِذَا اقْتَرَعَ قَامَ
 أَبُو بَكْرٍ فَتَنَادَى بِهَا -

ترندی شریف جلد دوم الباب التفسیر

سورۃ توبہ منہا مطبوعہ سعید کتب لاچک

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بھیجا اور فرمایا وہاں جا کر ان کلمات (سورۃ براءہ) کا اعلان کرو۔ پھر ان کے پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ حضرت ابوبکرؓ بھی راستہ ہی میں تھے کہ چانک انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازبٹنی و تصواہر کی آواز سنی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گھبرا گئے۔ اور خیال کیا کہ اُس نے اسے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ لیکن جب قریب اُس نے تو وہ حضرت علی تھے۔ ابوبکرؓ نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ رقعہ دے دیا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہا کہ آپ ان کلمات (سورۃ براءہ) کا اعلان کریں۔ دونوں چل پڑے۔ اور دونوں نے حج کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایام تشریق میں ان کلمات کا اعلان کیا۔ اور کہا کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بری الذمہ ہیں۔ مشرکوں! تم چار مہینوں تک چل پھر لو اس سال کے بعد تم میں کوئی بھی نہ حج کرے گا۔ اور نہ کسی کو ننگے ہو کر طواف کرنے کی اجازت اور مومن کے سوا کوئی جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ اور حضرت علیؓ اعلان کرتے رہے پھر جب اپنے فانی ہو گئے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ ٹھٹھ بولے اور ان کلمات کی منادی کی

اس واقعہ میں حقیقی صورت حال یوں ہے

جہاں تک ہم نے کتب اہل سنت کا مطالعہ کیا۔ ہمیں ان میں یہ حدیث مختلف نظر آئی۔ اکثر روایات اس مضمون کی ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنی نیابت کے طور پر امیر مقرر کیا، بنا کر بھیجا تھا۔ اور اس وقت سورۃ برآۃ نازل ہوئی۔ جب آپ روانہ ہو چکے تھے۔ اس سورت میں مشرکین کے نقض عہد کا ذکر ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ سورۃ دے کر صدیق اکبر کے پیچھے بھیجا۔ تاکہ یہ تازہ احکامات بھی لوگوں تک پہنچ جائیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمانے پر سورۃ برآۃ کے تازہ احکامات کو لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ روانہ ہو گئے۔ صدیق اکبر چونکہ اس وقت مدینہ سے نکل چکے تھے۔ لہذا انہیں یہ ذمہ داری سونپی گئی۔ اور نہ ہی ان سے اس ذمہ داری کی واپسی کا مسئلہ ہو سکتا ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے۔ کہ دو مختلف کام دو مختلف اشخاص کے سپرد کیے گئے۔ ”امیر مقرر“ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بنائے گئے۔ اور سورۃ برآۃ کے احکامات کا اعلان حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا گیا۔

فتح الباری شرح صحیح البخاری :-

عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ رَجَعَ عَنْ عُمَرَةَ الْخَيْمَرَانَةِ بَعَثَ أَبَا بَكْرٍ عَلَى النَّحَاجِ فَأَقْبَلْنَا مَعَهُ حَتَّى إِذَا كُنَّا بِالنَّحَاجِ بِالنَّحَاجِ فَمِيعَ رَهْوَةً نَاهِيَةً النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَا دَا عَلِيٍّ فَقَالَ لَهُ أَمِيرٌ أَوْ رَسُولٌ فَقَالَ بَلَى أَرْسَلَنِي رَسُولٌ اللَّهُ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْرَأَةٌ لِرَأْسِهِ عَلَى النَّاسِ
فَقَدْ مَنَّا مَكَّةَ فَلَمَّا كَانَ قَبْلَ يَوْمِ التَّوْبَةِ بَيَّعَهُم
قَامَ أَبُو بَكْرٍ فَخَطَبَ النَّاسَ يَمْنًا سَيَكُونُ حَتَّى إِذَا خَرَجَ
قَامَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ عَلَى النَّاسِ بَرَاءَةً حَتَّى تَحْتَمِلَهَا
نَفْسُكَ كَانَ يَوْمَ التَّحْرِكِ كَذَلِكَ.

(فتح الباری شرح صحیح البخاری جلد ۳)

۲۵۷ مطبوعہ مصر

ترجمہ: جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب
جہاز سے عمرہ کر کے واپس تشریف لائے۔ تو آپ نے ابو بکر صدیق کو
”امیر الحج“ بنا کر بھیجا۔ ہم ابو بکر صدیق کے ساتھ چل پڑے۔ یہاں تک
کہ ہم جب بوقت صبح مقام ”عرج“ پر پہنچے۔ تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی (قصوا) کی آواز سنی۔ دیکھا۔ اس پر
حضرت علی رضی اللہ عنہ سوار ہیں۔ ابو بکر صدیق نے پوچھا۔ آپ امیرین کو
یا قاصدین کو تشریف لارہے ہیں۔ کہا ہاں مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے ”سورۃ براءۃ“ دے کر بھیجا ہے۔ تاکہ میں اس کو لوگوں کے سامنے
پڑھ کر سنائوں۔ ہم سب مکہ آگئے۔ جب آخر ذوالحجہ کا دن آیا۔ تو
ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا۔ اور لوگوں کو مناسک حج کی
تعلیم دی۔ جب فارغ ہوئے۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے
ہوئے۔ اور انہوں نے سورۃ براءۃ کو اول تا آخر پڑھ کر سنایا۔ پھر دس
ذی الحجہ کو بھی ایسے ہی ہوا۔

روایاتِ بالا سے شیعوں کے ہاتھ کچھ بھی نہیں آتا۔

ابھی جو روایت اور پر مبعثر ترجمہ کے مذکور ہوئی۔ اس سے قطعاً شیعہ حضرات کا موقف نہیں بن سکتا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر صدیق کو امیر الحجاج، ابوبکر صدیق تھا۔ سورۃ برآۃ کی تبلیغ ان کے سپرد ہی نہ تھی۔ "امیر الحجاج" ہونے کی حیثیت سے صدیق اکبر نے لوگوں کو خطبہ دے کر طریقہ صحیح تعلیم فرمایا۔ ان کے بعد جو ذمہ داری حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تھی۔ یعنی سورۃ برآۃ کے احکامات پر طرہ کرنا نہ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی ذمہ داری نبھادی۔ لہذا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر یہ طعن کہ آپ کو وہ احکامات سورۃ برآۃ سے معزول کر دیا گیا تھا۔ اس کا مذکورہ روایت میں نام و نشان تک نہیں

بعض روایات میں صدیق اکبر کا امیر الحجاج بنایا جاتا

اور سورۃ برآۃ کے احکامات کی تبلیغ کرنا بھی موجود ہے

کچھ ایسی روایات بھی ہیں۔ جن میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے امیر الحجاج بنائے جانے اور سورۃ برآۃ کے احکامات کے اعلان کرنے کا ذکر ہے۔ ابتداء دونوں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سپرد کیئے۔ لیکن بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ اور فرمایا ابو بکر صدیق سے سورۃ برآۃ کے کرم اعلان کا

فتح الباری :-

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
أَبَا بَكْرٍ يَبْدَأُ إِلَى أَهْلِ مَكَّةَ وَبَعَثَهُ عَلَى الْمُؤْمِمِينَ

مَعَدَّ بَعَثَنِي فِي آثَرِهِ فَأَدْرَكْتُهُ فَاخَذْتُهَا مِنْهُ فَقَالَ
 أَبُو بَكْرٍ مَا لِي قَالَ خَيْرٌ أَنْتَ صَاحِبِي فِي
 النَّارِ وَصَاحِبِي عَلَى الْحَوْضِ خَيْرٌ أَمَّا
 لَا يَبْلُغُ عَنِّي غَيْرِي أَوْ رَجُلٌ
 مِثِّي -

(فتح الباری جلد نمبر ۲۵۲ سورۃ البراءۃ)

مطبوعہ مصر

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم
 ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر الحجاج بنایا اور انہیں سورۃ برات دے کر
 بھیجا تو ان کے بعد مجھے ان کے پیچھے بھیجا کریں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
 سے سورۃ برات لے کر خود اعلان کرائیں تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی پاک
 صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضور! میرے لیے کیا ہے؟ آپ نے
 فرمایا تیرے لیے بھلائی ہے۔ تو غار میں میرا ساتھی ہے اور اسی طرح حوض کا
 پر بھی میرا ساتھی ہوگا۔ مگر سورۃ برات کا اعلان میرے اور میرے گھر کے
 آدمی کے بغیر کوئی نہیں کر سکتا۔

لیکن اس قسم کی روایات سے بھی صدیق اکبر کی ذات مطہرہ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ
 یہ بات دونوں طرح کی روایات میں موجود ہے۔ کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ امیر الحجاج
 عز و جت سے گئے تھے۔ سورۃ برات کی تبلیغ کے بارے میں اختلاف ہے۔ کہ آپ کو یہ
 ذمہ داری ابتداءً سپرد کی گئی تھی۔ یا نہیں، اگر ابتداءً ہی آپ کو یہ ذمہ داری نہیں سونپی
 گئی۔ تو معزولی کا معنی ہی کوئی نہیں بنتا اور اگر آپ کو ابتداءً یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی
 اور بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کی گئی۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجنے

کی ضرورت اس لیے پیش آئی۔ کہ ان دنوں قبائل عرب میں یہ ایک طریقہ تھا کہ جب کسی عہد و پیمان کو توڑنا ہوتا۔ تو اس کے لیے سب سے بہتر تو وہی شخص ہوتا جس نے عہد و پیمان باندھا ہوتا تھا۔ اگر وہ نہ ہو۔ تو اس کا بیٹا، بھائی، داماد وغیرہ قریبی رشتہ دار توڑ سکتے تھے۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ خود توحہ پر نہیں جا رہے تھے۔ اس لیے آپ نے حضرت علی کو فرمایا تم میری طرف سے یہ اعلان کر دینا کہ آج سے تمہارا ہمارا معاملہ ختم ہے۔

اس واقعہ سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں کون سی کمی آگئی۔ جس کی بنا پر قرآن پر یمن کئے جا رہے ہو حالانکہ جہاں آپ سے سورۃ برأت کی تبلیغ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منتقل کی گئی وہاں آپ کو حوض کوثر پر مصاحبت رسول کے مرتبہ علیہ السلام سے بھی نوازا گیا ہے جو کہ دنیا کے تمام مراتب و مناصب سے کہیں بالا واسطے ہے علامہ ازہبی اگر عقیق سے دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امیر المومنین کا عہدہ ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔ ہر لاکھوں مسلمانوں کا سربراہ ہوتا ہے۔ اور ہر قسم کے فرائض کی ادا تھی اس کے سپرد ہوتی ہے۔

اس کے مقابلہ میں سورۃ برأت کی آیات کا اعلان کرنا کوئی اتنا بڑا کام نہ تھا۔ کیونکہ وہ عہد آواز سے ایک حکم لوگوں تک پہنچا دینا تھا مگر قانون عرب کے مطابق ضروری تھا کہ یہ کام خود نبی یا آپ کا کوئی رشتہ دار ادا کرتا اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو اس کے لیے اپنا نائب بنا کر بھیجا۔ اب جبکہ حضرت صدیق اکبر کا امیر المومنین ہونا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی برأت کا مبلغ بنانا ثابت ہے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ابوبکر صدیق کے ماتحت ہو کر اپنا کام انجام دیتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض روایات کے مطابق خود ابوبکر صدیق نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو فرمایا۔ کہ وہ سورۃ برأت کی آیات کی تلاوت میں ان کی مدد کریں اور صدقہ کے نفاذ کے سلسلہ میں اپنا تعاون پیش کریں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

ابوبکر صدیق نے امیر الحجاج ہونے کی حیثیت اعلان برائے میں
حضرت علی کے لیے ابوسہریرہ کو ان کا معاون بنایا
بخاری شریف :-

إِنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ بَعَثَنِي أَبُو بَكْرٍ فِي تِلْكَ
الْحَجَّةِ فِي مَثَوِيْنِ بَعَثَهُمْ يَوْمَ التَّحْرِ
ثِيَوَاتُكَ يَمْنَى أَنْ لَا يَحْجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ
وَلَا يَطُوفَ بِالْبَيْتِ عَرِيَانٌ قَالَ حَمِيدُ بْنُ
عَبْدِ الرَّحْمَنِ ثُمَّ أَرَدَتْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْلِي بَيْنَ آخِ طَالِبٍ وَ
أَمْرَةٍ أَنْ ثِيَوَاتُكَ يَبْرَأَةً قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ
خَازِنَ مَعْنَا عَلَيْهِ يَوْمَ التَّحْرِ فِي أَهْلِ مِثْلِ
يَبْرَأَةٍ قَدْ أَنْ لَا يَحْجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ
وَلَا يَطُوفَ بِالْبَيْتِ عَرِيَانٌ .

بخاری شریف جلد دوم ص ۶۱۱ پارہ ۱۹ مطبوعہ

نور محمد کراچی

ترجمہ :- حضرت ابوسہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے ابوبکر صدیق نے سہرہ
میں ہونے والے حج کے اذکار اعلان کرنے والوں میں بھیجا۔ اس حج میں
حضرت ابوبکر صدیق امیر الحجاج تھے۔ یہیں یہ کہا گیا تھا کہ یوم النحر کوئی
میں یہ اعلان کریں کہ کوئی مشرک اس سال کے بعد حج کرنے آئے۔

اور نہ ہی کوئی ننگا ہو کر طواف کرے گا۔ حمید بن عبد الرحمن کہتے ہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ اور انہیں براہت کا اعلان کرنے کو کہا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ ہمارے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یوم النحر کو منیٰ میں موجود لوگوں کے اندر اعلان کیا کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بری الذمہ ہیں اور یہ بھی اعلان کیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کرنے ہرگز نہ آئے گا۔ اور نہ ہی کوئی ننگے ہو کر طواف کرے گا۔

تنبیہ :

ناظرین کرام! آپ ذرا غور فرمائیں کہ کیا اس حدیث یا دیگر احادیث کے مضمون کے مطابق شیعوں حضرات کا طعن بنتا ہے۔ یا بہتان و افتراء ہے؟ یہ لوگ اس طعن سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ابو بکر صدیق جب ایک سورۃ کی تبلیغ کے قابل نہ تھے تو وہ خلافت کے متحمل کیوں کر ہو سکتے ہیں؟

آپ غور فرمائیں۔ اگر واقعی ان کے کہنے کے مطابق صدیق اکبر میں ایک سورۃ کی تبلیغ کی قابلیت اور لیاقت نہ ہوتی۔ تو ابتداءً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اس کام کے لیے منتخب کیوں فرماتے۔ بلکہ یہ تو ایک معمولی فریضہ تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو اس سے زیادہ اہم فریضہ ”امیر الحجاج“ کا آپ کو سپرد فرمایا۔ شیعوں یہ تو کہتے ہیں کہ سورۃ براءۃ کے اعلان سے آپ کو معزول کر دیا گیا۔ لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ آپ کو امیر الحجاج کے منصب اعلیٰ سے بھی دستبردار کر دیا گیا۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بعد میں انتخاب کر کے ابو بکر صدیق کے پیچھے روانہ کرنا اسی سبب سے تھا کہ عرب قبائل میں عہد کے توڑنے کے اعلان کے لیے خود عہد کرنے والے یا اس کے کسی قریبی

کا ہونا ضروری سمجھا جاتا تھا ورنہ آپ کے حق میں کوئی وحی نہیں اتری تھی کہ ابو بکر عمدہ کے قابل نہیں لہذا اس کو معزول کر کے ان کی جگہ حضرت علی کو معین کر دیا کہ اس کی تائید شیعوں مورخ امداد بن یعقوب نے اپنی کتاب مشہور تاریخ یعقوبی میں یوں کی ہے۔

تاریخ یعقوبی :-

وَحَبَّ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ بِسُورَةِ الْبَرَاءَةِ فَآخَذَهَا
مِنْ أَبِي بَكْرٍ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَذَا نَزَلَ فِيَّ
فَتَنِي فَقَالَ لَا وَلَيْكِنْ جَبَّارِي قَالَ لِي لَا يَبْلُغُ هَذَا إِلَّا لَأَنْتَ
أَوْ رَجُلٌ مِمَّنْ أَهْلِكَ -

(تاریخ یعقوبی ص ۳۷ جلد ۲ تذکرہ الأمر علی السراپا)

(والجیوش)

ترجمہ :- سورہ برائۃ کے لیے حضرت علی و ابو بکر کے پیچھے روانہ ہوئے اور ابو بکر سے اس کو کپڑا دیا تو ابو بکر نبی علیہ السلام سے عرض کی کیا میرے حق میں کوئی حکم نازل ہوا ہے آپ نے فرمایا نہیں لیکن جبرائیل نے آکر کہا کہ سورۃ برائۃ کی آپ یا آپ کی اہل سے کوئی آدمی تبلیغ کرے۔

چیلنج :-

شیعوں حضرات نے اس طعن کی بناء حدیث ترمذی کو بنایا جس سے مروڑ ترور کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میں خلیفہ بننے کی اہلیت نہیں تھی اس لیے میں نے سورۃ برائۃ کی حقیقت حال کو کتب حدیث اہلسنت سے ایسا واضح کیا کہ جس کے پڑھ لینے کے بعد وہ آدمی جس کے سینے میں ایمان اور رائی بھر بھی

انصاف ہے وہ اس واقعہ سورۃ برأۃ سے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات پر کسی قسم کا
 طعن نہیں کر سکتا بلکہ یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گا یہ واقعہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علیہ
 ہونے پر ایک بہت بڑی قوی اور مضبوط دلیل ہے کیونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے
 تمام صحابہ اکرام اور اہلبیت بمعہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ
 کی موجودگی میں اپنے قائم مقام ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر الحجاج منتخب فرمایا اور
 ان کی زیر امارت تمام صحابہ اکرام اور اہلبیت نے حج کیا اور ان کے پیچھے نمازیں پڑھیں
 اور کسی ایک نے بھی آپ کے امیر الحجاج بنانے پر اعتراض نہ کیا تو اس سے بڑھ کر
 ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلیفہ برحق ہونے کی کیا دلیل ہو سکتی ہے میں تمام دنیا کے اہل
 تشیع کو چیلنج کرتا ہوں کہ کوئی شیعہ مولوی ایک صحیح حدیث دکھا دے کہ نبی پاک صلی اللہ
 علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کبھی امیر الحجاج بنایا ہو یا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے
 امیر الحجاج بنانے کے بعد ان کو معزول کر کے ان کی جگہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امیر الحجاج بنا
 ہوا تو میں اس شیعہ مولوی کو بیس ہزار نقد انعام پیش کروں گا :

فرا ت اور طبری شیعہ مفسران نے تسلیم کر لیا کہ حضرت علی نے
 ابو بکر صدیق کی زیر امارۃ سورۃ برأۃ کا اعلان کیا اور ابو بکر صدیق
 کو نبی علیہ السلام نے مصاحبت غار ثور کا انعام یاد دلا کر خوش کر دیا ۔

مجمع البیان

بَرَاءَةٌ دَفَعَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى أَبِي
بَكْرٍ ثُمَّ أَخَذَهَا مِنْهُ وَدَفَعَهَا إِلَى عِلَاقِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ
وَاحْتَمَلُوا فِي تَفْصِيلِ ذَلِكَ فَقِيلَ إِنَّهُ بَعَثَهُ وَأَمَرَهُ
أَنْ يَقْرَأَ عَشْرَ آيَاتٍ مِنْ أَوَّلِ هَذِهِ السُّورَةِ وَأَنْ
يُنْبِذَ إِلَى كُلِّ ذِي عَهْدٍ عَهْدَهُ ثُمَّ بَعَثَ عَلِيًّا خَلْفَهُ
لِيَأْخُذَهَا وَيَقْرَأَ هَا عَلَى النَّاسِ وَمَخْرَجَ عَلِيٌّ نَاقَةَ
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغَضْبَاءَ حَتَّى
أَذْرَكَ أَبَا بَكْرٍ يَدِي الْحَكِيفَةَ فَأَخَذَهَا مِنْهُ وَقِيلَ إِنَّ
أَبَا بَكْرٍ رَجَعَ فَقَالَ هَلْ نَزَلَ فِي شَيْءٍ فَقَالَ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا إِلَّا خَيْرًا وَلَكِنْ لَا
يُؤْذِي عَيْتِي إِلَّا أَنَا أَوْ رَجُلٌ مِثِّي وَقِيلَ إِنَّهُ قَدِمَ عَلَيْهِ
بَرَاءَةٌ عَلَى النَّاسِ وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ

(مجمع البيان جلد ۳ جز ۵ ص ۳ مطبوعہ تہران طبع)

مہدی

ترجمہ: تمام مفسرین کرام نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ جب سورۃ براءۃ نازل
ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دے دی۔
پھر ان سے لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دے دی۔ اس کی تفصیل میں
مفسرین نے اختلاف کیا ہے۔ کہا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
ابو بکر صدیق کو مکہ کی طرف روانہ فرمایا۔ اور حکم دیا کہ اس سورت کی ابتدائی
دس آیات تلاوت کی جائیں۔ اور ہر عہدہ والے سے اس کا عہد ختم کروایا جائے
پھر ان کے پیچھے حضور نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا تاکہ ابو بکر سے

لے کر یہ خود پڑھیں۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اڑنی پر سوار ہو کر چل پڑے۔ اور مقام "ذی الحلیفہ" میں صدیق اکبر کو جاتے ان سے وہ سورۃ لے لی۔ اور کہا گیا ہے کہ ابوبکر واپس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئے اور پوچھا کیا کوئی اس بارے میں نئی چیز اتزی ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب کچھ اچھا ہی ہے لیکن میری طرف سے اس معاہدہ کے توڑنے کا اعلان وہی کر سکتا ہے جو ہمارا رشتہ دار ہو گا۔ کہا گیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو سورۃ برۃ پڑھ کر سنائی۔ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ "امیر الحجاج" تھے

فراٹ کوئی

كَسَارَ عَلِيٌّ عَلَيْنَا فَتَبَّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَادْرَكَهُ يَذِي الْحُلَيْفَةِ فَلَمَّا رَأَى أَبُو بَكْرٍ قَالَ أَمِيرًا أَوْ مَا مَوَدًّا فَقَالَ عَلِيٌّ بَعَثَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَتَذَنَّبَ إِلَيَّ بَرَاءَةُ قَالَ فَذَنَّبَهَا وَانْصَرَفَ أَبُو بَكْرٍ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا لِي نَزَعْتَ مِنِّي بَرَاءَةً أَنْزَلَ فِي شَيْءٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ جَبْرَيْلَ نَزَلَ عَلَيَّ خَاطِبًا فِي أَنَّ اللَّهَ يَا مَرْفُءُ أَنَّ لَكَ نِيَّوِي عَجَبِي أَوْ رَجُلٍ مِنِّي وَأَنَا وَعَلِيٌّ مِنْ شَجَرَةٍ وَاحِدَةٍ وَالنَّاسُ مِنْ قَبْعٍ بَيْنِي أَمَا تَرْضَى يَا أَبَا بَكْرٍ أَنَّكَ صَاحِبِي فِي الْغَارِ قَالَ بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ

(تفسیر قرأت کو فی ص ۵۹ مطبوعہ نجف اشرف)
 ترجمہ: علی رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری پر سوار ہو کر چلے
 اور ابو بکرؓ کو مقام ذوالحلیفہ میں آیا، ابو بکر نے جب انہیں دیکھا تو کہا امیر
 بن کر آئے ہو یا مامور بن کر، کہا مجھے نبی علیہ السلام نے اس لیے بھیجا ہے
 کہ سورۃ براءت کی آیات میرے حوالہ کر دیں۔ چنانچہ ابو بکر نے آیات
 انہیں دے دیں اور واپس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف
 لے آئے اور عرض کی یا رسول اللہ! آپ نے آیات براءت مجھ سے
 واپس لی ہیں۔ کیا میرے متعلق کوئی امر نازل ہوا ہے؟ نبی صلی اللہ
 علیہ وسلم نے فرمایا۔ جبریل میرے پاس آئے اور بتلایا کہ اللہ مجھے کہہ
 رہا ہے کہ سورۃ براءت میں خود جا کر لوگوں کو سناؤں یا میرے خاندان
 کا کوئی دوسرا فرد اور میں اور علی ایک ہی ورغمت سے بنے ہیں۔ باقی
 لوگ مختلف درختوں سے ہیں۔ کیا تو اس پر راضی نہیں کہ تو غار میں میرا
 ساتھی چار عمر من کی ہاں یا رسول اللہ۔

امام باقر کا قول ہے کہ نبی علیہ السلام نے ابو بکرؓ کو
 امیر الحجاج بنایا تھا اور اعلان براءت کی ذمہ داری
 سونپی ہی نہ تھی

تفسیر عیاشی

عَنْ زُرَّادَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقُولُ

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مَا بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبَا بَكْرٍ
يَبْرَأَةً أَهْرَ كَانَ يَبْعَثُ بِهَا مَعَهُ شَقٌّ يَأْخُذُهَا عَنْهُ
وَلَيْكِنَّا اسْتَعْمَلَهُ عَلَى الْمُؤَسِّسِ وَبَعَثَ بِهَا عَلِيًّا بَعْدَ
مَا فَصَلَ أَبُو بَكْرٍ عَنِ الْمُؤَسِّسِ فَقَالَ تَعْلِيحُ عَيْبٍ
بَعَثَهُ أَنَّهُ لَا يُؤَدِّي عَنِّي إِلَّا أَنَا وَأَنْتَ

تفسیر عیاشی جلد ۲ ص ۴۷ زیر آیت برادرہ

من الله ورسوله الخ

ترجمہ :- زرارہ سے مروی ہے کہ میں نے ابو جعفر امام باقر علیہ السلام
سنا آپ فرماتے تھے کہ اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے ابو بکرؓ کو سورۃ براءت دے کر نہیں بھیجا تھا۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ
آپ ابو بکرؓ کو ایسا کام سونپیں اور پھر واپس لے لیں؟ بلکہ آپ نے
انہیں موسم حج کا امیر بنا کر بھیجا تھا اور علیؓ مرتضیٰ کو اعلان راءت کا
کام دے کر اس وقت بھیجا۔ جب صدیق اکبرؓ اپنے کام کو جا چکے تھے
چنانچہ علیؓ سے فرمایا۔ جب انھیں بھیجا کہ یہ اعلان میری طرف سے
یا تم کر سکتے ہو یا میں خود کر سکتا ہوں۔

یاد رہے، تفسیر عیاشی شیخہ حضرات کی بڑی مایہ ناز تفسیر قرآن ہے جس کا
مصنف ہے ابو نصر محمد بن سعود عیاش سمرقندی، اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ مذکورہ
بالروایت کے تحت مذکورہ بالا صفحہ کے حاشیہ میں لکھا ہے، کہ یہ روایت
بخاری الاثر، اور تفسیر صافی میں بھی موجود ہے، گویا اہل تشیع کے مفسرین و محدثین
کی متفق علیہ روایت یہ قرار پائی۔

”علامہ طبری وقرات نے یہ بات بالکل واضح کر دی۔ کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ابو بکر
 رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر الحجاج نہیں بنایا تھا۔ صرف آیات برآۃ کی تبلیغ
 کی ذمہ داری سونپی تھی۔ اور پھر انہیں اس سے معزول کر دیا۔ معزولی کے بعد ان کی جگہ حضرت
 علی رضی اللہ عنہ کو مقرر کر دیا۔ یہ سب باتیں بے بنیاد اور غلط ہیں۔ بلکہ حضرت ابو بکر صدیق
 رضی اللہ عنہ امیر الحجاج تھے۔ اور پھر سورۃ برأت کی آیات پڑھنے کی اصنافی ذمہ داری بھی
 سونپی گئی تھی۔ جو کہ اس لیے واپس لے لی گئی۔ کہ ان آیات سے معاہدہ کو توڑنے کا اعلان
 مقصود تھا۔ اور اس کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت والا ہی کوئی مفید ہو سکتا تھا
 لہذا آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ابو بکر صدیق کو
 اِنَّكَ صَلَاحِي فِي الْخَاسِرِ کا انعام یاد دلا کر خوش
 کر دیا۔ بلکہ امام باقر کے آخر الذکر فرمان فیصلہ کر دیا کہ صدیق اکبر کو اعلان برأت سونپا ہی
 نہ گیا تھا۔
 نکتہ :-

علمائے اہل سنت نے اس مقام پر ایک عجیب نکتہ ذکر کیا ہے۔ وہ یہ کہ اس
 دفعہ دوطرفہ کشہ تیار کیا جانا تھا۔ حج جو کہ جمال الہی کا مظہر تھا۔ اور نقض عہد جو کہ جلال الہی کا مظہر
 تھا۔ ان دونوں مختلف کیفیتوں کے لیے دو ایسے اثنا ص کا انتخاب فرمایا۔ جن میں ایک
 جمال الہی کا مظہر اور دوسرا جلال الہی کا پیکر تھا۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ وہ
 شخصیت تھے کہ جن کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تھا۔ ”ای بکر قول تو قول
 ابراہیم است“ تو اس اعتبار سے صدیق اکبر جمال الہی کا مظہر تھے۔ اور آپ کو رحمت والاحصہ
 یعنی حج کا امیر بنایا گیا۔ دوسری طرف نقض عہد میں قہر و غضب الہی کا مظہر ہونا چاہیے تھا۔
 اس کے لیے حضرت علی جو کہ ”اسد اللہ“ تھے۔ ان کا انتخاب کیا گیا تاکہ منہج پر جو مسلمانوں اور
 غیر مسلموں پر مشتمل تھا۔ جلال و جمال الہی کا اظہار ہو جائے۔

طعن چہارم

ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) میں بارِ خلافت

اٹھانیکی اہلیت نہ تھی

یہ بات اپنی جگہ حقیقت ہے کہ معجز و انکسار انسان کی اعلیٰ صفات میں سے ہے، اور تو اور! میاں بی باوجود مصوم از خطا رہنے کے ہمیشہ خوفِ خدا سے ڈرتے اور اللہ سے استغفار کرتے رہے۔ جناب یوسف علیہ السلام نے وَمَا أُكْبِرُ بِحُكْمِي لَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ یعنی میں اپنے نفس کو بری قرار نہیں دیتا کیونکہ نفس کثرت سے برائی کا حکم دینے والا ہے۔
مؤرخ شیعہ حضرات کو ابو بکر صدیق کا مبنی پر تواضع قول ملعون نظر آتا ہے۔

چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب خلافت نبیہاں رہے تو خلیفہ بننے کے فوراً بعد آپ نے خطبہ دیا اس خطبے میں اور باتوں کے علاوہ انہوں نے

یہ بھی کہا تھا۔

وَمَا آتَا إِلَّا كَأَحَدِكُمْ قَدَارًا رَأَيْتُمُوهُ
فَقَدْ اسْتَقَمَّتْ فَتَاكُمُوهُ وَإِنْ رُغِثَ
فَقَوِّمُوهُ وَاعْلَمُوا أَنَّ إِلَى شَيْطَانًا
يَغْتَرِيْبِيحُ أَحْيَانًا۔

والامامہ والسیاستہ مصنفہ ابو محمد عبد اللہ

بن مسلم جزو اول ص ۱۱۱۔ خطبہ ابی بکر

رضی اللہ عنہ مطبوعہ مصر

ترجمہ: میں بھی تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں تو جب تم مجھے کبیرے
راہ پر دیکھو تو میری بات ماننا اور اگر میں ٹیڑھا ہو جاؤں۔ تو مجھے
سیدھا کرو اور تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میرا بھی ایک شیطان ہے
جو بعض دفعہ میرے دل میں ایک دوسرے ڈال دیتا ہے

طریقہ استدلال و

جو آدمی اپنے آپ کو شیطانی رساؤں سے محفوظ نہ سمجھتا ہو۔ وہ خلافت
وامامت ایسے عظیم کام کو سرانجام دینے کا کب اہل ہو سکتا ہے۔ چونکہ ابوبکر صدیق
رضی اللہ عنہ نے خود شیطانی رساؤں کا اقرار کر کے اپنی نااہلی کو واضح کر دیا
لہذا وہ خلافت وامامت کے غاصب ہوئے۔

جواب اول

مذکور طعن میں جس کتاب سے یہ عبارت درج کی گئی ہے۔ دینی الامامہ
والسیاستہ اس عبارت کی کوئی سند بیان نہیں کی گئی۔ یعنی صدیق اکبر رضی

اللہ عنہ سے یہ باتیں کس نے نہیں۔ اور پھر آگے سنتے سنتے مصنف الامامہ و
السیاستہ تک کن واسطوں سے پہنچیں چونکہ بے سند روایات کچھ وزن نہیں
رکھتیں۔ بلکہ روایات کی صحت و سقم ان کی اسناد سے معلوم ہوتی ہے۔ لہذا
ایسی مجہول روایت ہمارے لیے قابل تسلیم نہ ہونے کی بنا پر موجب طعن ہرگز
نہیں بن سکتی۔

جواب دوم

اہل سنت کے جن حضرات نے اسماء الزجال پر قلم اٹھایا۔ ان کے نزدیک
"الامامہ والسیاستہ" کے مصنف عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہ الدینوری کذاب
اور دغاغی ہے۔ اور ایسا آدمی ہے جس کا مسلک ہی متعین نہیں بعض اسے
کرامیہ فرقہ کے متعلق کہتے ہیں۔ کچھ دوسرے حضرات نے اس کو مشتبہ
کہا ہے ایسے غیر واضح اور کذاب آدمی کی روایت اہل سنت کے ہاں
کس طرح مقبول و منظور ہو سکتی ہے۔ لہذا یہ روایت ہم پر طعن بننے کی صلاحیت
نہیں رکھتی۔ اس کتاب کے مصنف کے بارے میں تحقیق ملاحظہ ہو۔

لسان المیزان

قَالَ الْحَاكِمُ أَجْمَعَتِ الْأُمَّةُ عَلَى
أَنَّ الْقُتَيْبِيَّ كَذَّابٌ أَنَّ
الذَّارِقُطْنِيَّ قَالَ كَانَ ابْنُ قُتَيْبَةَ
يَمِيلُ إِلَى الشَّيْءِ مُنْحَوِّجٌ عَنِ
السُّوْعَةِ وَ كَلَامُهُ يَدُلُّ عَلَيْهِ وَ

سَأَلَ الْبَيْهَقِيَّ كَانَ يَرَى رَأَى
الْكُذَّامَةَ

۱۔ لسان المیزان تصنیف ابن حجر عسقلانی

جلد سوم صفحہ ۳۵۵۔ حرف العین ۱

۲۔ میزبان الاعتدال جلد دوم صفحہ ۷۷۔

حرف العین طبع مصر جدید

ترجمہ: حاکم نے کہا: تمام اُمت کا اس بات پر اجماع ہے کہ قتیبہ کذاب تھا۔ دارقطنی نے کہا: ابن قتیبہ فرقہ مشتبہ کی طرف مائل تھا اہل بیت سے کٹ چکا تھا۔ اور اس کا کلام اس امر پر دلالت کرتا ہے۔ امام بیہقی کہتے ہیں کہ ابن قتیبہ کراہیہ میں سے تھا۔

قارئین کرام! آپ نے دیکھا کہ یہ وہ شخص ہے کہ جس کا عقیدہ ہی خالص نہیں پھر اس پر مزید یہ کہ تمام محدثین اور اسما الزجال کے محققین نے اسے بالاتفاق کذاب کہا۔ تو ایسے منافق و کذاب کی روایت کب قابل اعتنا ہو سکتی ہے۔ اور اس میں معنی بننے کی صلاحیت کیسے ہو سکتی ہے؟

جواب سوم

ذَكَرَ الْمَسْعُودِيُّ فِي الْمَرْجُوحِ أَنَّ ابْنَ قُتَيْبَةَ
اسْتَمَدَ فِي كُتُبِهِ مِنْ رِجَالٍ حَسِيفَةٍ
الَّذِينَ يُورَى وَ سَمِعْتُ
شَيْخِي الْمَرَّاقِي يَقُولُ كَانَ ابْنُ قُتَيْبَةَ
كَثِيرَ الْفَلَطِ.

السان المیزان جلد سوم ص ۳۵۸-۳۵۹

حرف العین

ترجمہ مسعودی نے مروج میں ذکر کیا کہ ابن قتیبہ نے اپنی کتابوں میں ابو حنیفہ الدینوری (ثبیتی) صاحب اخبار الطوال سے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے۔ میں نے اپنے شیخ علامہ عراقی رضی اللہ عنہ سے سنا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ابن قتیبہ میں غلیطوں کا انبار تھا۔ (یعنی وہ غلط باتیں اور واقعات کثرت سے اپنی کتب میں ذکر کرنے کا عادی تھا)

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ابن قتیبہ وہ آدمی ہے جو کذاب اور بے مذہب ہونے کے علاوہ ایک کٹر شیعہ عالم کی کتابوں کا چور تھا۔ اور اس سے حاصل کیے گئے واقعات کو طبع و یا بس کے ساتھ اپنی کتابوں میں درج کیا۔ پھر اس میں اغلاط کی بھرمار اپنی طرف سے بڑھا کر لکھ دینے کا عادی ہو۔ تو ایسے آدمی کی بات تو ویسے ہی قابل قبول نہیں ہوتی۔ اور معترض ہے کہ اس کی عبارت کو بطور دلیل پیش کر رہا ہے۔

جواب چہارم

بالفرض صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب خطبہ کو درست تصور کر لیا جائے تو اس میں عن تلاش کرنا سراسر جہالت ہے۔ اور خبیث بالطنی کی دلیل ہے نظر انصاف سے دیکھنے والے کو اس خطبہ سے تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی کمال تواضع و انکساری نظر آئے گی جس کے ضمن میں ان کی منقبت ٹپکتی ہے شیطان سر دود سے پناہ چاہنا اور اس کے شر سے حفاظت کی دعا کرنا، ہر مسلمان

ایسے کرتا ہے۔ اور کرنا بھی چاہیے۔ قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں اللہ رب العزت نے جو ان کی پاکدامنی اور قید سے رہائی کے وقت کے لٹاؤ ذکر فرمائے وَمَا أُبْرِيْهِ نَفْسِيْ۔ ان کے بارے میں معترض کیا کرتا ہے؟
مدیق اکبر رضی اللہ عنہ اگرچہ اہل سنت کے نزدیک انبیاء کرام کے بعد تمام انسانوں سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ لیکن اس کے باوجود عقیدہ یہ ہے کہ وہ معصوم نہیں بلکہ محفوظ ہیں۔ لیکن اہل تشیع کا عقیدہ یہ ہے کہ امہ اہل بیت بھی معصوم ہوتے ہیں۔ تو آئیے اسی نقطہ نظر سے ذرا دیکھیں کہ جس شخصیت کو اہل تشیع معصوم کہتے ہوں وہ بہر حال ان کے نزدیک غیر معصوم سے افضل ہوگا۔ اگر ایک معصوم شخصیت شیطان کے دس و س سے پناہ مانگتی ہو۔ بلکہ یہاں تک کہہ دیا ہو کہ میری بالکل دُور شیطان کے ہاتھ میں ہے۔ اے اللہ! تو مجھے اس سے محفوظ رکھ۔ تو غیر معصوم کا اپنے متعلق ایسے الفاظ کہنا ظن کا سبب کہاں بن سکتا ہے۔ شیعہ عبارت یہ ہے۔

صحیفہ کاملہ

هَذَا مَلِكُ الشَّيْطَانِ عَسَانِي فِي سُوءِ الظَّنِّ
وَمُسْتَعِثِ الْيَقِيْنِ فَإِنَّا أَشْكُوهُ سُوْءَ
مُسَبَّأَوْرَتِهِ لِي وَطَاعَةِ نَفْسِي لَهٗ وَ
إِسْتِغْنَاءِ حَيْمُكَ مِنْ مَّالِكَتِهِ وَاتَّصَرُّعِ آيِكَ
رَحْمَةً بِكَ كَيْدِهِ آتِي

صحیفہ کاملہ سجادہ الامام زین العابدین ص ۱۲۳

الدعا والاثانی والاثلاثون بطبعہ مہر حق جریہ

جلد سوم

ترجمہ :- بدگمانی اور یقین کی کمزوری میں شیطان نے میری ہاگ دودھ پر لپی ہے۔ تو میں اسے اللہ! اس کی بڑی صحبت اور ہمائگی سے تیری بارگاہ میں شکایت کرتا ہوں اس کی گرفت اور تسلط سے بچنے کے لیے تیری ہی حفاظت کا طالب ہوں اور اس کے مکر و فریب سے بچنے کے لیے تیری بارگاہ میں گڑ گڑاتا ہوں۔

صحیفہ کاملہ۔

فَإِذَا كَانَ عُمْرِي مُرْتَعًا لِدَشَّيْطَانٍ فَأَقْبِضْنِي
إِلَيْكَ قَبْلَ أَنْ يَسْبِقَ مَقْتُكَ الْحَاوِي يَسْتَحْبِبُكُمْ
عَنْصَبُكَ عَلَيَّ۔

صحیفہ کاملہ سجادہ ص ۱۲ دعا عشرون

ادعیتہ الصحیفہ فی مکارم الاخلاق

ترجمہ :- پھر جب میری عمر شیطان کے لیے چراگاہ بن جائے۔ تو مجھے موت دے دینا۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں میں تیرے غضب اور ناراضگی کا شکار ہو جاؤں۔

لمحہ فکر یہ :-

”صحیفہ کاملہ“ اہل تشیع کے نزدیک ایک انتہائی مقدس کتاب ہے اور اس

کا درجہ قرآن مجید کے قریب بلکہ اس جیسا ہی ہے۔ کیونکہ اس کتاب کے فضائل میں ان کا کہنا ہے کہ قرآن پاک تین بہن بھائیوں کی طرح ہے۔ خود قرآن پاک بھائی اور اس کی دو بہنیں بیچ ابلاغہ اور صحیفہ کاملہ ہیں۔ لہذا اس قول کے مطابق صحیفہ کاملہ کی عبارت بھی یونہی قطعی اور محکم ہے۔ جس طرح قرآن پاک کے مضامین اس

مذکورہ دو دعاؤں میں جو کچھ کہا گیا۔ وہ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی زبان سے کہا گیا۔ ان دونوں دعاؤں نے ثابت کر دیا کہ ایک بندہ کو اپنے خالق و مالک کی بارگاہ میں کس طرح انکساری و تواضع کرنی چاہیے۔

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے بطور انکساری یہاں تک عرض کر دیا۔ کہ میری بدگمانی اور ضعف یقین کی باگ ڈور شیطان کے ہاتھ میں ہے۔ اے اللہ اگر میری عمر شیطان کے لیے چراگاہ بن جائے تو مجھے اپنی ناراضگی سے قبل دنیا سے اٹھا لینا۔ اس قدر انکساری اور تواضع کرنے پر امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کو کوئی بھی مورد الزام نہیں ٹھہر آتا۔ بلکہ الزام کی بجائے یہ الفاظ ان کی منقبت اور کامل بندگی پر دلالت کرتے ہوئے پیش کیے جاتے ہیں۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دورانِ خطبہ عوام کے ردِ بردِ اللہ کی درگاہ میں عاجزی و انکساری کے لیے مذکور الفاظ کہیں تو ان کو طعن و تارکِ پیش کیا جاتا ہے۔؟ دونوں حضرات سے یکساں سلوک کیوں روا نہ رکھا گیا؟ لہذا جو آدمی صحیفہ کاملہ کی مذکورہ دو عبارتوں کو پڑھنے کے باوجود سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ذات پر طعن کرنے سے باز نہیں آتا۔ تو پھر اس کو یہ بھی فیصلہ کرنا پڑے گا کہ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ ان الفاظ کی ادائیگی کی وجہ سے منصبِ امامت کے اہل نہیں رہتے۔ صرف امام زین العابدین رضی اللہ عنہ ہی اس زمیں میں نہیں آئیں گے بلکہ کوئی امام بھی پچ نہ سکے گا۔ بخود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اقرارِ اہل ملاحظہ فرمائیں۔ ان میں بھی آپ کو کچھ ایسی ہی صورت نظر آئے گی۔

روضہ کافی

مَنْ تَكَمَّلُوا عَقَبًا مَعَالَهُ يَتَوَقَّأُ مَشْرُورًا

بِمَذَلِّ هَنَاقٍ لَسْتُ فِي نَفْسِي بِمَقْوِي
مَا أَنَا أَحْطَى وَلَا أَمِّنُ ذَلِكَ مِنْ فِعْلِي
إِلَّا أَن يَكْفِي اللَّهَ مِنْ نَفْسِي مَا هُوَ أَمْلَكُ
بِهِ مِنِّي -

دروغہ کافی جلد ہشتم ص ۲۵۶ خطبہ

امیر المومنین مطبوعہ طبرستان جدید

ترجمہ: عدل و انصاف کے شورہ اور حق بات سے مجھے نہ روکو۔ میں اپنے
آپ کو اتنا بڑا نہیں کہ مجھ سے خطا نہیں ہو سکتی اور نہ ہی میں
اپنے افعال کو خطا سے محفوظ سمجھتا ہوں۔ ہاں یہ سب کچھ ہو سکتا
ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھے ان تمام باتوں سے بچائے رکھے۔ کیونکہ
مجھ سے میرے بارے میں زیادہ مالک اور مختار ہے۔

یہ تھے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خطبہ کے ملتے جلتے الفاظ ہیں
مضمون صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے خطبہ کے مذکورہ الفاظ سے بہت حد تک
ملتا جلتا ہے۔ کیا کوئی عقل کا دشمن "نام نہاد محب علی" اس بات کی جرات
کرے گا۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ کو بھی اسی طعن سے طعن کرے جس سے اس نے
صدیق اکبر کو کیا۔ معلوم ہوا کہ ایسے متواضعانہ اور بندگانہ الفاظ ان کا اللہ
کے نیک بندوں کی عادت بندگی ہوتی ہے۔ انھیں طعن کا سبب بنا کر سر
جہالت و حماقت ہے۔

(وَاللَّهُ التَّوْفِيقُ)

طعن پنجم

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خود اپنے منافق ہونے کا اقرار کیا۔ اہل سنت کی دو ممتاز کتابیں ترمذی شریف اور مشکوٰۃ شریف اس امر کی نشاندہی کرتی ہیں کہ صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) نے خود اقرار کیا کہ میں منافق ہوں (معاذ اللہ) اقراری منافق منصب امامت و خلافت کا اہل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ سرے سے مسلمان ہی نہیں ہو سکتا۔ لہذا اُمتِ مسلمہ کا امیر کہوں کہ ہو سکتا ہے؟ اس بارے میں عبارت درج ذیل ہے۔

عَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ الرَّبِيعِ الْأَسَدِيِّ قَالَ
لَيْتَنِي أَبُو بَكْرٍ فَقَالَ كَيْفَ أَنْتَ يَا
حَنْظَلَةُ قُلْتُ نَافِقٌ حَنْظَلَةُ قَالَ سُبْحَانَ
اللَّهِ مَا تَقُولُ قُلْتُ نَكُونُ عِنْدَ رَسُولِ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُذَكِّرُنَا
بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَانَ رَأْيِي هَيْئًا فَيَاذَا
خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَافَسْنَا الْأَرْوَاحَ وَ
الْأَوْلَادَ وَالْمَشِيعَاتِ نَسِينَا كَثِيرًا قَالَ
أَبُو بَكْرٍ فَوَ اللَّهُ إِنَّا لَنَلْقَى مِثْلَ هَذَا
فَمَا نَطَلَقَتْ أَنَا وَابْنُ بَكْرٍ حَتَّى دَخَلْنَا
عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ
نَافِقٌ حَنْظَلَةُ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ وَمَا ذَاكَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ
 تَكُونُ عِنْدَكَ تَذَكُّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ
 كَأَنَّا رَأَى عَيْنٍ فَإِذَا اخْرَجْتَنَا مِنْ عِنْدِكَ
 عَافَسْنَا الْآزْوَاجَ وَالْأَوْلَادَ وَالْقَتِيعَاتِ
 نَسِينَا كَثِيرًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ
 لَوْ تَدْرُونَ عَلَى مَا تَحْكُمُونَ
 عِنْدِي وَفِي الذِّكْرِ لَصَافَعْتُكُمْ
 الْمَلَائِكَةُ عَلَى فُرُشِكُمْ وَفِي
 طُرُقِكُمْ وَلَكِنْ يَأْخُذُكُمْ سَاعَةٌ
 وَسَاعَةٌ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ

رواہ مسلم (مشکوٰۃ شریف ص ۱۹) باب ذکر

اللہ عزوجل والتقرب الیہ بطہر و عذرا

الطابع

ترجمہ: حنظلہ بن ربیع اسیدی کہتے ہیں مجھے ایک مرتبہ ابو بکرؓ ملے تو
 پوچھا حنظلہ! کیا حال ہے؟ میں نے کہا حنظلہ منافق ہو گیا۔ ابو بکر
 صدیقؓ نے کہا سبحان اللہ! کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے کہا ہم جب
 رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہوتے ہیں اور آپ ہمیں
 دوزخ جنت کے بارے میں نصیحت آمیز باتیں بتلا رہے ہوتے
 ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ ہماری آنکھیں دیکھ

رہی ہیں۔ پھر جب ہم آپ کی بارگاہ سے اٹھ کر آجاتے ہیں اور اپنے اہل و عیال اور باغات میں مصروف ہو جاتے ہیں تو ان میں گھر کر وہ کیفیت اکثر ہمیں بھولی رہتی ہے۔ صدیق اکبرؑ نے یہ سن کر کہا: خدا کی قسم! ہمارے ساتھ بھی یہی کیفیت پیش آتی! اس کے بعد میں اور ابو بکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ میں نے حضورؐ سے عرض کی: حضور! غلطہ منافق ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ کیسے؟ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ کی بارگاہ میں جب حاضر ہوتے ہیں تو وہاں ہمیں دوزخ و جنت کے بارے نصیحت فرما رہے ہوتے ہیں۔ تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہم یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ پھر جب یہاں سے اٹھ کر اپنے اہل و عیال اور باغات میں مشغول ہوتے ہیں تو ہم پر اس سلسلہ میں بہت زیادہ نسیان طاری ہو جاتا ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر تم پر ہر وقت وہی کیفیت طاری رہتی۔ جو میرے پاس بیٹھنے کے وقت طاری ہوتی ہے۔ اور نصیحت کا اثر اسی طرح علی الدوام رہتا۔ تو فرشتے تم سے تمہارے بستر و پر صاف فہم کرتے اور راستوں میں بھی تم سے مصافحہ کرتے۔ لیکن اسے غلطہ یہ کیفیت گاہے گاہے ہوتی ہے۔ آپ نے تین مرتبہ ایسے ہی فرمایا۔ اس حدیث کو مسلم نے صحیح روایت کیا ہے۔

جواب اول

اہل تشیع نے مذکور حدیث کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ذات پر ملن کے لئے بنیاد بنایا۔ اور اس سے ثابت کرنا چاہا کہ چونکہ صدیق اکبر نے منافقت کا نزو اقرار کیا ہے۔ لہذا وہ منسوب امامت و خلافت کے اہل نہیں ہو سکتے۔ اس لیے انہیں امام عادل اور خلیفہ برحق کہنا غلط ہے۔

اس معنی کے جواب میں ہم کہتے ہیں۔ کہ پچھلے طعن کی طرح اس میں بھی کوئی وجہ وزن نہیں۔ کیونکہ جناب صدیق اکبر نے تو واضح اور انکساری کرستے ہوئے یہ فرمایا۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جناب صدیق اور غظلہ رضی اللہ عنہما اپنی کیفیات کا موازنہ کر کے حیران تھے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں موجودگی کے وقت ہماری جو کیفیت ہوتی ہے۔ وہاں سے اٹھ کر آ جانے کے بعد گھر بلو مصر و فیات میں گھر کر وہ باقی نہیں رہتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں موجود ہونے ہماری آنکھوں سے جمابات اٹھ جاتے ہیں۔ اور دوزخ و جنت کو یوں لگتا ہے کہ ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ لیکن باہر نکل کر پھر جمابات آجاتے ہیں۔ اگر کیفیت میں یہ اختلاف موجب طعن ہوتا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کبھی تسلی نہ دیتے۔ اور اگر یہ بات واقعی منافقت ہوتی۔ تو سرکار ابد قرار اس پر ان کی ڈانٹ فرماتے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کیفیت کے فرق کو کوئی نفاق کی بات نہ فرمایا۔ بلکہ اس کی توثیق و تائید فرمائی۔ کہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اگر وہی کیفیت برقرار رہتی تو اندر باہر فرشتے تم سے مصافحہ کرتے۔ لیکن یہ کیفیت کبھی کبھی ہوتی ہے اور اکثر اوقات نہیں رہتی

تو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد سے معلوم ہوا کہ اس میں قلعاً کوئی منافقت نہیں۔ لہذا اہل تشیع کا اس کو "اقرار منافقت" قرار دینا "ظلم عظیم" سے کم نہیں۔

جواب دوم

جو ہم نے جواب ذکر کیا۔ اگر اہل تشیع اس سے مطمئن نہ ہوں۔ تو ہم ان کی مزید دلجوئی اور اطمینان کے لیے ایسی ہی ایک حدیث ذکر کرتے ہیں۔ جو ان کی کتابوں میں مذکور ہے۔ بلکہ مستند اور معتبر کتاب "اصول کافی" میں مذکور ہوئی ہے۔ جس میں امام باقر رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں ان کے شیعوں نے درخواست کی کہ ہماری کیفیت آپ کی بارگاہ میں کچھ اور ہوتی ہے۔ اور باہر نکلیں تو زمین و آسمان کا فرق آجاتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کے جواب میں امام موصوف نے ان سے کیا کہا۔ خود ملاحظہ کریں۔

اصول کافی

عَنْ سَلَامِ بْنِ الْمُسْتَعِيرِ قَالَ
كُنْتُ عِنْدَ أَبِي جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ
فَدَخَلَ عَلَيْهِ حَمْرَانُ بْنُ أَحْمَرَ
عَنْ أَشْيَاءَ فَلَمَّا هَمَّ حَمْرَانُ
بِالْقِيَامِ قَالَ لِأَبِي جَعْفَرٍ عَلَيْهِ
السَّلَامُ أَخْبِرْكَ الْحَالِ اللَّهُ أَبْقَاكَ
لَنَا وَامْتَنَعْتَ بِكَ إِثْنَا نَأْتِيكَ فَمَا

تَخْرُجُ مِنْ عِنْدِكَ حَتَّى تَرُدَّ فُتْلُوبَنَا
وَتُسَلِّمُوا أَنْفُسَنَا عَنِ الدُّنْيَا وَيَهْلِكُوا
عَلَيْنَا مَا فِي أَيْدِي النَّاسِ مِنْ هَذِهِ
الْأَمْوَالِ شَيْءٌ تَخْرُجُ مِنْ عِنْدِكَ
فَيَأْذًا صِدْقًا مَعَ النَّاسِ وَ الشُّجَارِ
أَحَبَبْنَا الدُّنْيَا قَالَ فَقَالَ أَبُو جَعْفَرٍ
عَلَيْهِ السَّلَامُ إِنَّمَا هِيَ الْفُتْلُوبُ مَرَّةً
تَضَعُ وَ مَرَّةً تَسْهَلُ شَيْءٌ قَالَ
أَبُو جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَمَا أَنْتَ
أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ
آلِهِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ نَخَافُ عَلَيْنَا
الْيَمَاقَ قَالَ فَقَالَ وَلِمَ تَخَافُونَ
ذَلِكَ قَالُوا إِذَا كُنَّا عِنْدَكَ فَذَكَرْتَنَا
وَرَغِبْتَنَا وَجَلَسْنَا وَتَنَبَّأْنَا الدُّنْيَا
وَزَهَدْتَنَا حَتَّى كَانَا نَعَايِنُ الْآخِرَةَ
وَالْبَعْثَةَ وَ النَّقَارَ وَ نَحْنُ عِنْدَكَ فَيَأْذًا
خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِكَ وَ دَخَلْنَا هَذِهِ الْبُيُوتَ
وَشَقَمْنَا الْأَوْلَادَ وَ رَأَيْنَا الْعِيَالَ وَ
الْأَهْلَ يَكَادُ أَنْ نَحْوَلَ عَنِ الْحَالِ الْقَوَا
كُنَّا عَلَيْهَا عِنْدَكَ وَ حَتَّى كَانَا لَمْ
نَكُنْ عَلَى شَيْءٍ أَفْتَنَخَافُ عَلَيْنَا أَنْتَ

يَكُونُ ذَلِكَ نِيفَاتًا. فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ
 اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَّا إِنَّ هَذِهِ
 خُطُوبَاتُ الشَّيْطَانِ فَيَرْغِبُكُمْ فِي الدُّنْيَا
 وَانْتِهِ لَوْتَدُّوْهُ مُؤْنٌ عَلَى الْحَالَةِ السَّيِّئَةِ
 وَصَفْتُمْ أَنْفُسَكُمْ بِهَا لَصَاقَ حَتِّكُمْ
 الْفَلَاحُ بِكُمْ وَمَشَيْتُمْ عَلَى الْمَاءِ وَلَوْ
 لَا أَنَّكُمْ تَذُنُّوْنَ فَيَسْتَغْفِرُونَ
 اللَّهُ لَخَلَقَ اللَّهُ خَلْقًا حَتَّى يَذُنُّوا
 ثُمَّ يَسْتَغْفِرُوا وَاللَّهُ فَيَغْفِرُ لَهُمُ اللَّهُ
 أَنَّ الْمُؤْمِنِينَ مُفْتِنٌ تَوَابٌ أَمَا سَمِعْتُمْ
 قَوْلَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ
 الشَّوَّابِينَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ - وَ
 قَالَ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا
 إِلَيْهِ -

۱۔ اصول کافی جلد دوم ص ۲۴۷ کتاب الایمان
 ۲۔ الکفر فی تنقل احوال القلب مطبوعہ
 تہران جدید

ترجمہ: (بخلاف اسناد) سلام بن مستطیر کہتا ہے کہ میں حضرت امام محمد
 باقر رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں تھا۔ اتنے میں حران بن عیین نامی شخص
 آیا اور چند سوالات پوچھے۔ جب حران نے جانے کا ارادہ کیا۔
 تو امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ سے کہنے لگا۔ مجھے میری حالت

کے متعلق بتلائیے ! اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ ہم پر تادیر رکھے۔ اور ہمیں آپ سے نفع پہنچائے۔ ہم آپ کے پاس حاضر ہوتے ہیں اور جب آپ جاتے ہیں۔ تو ہمارے دل بہت نرم ہو چکے ہوتے ہیں۔ اور دنیا سے ہمارے نفوس تسلی میں ہوتے ہیں۔ اور لوگوں کے پاس مال و دولت ہمیں معمولی دکھائی دیتا ہے۔ پھر جب اٹھ کر چلے جاتے ہیں اور تاجر و دل اور دوسرے لوگوں سے میل جول کرتے ہیں۔ تو پھر دنیا ہمیں بھلی لگتی ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ امام موصوف نے فرمایا یہ دل کی کیفیت ہے۔ کبھی نرم اور کبھی گرم ہوتی رہتی ہے۔ پھر امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ دیکھتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام میں سے بعض نے آپ سے عرض کی۔ یا رسول اللہ! ہمیں اپنے بارے میں شاق کا خطو ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا۔ وہ کیونکر؟ کہنے لگے۔ جب ہم آپ کے حضور ہوتے ہیں۔ اور آپ ہمیں تذکیر نصیحت فرماتے ہیں۔ تو ہمارے دل کانپ اٹھتے ہیں۔ اور ہم دنیا بھول جاتے ہیں۔ اور ہم زہد کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ یوں لگتا ہے۔ کہ ہم آخرت، جنت اور دوزخ کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ پھر جب یہاں سے باہر نکلتے ہیں۔ اور اپنے گھر وں میں جاتے ہیں۔ اولاد سے پیار و محبت کرتے ہیں اور اہل و عیال کو دیکھتے ہیں۔ تو قریب ہوتا ہے۔ کہ ہم اس حالت کی کیفیت سے علیحدہ ہو جائیں۔ جو آپ کے حضور ہوتی ہے اور بعض دفعہ تو یوں لگتا ہے۔ کہ وہ حالت بالکل ہی ختم ہو گئی ہے۔

کیا آپ اس کو ہمارے لیے نفاق کا خطرہ تو نہیں فرماتے۔ یہ
 سن کر انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
 ایسا ہرگز نہیں۔ یہ شیطان کی چالیں ہیں۔ وہ تمہیں دنیا کی طرف
 رغبت دلانا چاہتا ہے۔ خدا کی قسم! اگر تمہاری حالت ہمیشہ وہی
 رہتی جو تم بیان کر رہے ہو۔ تو فرشتے تمہارے ساتھ مصافحہ
 کرتے۔ اور تم پانی پر چلتے اور اگر بالفرض گناہ نہ کرتے۔ اور پھر
 ان کی معافی نہ مانگتے۔ تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ ایسے لوگ پیدا کر
 دیتا۔ جو یہ دونوں باتیں کرتے۔ پھر اللہ انہیں معاف کر دیتا۔
 مومن ابتلا و آزمائش میں پڑ کر گناہ کر دیتا ہے۔ پھر اس سے
 توبہ کر دیتا ہے۔ کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا۔
 "اللہ تعالیٰ یقیناً توبہ کرنے والوں اور نایت سہارا بننے والوں
 سے محبت کرتا ہے۔" اور یہ بھی فرمایا: اپنے رب سے استغفار کرو
 پھر اس کی طرف رجوع لاؤ۔

لمحہ فکریہ

آپ نے شیعہ کتاب "اصول کافی" سے مذکور روایت کا بالتفصیل ممانہ
 کیا۔ امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھی وہی مسئلہ آیا جو جناب حنظلہ اور صدیق
 اکبر کا تھا۔ اور امام محمد باقر نے جواب دیا کہ یہ دل کی کیفیات ہیں۔ ان پر انسان کا
 نہیں دھڑکا جاسکتا۔ اور توبہ تائب سے یہ ختم ہو جاتی ہیں۔ پھر اس جواب کی تائید
 و توثیق اسی واقعہ سے کی جس کو لے کر معتزلی نے طعن کیا تھا۔ صرف امام باقر
 رحمۃ اللہ علیہ نے ان صحابہ کرام کے اسار گواہی ذکر نہیں فرمائی۔ جنہوں نے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا استفسار کیا تھا۔ باقی جواب تقریباً من وجہ مذکور ہے جو مشکوٰۃ شریف میں سے معتبر من نے بیان کیا۔ اگر وہ استفسار اور اس کے رد مذکور الفاظ سبب طعن ہوئے تو امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ انہیں بطور حوالہ پیش فرماتے۔ امام موصوف کا انہیں بطور سند پیش فرمنا اس امر کی واضح علامت ہے کہ یہ کیفیات موجب طعن نہیں۔ بلکہ ایک منقبت اور تعریف کا پہلو ہے جس میں جب ایسے اشخاص کہ جنہیں کسی امام کے حضور وعظ و نصیحت کے دوران ایسی کیفیت سے واسطہ نہ پڑے۔ اُسے ہم منافق کہنے کے لیے تیار نہیں تو ایسے اشخاص میں سے وہ لوگ کہیں مبتہر ہیں۔ جنہیں امام و پیغمبر کے حضور دوران تذکرہ ایسی کیفیت حاصل ہو جاتی ہے تو اس سے ایسے اشخاص کی خوبی بیان ہو رہی ہے نہ کہ نقص ایمان اور نفاق کا اظہار ہو رہا ہے۔

اصول کافی والی حدیث کے اندر صاف الفاظ میں موجود ہے کہ ایسے خیالات کی وجہ سے آدمی منافق نہیں ہو جاتا۔ بلکہ صرف یہ شیطانی چال ہوتی ہے۔ جس کے ذریعہ وہ آدمی کو ذیوی رغبت دلانا چاہتا ہے۔ تو اس سے بچنے کے لیے توبہ و استغفار کا طریقہ سکھایا گیا۔

بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ باہر دنیا میں ایسی کیفیت کا ہونا بھی دراصل قرب خدا کا ایک وسیلہ ہے تو بعید از فہم نہیں۔ کیونکہ امام محمد باقر رحمۃ اللہ نے آخر میں جو کچھ فرمایا کہ اگر بندے گناہ کرنا چھوڑ دیں اور توبہ نہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان کو دوسرے لوگوں کو سزا دے گا۔ جو گناہ کر کے توبہ کریں۔ اور اللہ انہیں بخشے۔ یہ استدلال اس کی نشاندہی کرتا ہے کہ گناہ ہو جانا اللہ سے دوری اور نفاق کی علامت نہیں۔ بلکہ اگر اس کے بعد توبہ نصیب ہو۔ تو اللہ تعالیٰ کو ایسا بندہ بہت محبوب ہے۔ دراصل بقائے انسانی کی یہ حکمت تھی۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی اور معترض اسے طعن سمجھ بیٹھا۔
 ناظرین! آپ فیصلہ کر چکے ہوں گے کہ جس کیفیت کو اللہ کے پیغمبر نے
 نفاق نہ کہا۔ بلکہ نفاق سمجھنے والوں کی تردید فرمائی اور ائمہ اہل بیت میں سے
 امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کے نفاق کو نہ مانا۔ بلکہ اسے ایک
 مقبول و محمود عمل کہا۔ تو اس کے بعد بھی اگر شبیدہ لوگ اسے سبب طعن گردانیں
 اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ملعون بنائیں۔ تو یہ حق پر ہوں گے۔ یا اللہ
 کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت کے ایک عظیم امام۔
 (فاعتبروا یا اولی الابصار)

اصول کافی

عَنْ حُمْرَانَ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عَلَيْهِ
 السَّلَامُ قَالَ إِنَّ رَجُلًا آتَى رَسُولَ اللَّهِ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ فَقَالَ يَا
 رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي نَافَقْتُ فَقَالَ وَ
 اللَّهُ مَا نَافَقْتُ وَلَوْ نَافَقْتُ مَا
 أَتَيْتَنِي تَعَلَّمْتُ مَا الذِّمِّي رَأَيْكَ
 أَظُنُّ الْعَدُوَّ الْحَاضِرُ أَتَاكَ فَقَالَ
 لَكَ مِنْ خَلْقِكَ فَقَالَ اللَّهُ خَلَقَنِي
 فَقَالَ لَكَ مَنْ خَلَقَ اللَّهُ فَقَالَ أَمِّي وَ الذِّمِّي
 بَعَثَكَ يَا الْحَقُّ لَكَ كَانَ كَذَا فَقَالَ
 إِنَّ الشَّيْطَانَ أَتَاكُمْ مِنْ قَبْلِ الْأَعْمَالِ

لَكُمْ يَتُوءُ عَلَيْكُمْ فَاتَّكَمُوتُ
هَذِهِ التَّوْحِيدُ لَكُمْ يَسْتَزِلُّكُمْ فَاتَّكَمُوتُ
كَانَ كَذَلِكَ فَلْيَذْكُرْ أَحَدُكُمْ اللَّهُ
وَحْدَهُ -

اصول کافی جلد دوم ص ۲۲۴ کتاب الایمان

والکفر باب الوسوسة مطبوعہ تہران جدید

ترجمہ: حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے حمران بیان کرتا ہے کہ اہل
موصوف نے فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں ایک
آدمی آیا، اور کہنے لگا یا رسول اللہ! میں منافق ہو گیا۔ آپ نے
ارشاد فرمایا۔ نہیں نہیں ایسا نہیں ہوا۔ اگر تم منافق ہو گئے ہو تو
تو میرے پاس نہ آتے مجھے بتلاؤ کیا حال ہے؟ میں تو سمجھتا ہوں
کہ تیرے پاس تیرا شیطان آیا۔ اور اس نے کہا۔ کہ مجھیں کس نے
پیدا کیا۔ تم نے جوابا کہا۔ اللہ تعالیٰ نے۔ پھر اس نے تم سے پوچھا
اچھا اللہ کو کس نے پیدا کیا۔ یہ سُن کر وہ شخص بولا۔ قسم اس رب کی
جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ جو کچھ آپ نے ارشاد
فرمایا بعینہ ہی ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ بات
یہ ہے کہ شیطان تمہارے اعمال برباد کرنے کے لیے دھل انداز
کرتا ہے۔ لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہوتا۔ تو پھر وہ اس طریقہ
سے (جو ابھی بیان ہوا) سے داؤ لگانا چاہتا ہے تاکہ تمہیں صراط
مستقیم سے پھلا سکے۔ لہذا جب ایسا معاملہ ہو تو تم میں سے
ہر ایک کے اللہ وحدہ لا شریک کا ذکر کرنا چاہیے۔

اس حدیث کو بھی آپ نے ملاحظہ کیا۔ تقریباً اسی حدیث سے ملتا جلتا مضمون ہے جس کو لے کر شیعہ لوگ صدیق اکبر پر طعن کرتے ہیں۔ اور خود ان کی "اصول کافی" نے واضح کر دیا۔ کہ اس سے آدمی منافق نہیں بنتا۔ بلکہ یہ فیصلہ خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ اقدس سے ذکر کیا۔ اور حقیقت بھی وہی ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی۔ کہ منافقت کب کہتی ہے۔ کہ پیغمبر کے در پہ جاؤ۔ وہ تو روکتی ہے اور منافق کب کہتا ہے۔ میں منافق ہوں۔ بلکہ وہ تو دوسرے سے بھی زیادہ پکے مومن اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے۔

اس حدیث نے واضح کر دیا۔ کہ ایک متقی اور عابد و زاہد شخص کبھی بھی اپنے تقویٰ، عبادت اور زہد پر فخر نہیں کرتا۔ بلکہ وہ اپنے آپ کو گناہگار ہی کہتا ہے۔ اور اسی کو وہ اپنی تواضع اور انکساری سمجھتا ہے۔ اگر بوجہ غلطی کسی نے مساوی شیطانی کی وجہ سے اپنے نفاق کی شکایت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کی۔ تو آپ نے فوراً اس کی اصلاح فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ یہ منافقت نہیں۔ ان تمام حقائق سے یہی ثابت ہوا۔ کہ اس قسم کی بات موجب طعن نہیں بنتی۔ لہذا اس غلط عقیدہ سے معترض کو توبہ کرنی چاہیے۔ کم از کم اپنے امام جناب محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کا ہی پاس رکھ لو۔

جواب سوم

ہم نے جب شیعہ کتب سے یہ ثابت کر دکھایا کہ حضرت حنظلہ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو بارگاہ رسالت میں اپنے نفاق کی شکایت کی۔ وہ ان کی انکساری اور تواضع تھی اور ان کے کمال تقویٰ اور ایمان کی علامت تھی۔

یہی وجہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی دل جوئی فرما دی اور اس قسم کے شیطانی وساوس سے بچنے کی تدبیر ارشاد فرمائی۔ اگر ان کی تصریحات کے باوجود بھی اگر مخالف معاندی ہی رٹ لگاتا پھرے کہ ان لوگوں نے خود نفاق کا اقرار کیا ہے۔ تو پھر اس کی تسلی کی خاطر ایک قول امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کا نقل کر کے ان سے پوچھیں گے۔ اب کیا خیال ہے۔ قول سنئے۔

صحیفہ کاملہ

إِنْ تَعَذَّبْنَا الظَّالِمَ الْمُقْرِطَ
الْمُضَيِّعُ الْأَشْمُ الْمُقَصِّرُ الْمُضْجِعُ
الْمُغْفِلُ حَقْلُ نَفْسِي وَإِنْ تَغْفِرْ فَأَنْتَ
أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ

صحیفہ کاملہ سجادہ مدنیہ ۳۷۷ و ۳۷۸ حادی و

فہرست بطبوعہ تہران جدیدہ

ترجمہ :- (امام زین العابدین رضی اللہ عنہ بارگاہ خداوندی میں عجز و انکساری کرتے ہوئے دعا کرتے ہیں۔ اے اللہ ! اگر تو عذاب دے تو میں ظالم ہوں۔ گناہوں میں زیادتی کرنے والا ہوں۔ نیکیوں کو ضائع کرنے والا ہوں۔ گناہ گار ہوں۔ قصور وار ہوں۔ کوتاہی کا مرتکب ہوں۔ تیری یاد سے غافل ہوں۔ اور اگر تو معاف کر دے تو تو بے شک بہت زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ باوجود یکہ صفات فاضلہ کا ملکہ کا مالک ہیں۔ اور زہد و اتقواء ان کی ذات میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ حتیٰ کہ شیعہ لوگ ان کی عصمت تک کے قائل ہیں وہ اس دُعا میں اپنے آپ کو ظالم، گناہوں میں زیادتی کا مرتکب وغیرہ الفاظ سے اللہ کی بارگاہ میں پیش کر رہے ہیں۔ تو اب شیعہ مفکر بن ذرا دل پر ہاتھ رکھ تباہیں۔ کیا ان اقراری الفاظ کے مطابق تم امام موصوف کو کیا کہو گے؟ یہ عاجزی و انکاری کی جاری ہے۔ یا اپنی حقیقت کو بیان کیا جا رہا ہے؟ جو اس مقام پر تھارا جواب ہو گا۔ وہی ہم صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہیں گے۔

بہد ثابت ہوا کہ تواضع و انکاری کے طور پر اکابرین اُمت نے اپنے بارے میں بہت کچھ کہا، اور یہی زیب بھی دیتا ہے۔ ہمیں ان الفاظ کو پڑھ کر ان کے حقیقی مفہوم میں استعمال کرنے سے باز رہنا چاہیے اور اس قسم کے خبیث اجتہاد سے اپنی آخرت برباد نہیں کرنا چاہیے۔ امام زین العابدین اگر کس فتنی سے اپنے آپ کو "ظالم" کہیں تو یہ انہیں زیب دیتا ہے۔ اس سے ان کی امامت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت حنفیہ رضی اللہ عنہ اگر اس قسم کے متواضعانہ الفاظ کہیں تو ان کے درجات و مراتب میں کچھ فرق نہیں پڑتا۔ بلکہ قرآن مجید کو اٹھا کر دیکھو۔

تو حضرت آدم، نوح، ابراہیم، یوسف اور دیگر انبیائے کرام کی دُعائیں ایسے الفاظ سے مزین ہیں۔ جو صرف اور صرف انہیں زیب دیتے ہیں۔ ہم اگر بعینہ انہی الفاظ سے حقیقی مفہوم کے طور پر ان پر استعمال کریں تو سرے سے ایمان ہی ہاتھ سے دھو بیٹھیں گے۔ اُن کا کچھ نہ بچوٹے گا، اسی طرح اکابرین کے بوقت انکاری ادا کردہ الفاظ

ان مطالب و مغاہیم میں لینا جو ان کے حقیقی ہیں۔ ہمیں گستاخ و بد
دین تو بنادیں گے۔ اُن اکابرین کی شان میں کمی نہ آئے گی۔

مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ

جس نے تواضع کی اللہ نے اس کو رفعتیں عطا فرمائیں۔

فاعتبروا یا اولی الابصار۔



باب دوم: عمر فاروقؓ پر کیے گئے مطاعن:-

طعن اول

حدیث قرطاس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی پاک

صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کی۔ (معاذ اللہ)

بخاری شریف میں ایک حدیث موجود ہے۔ جس کا مضمون یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری بیماری کے وقت صرف چار دن وصال شریف سے قبل بروز جمعرات اپنے گرد جمع شدہ صحابہ کرام کو فرمایا کہ ”مکھنے کا سامان بویا کیا جائے۔ تاکہ میں تمہیں ایسی قہر لکھو دوں۔ جس کی وجہ سے تم بھی گمراہ نہ ہو گے“، لیکن حضرت عمر بن خطابؓ نے حسب کتاب اللہ، کہہ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کتابت سے روک دیا۔ اور امت کو ہمیشہ کے لیے گمراہی میں ڈال دیا۔ اس سلسلہ میں بخاری شریف کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

روایت اول:-

بخاری شریف:-

حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ
الرَّزَّاقِ قَالَ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الثَّوْرِيِّ عَنِ
عَبِيدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا

قَالَ لَمَّا حُضِرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 وَفِي الْبَيْتِ رِجَالٌ فِيهِمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ
 النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلُمُّوا أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا
 لَا تَضِلُّوْا بَعْدَهُ فَقَالَ عُمَرُ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ غَلَبَ عَلَيْهِ التَّوَجُّعُ وَعِنْدَكُمْ
 الْقُرْآنُ حَسِبْتُمْ أَكْتُابُ اللَّهِ فَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْبَيْتِ
 فَاخْتَصَمُوا مِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ قَرَّبُوا يَكْتُبْ
 لَكُمْ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِتَابًا لَنْ
 تَضِلُّوْا بَعْدَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ مَا قَالَ عُمَرُ فَلَمَّا
 اكْتَرَوْا اللَّفْظَ وَالْإِخْتِلَافَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 وَسَلِّمُوا قَالُوا عُبَيْدُ اللَّهِ فَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ
 يَقُولُ إِنَّ الزَّيْنَبِيَّةَ كُلُّ الزَّيْنَبِيَّةِ مَا
 حَالَ قَبِيْن رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 وَبَيِّنَ أَنَّ يَكْتُبْ لَهُمْ ذَلِكَ الْكِتَابَ مِنْ
 اخْتِلَافِهِمْ وَلَقَطِيعِهِمْ

(بخاری شریف جلد دوم صفحہ نمبر ۸۴۷)

کتاب الطب باب قول المریض

قوموا عنی مطہر نور محمد ص - -

الطباع کراچی

زمرہ ۱-

عبد اللہ بن محمد اپنی اسناد کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حدیث بیان کرتے ہیں۔ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کا وقت قریب آیا۔ اس وقت آپ کے درِ اقدس پر عمر بن خطابؓ بیٹھتے۔ بہت سے افراد حاضر تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میرے پاس سامانِ کتابت لاؤ۔ تاکہ میں تمہیں کچھ لکھ دوں۔ جس کے بعد تم ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سخت تکلیف میں ہیں۔ اور تمہارے پاس اللہ کی کتاب قرآن ہے۔ وہ بھی کافی ہے۔ تو اس پر زائل بیت میں اختلاف رونما ہو گیا۔ ان میں سے بعض نے کہا۔ کہ سامانِ کتابت آپ کے نزدیک کر دو تاکہ تمہارے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ لکھ دیں۔ جس کے بعد تم گمراہ نہیں ہو گے۔ اور کچھ دیگر حضرات نے وہی کہا۔ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور ان دونوں گروہوں کا شور و اختلاف بڑھ گیا۔ تو آپ نے انہیں چلے جانے کو فرما دیا۔ بعید اللہ کہتے ہیں۔ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے تھے۔ کہ مصیبت اور بہت بڑی مصیبت وہ چیز ہے جو بوجہ ان کے باہمی اختلاف کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے لکھ کر کچھ دینے میں حائل ہو گئی۔

روایت دوم :-

صحیح بخاری :-

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ حَدَّثَنَا سُلَيْمُ بْنُ عَدُوٍّ سَمِعَ

الْأَحْوَالِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَ
 مَا يَوْمُ النَّحْمِيسِ اِشْتَدَّ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ وَجَعُهُ فَقَالَ اَتُتَوَفَّى اَلْكُتُبُ لَكُمْ كِتَابًا لَنْ
 تَضِلُّوا بَعْدَهُ اَبَدًا فَتَنَازَعُوا وَلَا يَدْبَغِي عِنْدَ نَبِيِّ
 تَنَازَعٌ فَقَالُوا مَا شَأْنُكَ اَهْجَرَ اسْتَفْهَمُوهُ فَذَهَبُوا
 يَرُدُّوْنَ عَنْهُ فَقَالَ دَعُونِي اَنَا فِيهِ تَخْيِيرٌ مَا تَدْعُونِي
 اِلَيْهِ وَاَوْصَاهُمْ بِثَلَاثٍ قَالَ اَخْرِجُوا الْمُشْرِكِيْنَ
 بِجَزِيْرَةِ الْعَرَبِ وَ اَجِيزُوا التَّوْفِيقَ بِنَحْوِ
 مَا كُنْتُ اَجِيزُهُمْ وَ سَكَتَ عَنِ الثَّلَاثَةِ
 اَوْ قَالَ فَكَسَيْتُهَا .

(صحیح بخاری شریف جلد ثانی ص ۴۲۸)

باب مرض النبی و وفاته کتاب المغازی -

مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی

ترجمہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا - جمعرات کا دن : اور کیسا عجیب و
 سخت دن کہ اس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دودھ برہ گیا - پس آپ نے
 سامان کتابت لانے کو کہا - تاکہ کچھ لکھ دیں - جس کے بعد کبھی بھی تم گمراہ
 نہیں ہو گے - حاضرین میں اختلاف (بھگڑا) ہو گیا - حالانکہ پیغمبر کی موجودگی
 میں نزاع نہیں ہونا چاہیے تھا - تو لوگوں نے کہا - کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 کی کیا حالت ہے - ہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کچھ بے ربط
 اور پریشان کلام نکلا ہے - لہذا آپ سے اس کا مفہوم

پہلی طرح معلوم کرو تو اس بنا پر معاملہ کتابت انہوں نے دوبارہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا (اور وضاحت چاہی) اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جس حالت میں ہوں وہ اسی سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو اور آپ نے انہیں تین وصیتیں کرنا شروع فرمائیں (پہلی وصیت یہ کہ مکہ مکرمہ کو جزیرہ عرب کے نکال دو۔ دوسری یہ کہ ائمہوں کو اسی طرح انعام دینا بطرح میں انعام دیا کرتا تھا۔ اور تیسری وصیت یہ کہ یا راوی حدیث سعید بن جبیر خاموش رہے اور بیان ہی نہ فرمائی یا بیان کی ایکس مجھے بھول گئی۔

خلاصہ طعن :

مذکورہ دونوں حدیثوں سے مندرجہ ذیل چند امور صراحتہ ثابت ہوئے :

۱ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم زندگی کے آخری لمحات میں ایک ایسی تحریر لکھوانا چاہتے تھے جس کی وجہ سے امت ہمیشہ کے لیے مگرابی سے بچے جاتی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام بطلاتی "مسا یُنطق عن الہوی ان مو الادھی یوحی" اللہ تعالیٰ کا کلام ہوا اور یہ بات بھی بالکل عیاں ہے کہ جو شخص بھی "امرو حی" کو نہ مانے بلکہ اس کے عمل میں لانے کے خلاف کوشاں ہے تو وہ کفر صریح کا مرتکب ٹھہرتا ہے۔ لہذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کی وصیت کو عملی جامہ نہ پہننے دیا۔ اور بایں وجہ (معاذ اللہ) کفر مرتکب کے مرتکب ہوئے۔

۲ : حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات (وصیت) کو رد کرتے ہوئے آپ کی طرف ہذیان اور بدحواسی کی نسبت کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسے الفاظ منسوب کرنا عداۃ الشرع کفر ہے۔

۱۲ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار اقدس میں آپ کے سامنے شور و غل کیا جو قرآن پاک

کی اس آیت کے خلاف ہے۔ لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبیؐ، اہل بیتؑ کی طرح بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے ادبی کے مرتکب ہوئے۔

۴۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تحریر لکھوانے سے روکنا اور اس موقع پر رشور و غل مچانا ان تمام باتوں کا مقصد یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہد و جدوجہد پہلے ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام کے سامنے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت بلا فصل کا اعلان فرمایا تھا اور مقام خم غدیر پر اس بات پر تمام موجود صحابہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بیعت بھی کی تھی۔ حضور اس تحریر کے ذریعہ اسی اعلان کو تکمیلی شکل دینا چاہتے تھے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ منظور نہ تھا اس لیے انہوں نے اسے ناکام بنانے کے لیے یہ چال چلی۔

یہ چار عدد طعن ہیں۔ جو ”حدیث قرطاس“ کے ضمن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر کیے گئے ہیں۔ ان چاروں کا یکے بعد دیگرے جواب تحریر کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

امراول کا جواب :-

اَیْتُوْنِیْ بِقُرْطَاسٍ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر و نہی کے قبیلہ سے نہیں ہیں کہ جس سے کوئی فریضہ ثابت ہو بلکہ اس میں اَیْتُوْنِیْ اگرچہ میغیرہ امر ہے۔ لیکن وجوب کے لیے ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس کی مخالفت کرنا معاذ اللہ کفر ہو سکتا تھا۔ اور اگر اسے وجوب کے لیے مانا جائے۔ تو پھر ”امر رابع“ کی روشنی میں اس کا مفہوم کچھ یوں بنے گا کہ اسے پیغمبر مکرّمؐ آپ کو اس سے قبل ”خلافت علی بلا فصل“ کے اعلان کے لیے ”يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنَّكَ مَكْرُمٌ تَفْعَلُ مَا بَلَغْتَ رِسَالَتَهُ“

کے الفاظ سے حکم دیا گیا تھا اور اسی اعلان کی تکمیل اب اَیْتُوْنِیْ تقریباً

کے الفاظ سے کروائی جاتی منظور تھی۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حکم کی تکمیل کو عملی جامہ نہ پہننے دیا۔ تو اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے حکم پر عمل کرنے سے روک دیا۔ جب ایسا ہوا تو ”فَمَا بَلَغْتَ رِسَالَتَهُ“ کے مطابق آپ نے اللہ کے حکم کی تبلیغ فرمائی۔ لہذا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حکم سے روک کر صرف اپنا ہی نقصان نہیں کیا۔ بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ الزام لگانے کا راستہ ہموار کر دیا۔ کہ آپ نے معاذ اللہ اللہ کا حکم لوگوں تک نہ پہنچا کر وہ حق رسالت، ادا نہیں کیا۔ تو جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس قسم کا عقیدہ رکھے۔ کہ آپ نے اللہ کے احکام کی تبلیغ میں کوتاہی فرمائی۔ وہ مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

دوسری بات یہ کہ اسی حدیث میں آتا ہے۔ کہ جب حاضرین نے دوبارہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی۔ کہ یا رسول اللہ! سامان کتابت لے آئیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ ”وہ کہ مجھے میری حالت پر چھوڑ دو۔ میری یہ حالت اس سے بہتر ہے۔ جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو۔“ آپ کے اس ارشاد سے واضح ہوا کہ سامان کتابت منگوانا دراصل امر الہی نہ تھا۔ بلکہ محض آپ کی شفقت اور ہمدردی کا ائینہ دار تھا جس طرح کوئی شخص اوداعی لمحات میں کسی بات کی بار بار تاکید کرتا ہے۔

تیسری بات جو اس اعتراض کو جڑ سے ہی اکھیڑ ڈالتی ہے۔ وہ یہ کہ اسی حدیث میں آگے مذکور ہے۔ کہ آپ نے تین وصیتیں فرمائیں۔ ایک یہ کہ مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔ دوسری یہ کہ ایتھیوپوں کو اسی طرح انعام دینا جس طرح میں دیا کرتا تھا۔ اور تیسری وصیت یہ کہ سلمان احوال، بوجہ بھول جانے کے خاموش رہے۔ تو جب سامان

کتابت کے بغیر بھی آپ نے اپنا مدعا اور وصیت نامہ ظاہر فرما دیا۔ تو پھر اس سے یہ مراد لینا کہ آپ دراصل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ”در خلافت بلا فصل“ لکھوانا چاہتے تھے۔ اس کی

کہاں گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔

لہذا معلوم ہوا کہ "ایتونی" کا سینہ امر استنباطی تھا۔ وجوب کے لیے اور من باب اللہ تھا۔
امر ثنائی کا جواب۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب دو حَبَّتَا کِتَابِ اللہ کہا۔ تو اس وقت حاضرین کے دو گروہ بن گئے۔ ایک گروہ کا اس بارے میں یہ خیال تھا کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا درست اور برصیل ہے۔ کیونکہ قرآن پاک ہمارے پاس موجود ہے۔ اور اس کے مشکل مقامات کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گاہے بگاہے تشریح بھی فرمادی ہے۔ جس کے بعد کوئی حکم قرآنی ایسا نہیں رہا۔ جس کی تکمیل مطلوب ہو۔ بعض احکام قرآنیہ کو زبانی اور بعض کو عملی طور پر آپ نے واضح فرمادیا ہے۔ اس وضاحت کے بعد کوئی تشکیلی باقی نہیں رہ جاتی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مرض موت کی حالت ایسی ہے کہ آپ سخت تکلیف میں ہیں۔ اور اس شدید تکلیف میں آپ نے جو کافذ قلم منگوانے کا ارشاد فرمایا ہے۔ وہ محض امت پر شفقت کی خاطر ہے۔ لہذا جب آپ کی تعلیمات ہمارے سامنے ہیں۔ اور ان میں آپ نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ تو ایسے تکلیف وہ وقت میں آپ کو مزید تکلیف نہیں دینی چاہیے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان اور اصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف کے خیال سے تھا کہ شدید تکلیف کے وقت میں آپ کو مزید تکلیف نہیں دینی چاہیے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آپ کی تکلیف میں اضافہ گوارا نہ تھا۔

دوسرا گروہ وہ تھا کہ جن کا خیال یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو عملی جامہ پہنانا چاہیے۔ کیونکہ "ایتونی بقولہ" کے الفاظ آپ کی زبان اقدس سے بطور ہدیان نہیں نکلے۔ کیونکہ نبی کی طرف ہدیان کی نسبت نہیں ہو سکتی۔ تو جب آپ کا تکلم عام حالت کی طرف قابلِ اقتبار و حجت ہے۔ تو اس پر ضرور عمل کرنا چاہیے۔ اور اس کا اہتمام پیش نظر

رہنا چاہیے۔ تو اس گروہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے دوسرے پہلو کو نظر رکھ لیا وہ یہ کہ آپ کا ارشاد بہر حال قابل تسلیم ہے۔ لہذا اس کو چھوڑنا درست نہیں۔

اس دوسرے گروہ کے نقطہ نظر کو سامنے رکھ کر لفظ ”آھَجَوَ“ کا مفہوم صحیح واضح ہو جاتا ہے۔ یعنی یہ لفظ ان حضرات نے کہا۔ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سے اختلاف کر رہے تھے۔ گویا وہ دراصل یہ کہہ رہے تھے۔ کہ عمر بن خطاب نے ”وَحَسِبْتَ أَنَّ كِتَابَ اللَّهِ“ کہہ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے منطے لفظ پر عمل کو چھوڑ دیا ہے۔ حالانکہ آپ کی زبان اقدس سے یہ الفاظ بطور ہدیان سرزد نہیں ہوئے تھے۔ اس وضاحت کے بعد بھی اگر کوئی شخص سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ذات پر یہ الزام دھرے۔ کہ عمر بن خطاب نے (معاذ اللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ”ہدیان“ کی نسبت کی۔ اور ایسا کرنا انتہائی بے ادبی اور لکڑے مترادف ہے۔ تو یہ الزام دراصل ہٹ دھرمی کا آئینہ دار ہو گا۔ اور اس سے خیانت فی الدین شکیں نظر آئے گی۔

نوٹ :-

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہدیان کی نسبت کسی نے کی۔ اور نہ ہی ان الفاظ ”آھَجَوَ“ سے یہ مفہوم نکل سکتا ہے۔ کیونکہ یہ لفظ ہمزہ استفہام اور فعل ماضی دو کلمات سے مرکب ہے اور استفہام بھی انکار یا تعجب کے لیے مذکور ہوا۔ تو معنی یہ ہوئے۔ کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدیان سے کلام فرمایا؟ نہیں ایسا نہیں۔ بلکہ آپ کا کلام ایک صحیح العقل اور سالم الخواس انسان کی طرح قابل اعتبار ہے۔ یا یہ بھی مفہوم ہو سکتا ہے۔ کہ اگر یوں کہا جائے۔ کہ آپ نے یہ کلام بطور ہدیان فرمایا۔ تو تعجب ہے۔ کیا اللہ کے پیغمبر پھر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے کلام میں ہدیان فرمایا۔ تو تعجب ہے؟ یعنی قطعاً ان کلام ہدیان سے طوط نہیں ہو سکتا۔

وضاحت :-

یہی لفظ بعض روایات میں بغیر ہمزہ کے بھی مذکور ہے۔ تو جہاں یہ اس طرح مذکور

ہوا۔ وہاں بھی ہمزہ استفہام کو مقدم سمجھا جائے گا۔ چنانچہ محدث و بڑی جناب شیخ عبدالحق رحمہ اللہ نے اشعۃ اللمعات،، جلد چہارم ص ۷۲ میں اس کو ذکر فرمایا۔

”و اگر در بعض روایات حرف استفہام مذکور نباشد مقدم است“، بعض روایات میں اگر حرف استفہام کے ساتھ یہ لفظ ذکر نہ کیا گیا ہو۔ تو وہاں ”ہمزہ استفہام“، کو مقدم سمجھا جائے گا۔

یہ بھی ایک لغو الزام ہے

حدیث قرطاس سے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ذات پر الزام لگانا کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل نہ کی۔ اور حَسْبُکَ کِتَابُ اللہ،، کہہ کر دس کو رو کر دیا۔ یہ الزام انتہائی لغو و سراسر باطل ہے۔ اگر حدیث پاک کے لفظ اتیوتی میں لغو کیا جائے۔ تو صفات نظر آتا ہے۔ کہ، یہ ارشاد تمام حاضرین کو مشترک طور پر تھا۔ صحت ہی سے مخاطب حضرت عمر بن خطاب کو گردانا۔ ”یتیم فی العلقہ“، ہونے کی دلیل ہے۔ تو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا تخصیص تمام حاضرین کو کتاب و قلم لانے کا ارشاد فرمایا۔ تو تمام حاضرین پر اس کی تعمیل لازم ٹھہری۔ اگر ان میں صرف ایک آدمی اس پر عمل کرنے سے (معاذ اللہ) گریز کرتا ہے۔ تو اس کے سوا باقی تمام حاضرین میں سے ہر ایک پر اس کی تعمیل واجب تھی۔ پھر اگر یہ دیکھا جائے۔ کہ ان حاضرین میں آپ کے گھر والے بھی موجود تھے۔ تو ان کے لیے اس کی تعمیل بہت آسان تھی۔ کیونکہ انہیں سامان کتابت کتابت کے لیے کہیں اور جانے کی بھی ضرورت نہ تھی۔ کتابت و حیا ان کے گھر میں ہونے کی وجہ سے سامان کتابت موجود رہتا تھا۔ تو ان حضرات پر سب سے زیادہ لازم آتا تھا۔ کہ حضرت عمر بن خطاب کے ”حَسْبُکَ کِتَابُ اللہ“، کہنے پر کان نہ دھرتے۔ اور فوراً اللہ سے کوئی ایک جاکر سامان کتابت لے آئے۔ حالانکہ جس گروہ نے حضرت عمر رضی اللہ

کی رائے سے اختلاف ابھی کیا تھا۔ وہ بھی مغالطہ ہونے کے باوجود سامان کتبت نہ لاسکا۔
یاد دلایا۔ تو لفظ "ایتونی" کا مصداق صرف فاروق اعظم کو بنانا سراسر زیادتی اور ہٹ دھرمی

۱۶

بلکہ حقیقت یہ رہے۔ کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا اس موقع پر "قَدْ غَلَبَ عَلَيْكَ" اَلْوَجَعُ وَعِنْدَ كُمُ الْقُرْآنُ اور حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ، کے الفاظ کہنا دراصل ان کے عشق و محبت اور نیک مشورہ کے غمازیں۔ "قَدْ غَلَبَ عَلَيْكَ اَلْوَجَعُ"، میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے درد کا احساس جس طرح عیاں ہے وہ ہر صاحبِ فوقِ سلیم جانتا ہے۔ اور "عِنْدَ كُمُ الْقُرْآنُ"، کہنا دراصل "الیوم اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ" کی طرف اشارہ کرنا تھا۔ تو گویا وہ بے الفاظین حضرت عمر بن خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درد و تکلیف کے پیش نظر ایک عشق بھر مشورہ دے رہے ہیں۔ کہ اس حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں قلم و دوات پیش کرنا اور پھر کچھ لکھنے لکھانے کی تکلیف دینا کوئی آپ سے ہمدردی نہیں ہوگی۔

یہی وجہ ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت عمر کے یہ الفاظ سنے۔ اور ان سے کوئی مخالفت نہ سمجھی۔ بلکہ مزاجِ نبوت کی صحیح ترجمانی سے آپ مطمئن ہو گئے۔ تو آپ نے دوبارہ "سامان کتبت"، طلب فرمائے۔ بلکہ جب بعض صحابہ نے دوبارہ پیش کرنے کی اجازت طلب کی۔ تو آپ نے انکار فرمایا۔ تو اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مذکورہ الفاظ کہنا اسی بنا پر ہوتا کہ آپ کے ارشاد پر تعمیل نہ کرنے کا ایک بہانا بنایا جا رہا ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر کے ان الفاظ پر خاموشی اختیار نہ فرماتے بلکہ سختی سے فرماتے۔ لاؤ سامان کتبت۔ میں جو تمہیں کہہ رہا ہوں۔ مثال مثول سے کام کیوں لیتے ہو؟

ہذا معلوم ہوا۔ کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ الفاظ کہنا دراصل عشقِ نبوی کی

روشنی میں تھا۔ اور اگر کوئی اسی ضد پر اڑ جائے۔ کہ نہیں جی! حضرت عمرؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو رد کیا ہے۔ اور ان کا یہ جرم قابل معافی نہیں۔ تو یہی جرم دوسروں کا بھی بنے گا۔ حضرت عمرؓ نے سامان کتابت لانے کی مخالفت کی۔ لیکن دیگر حاضرین نے بھی تو سامان کتابت ہی نہیں کیا؟ ان سب کے بارے میں تمہارا کیا فتویٰ ہوگا۔

مخالفت تو یہ بھی تھی:-

صلح حدیبیہ کے وقت جب صلح نامہ لکھنے کا وقت آیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھنے کے لیے انہی طرف سے حضرت علیؓ کو مقرر فرمایا۔ حضرت علیؓ نے جب ”محمد رسول اللہ“ کے الفاظ تحریر کیے۔ تو کفار نے کہا۔ کہ آپ کا ”رسول اللہ“ ہونا ہی آ باعث نزاع ہے۔ تم مانتے ہو۔ اور ہم نہیں مانتے۔ لہذا اس کی بجائے ”محمد بن عبد اللہ“ لکھو۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کو فرمایا۔ کہ ”محمد رسول اللہ“ کے ساتھ ”محمد بن عبد اللہ“ ہی لکھ دو۔ لیکن حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ نے لفظ ”رسول اللہ“ مٹانے سے انکار کر دیا۔ اور عرض کی۔ کہ حضور! میں آپ کے نام کے ساتھ اس لفظ کو لکھ کر مٹا نہیں سکتا۔

حیوة القلوب کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

حیات القلوب:-

گفت یا علیؓ! محمد بن عبد اللہ بنو لیس۔ چنانچہ اومیکوید حضرت امیر فرمود کہ میں نام ترا از پیغمبری ہرگز منحواہم کرد پس حضرت رسول بدست مبارک خود ان را محو کرد۔ (حیات القلوب جلد دوم ص ۵۳) باب سی شتم مطبوعہ نو کشور ارشاد شیخ مفید ص ۴۳ مطبوعہ طبع جدید فی غزوہ بنی المصطلق

ترجمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو فرمایا کہ ”محمد رسول اللہ“ کے الفاظ کا ذکر محمد بن عبد اللہ، مکہ و حجاز میں وہ کہہ رہے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ میں آپ کے نام مبارک سے پیغمبری کی صفت ہرگز نہیں مٹاؤں گا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ اقدس سے اس کو مٹایا۔

اگر سامانِ کثرت، لا لہ منہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ انکار ہی تھے۔ تو محمد رسول اللہ کے کھنکے بدھ مٹانے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی پر زور انکار کر دیا تھا۔ تو جو فتویٰ پہلے انہی پر دیتے ہو۔ وہی فتویٰ دوسرے انکار پر بھی ہو گا۔ اور اگر دوسرے انکار کی توجیہ کہ اسے محبت و عظمتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی علامت گردانتے ہو۔ تو ہمارا بھی یہی قریب ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار



ایک گستاخانہ حیلہ

بعض شیعوں کو یہ کہتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "ایستوفی بنقرطاس" فرمایا، تو آپ کے اہل بیت اس ارشاد پر عمل کرنے کے لیے تیار تھے۔ لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رویہ دیکھا، تو ان سے ڈرتے ہوئے تعمیل نہ کر سکے، اور سامانِ گستاخانہ نبوی میں پیش نہ کر سکے۔

جواب:-

یہ سید و راصل اہل بیت کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حضور اتہامی گت غمی اور بلبالبی کا پلندہ ہے۔ اہل بیت میں اس وقت شیر خدا حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی نفیس نفیس موجود تھے۔ تو گویا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ڈر سے سامانِ گت بت پیش نہ کیا، اور کسی انسان سے ڈرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ ارشاد نبوی کی تعمیل نہ کر سکے۔ اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ مفلوک سے ڈر کر خاقِ اوداس کے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و ارشادات کی اتباع چھوڑ دیا کرتے تھے۔ تو کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں گت غمی نہیں۔

حدیث قرطاس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ تنہا

خدمتِ نبوی میں موجود رہے

اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ مذکورہ بالا حیلہ (خوفِ عمر) درست تھا، تو پھر بھی شیعوں

وگ اپنے مدعا میں صداقت سے بہت دور نظر کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ واقعہ قرطاس جمعرات کو پیش آیا۔ اور اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم چار دن تک اس دار فانی میں قیام پذیر رہے۔ اب لوگ اپنے اپنے گھروں کو جا چکے تھے۔ اور صرف دو شخص آخری وقت تک بارگاہِ ربات میں حاضر رہے۔ ایک حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور دوسرے فضل بن عباس رضی اللہ عنہما۔

حياة القلوب :-

حضرت امیر المؤمنین وفضل پسر عباس اذایں مرض از حضرت جدائی شدند
و پوینتہ در خدمت آنحضرت بودند۔

(۱۔ حیات القلوب جلد دوم ص ۸۳) باب چہل

تہم ذکر حجة الوداع مطبوعہ نوکشتور طبع قدیم،

(۲۔ ارشاد شیخ مفید ص ۹۹) فی طلب

رسول اللہ بدوات و کتف؛

مطبوعہ قم طبع جدید)

(۳۔ اعلام الوری باعلام الہدٰی ص ۱۲۴)

وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم)

توجہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کی اس بیماری کے دوران آپ سے جدا نہیں ہوئے۔ اور نگاتا رہے۔

خدمت اقدس میں حاضر رہے۔

ارشاد شیخ مفید

فَلَمَّا كَانَ مِنَ الْغَدِ حَجَبَ النَّاسُ عَنْهُ وَتَقَلَّ فِي مَرَقِهِ
كَانَ أَبَوَا الْمُؤْمِنِينَ لَا يَعَارِفُهُ إِلَّا لِقَرُونَةٍ

ارشاد شیخ مفید ص ۹۹ محبوبہ رقم طبع جدید

فی طلب رسول اللہ بدوۃ وکتف

اعلام النور ص ۱۲۲ مطبوعہ عربیہ روت

طبع جدید وفات رسول علیہ السلام

توجہ جب صبح ہوئی۔ اور تمام لوگ آپ سے جدا ہو گئے۔ اور آپ کی بیماری

شدت اختیار کر گئی۔ تو اس دوران حضرت علی کرم اللہ وجہہ متواثر آپ کے

پاس موجود رہے۔ مگر بوقت ضرورت کچھ دیر کے لیے غیر حاضر ہو جاتے

تو جب یہ ثابت ہے۔ کہ حضرت علی اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہما اس وقت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سمیت کوئی

بھی وہاں نہ تھا۔ اب وہ ڈر تو ختم ہو چکا تھا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ایسے تنہائی کے وقت

میں بھی سامان کنیت نہ ملگوا یا گیا۔ اور نہ ہی اس مسئلہ پر دوبارہ بات چیت ہوئی تو مسلم

ہوا۔ کہ یہ سب بھی ان کا خود ساختہ ہے۔ اور اس سے جہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تنقیص

شان ٹپکتی ہے۔ وہیں اہل بیت کی گستاخی بھی ہے۔ اور بالخصوص حضرت علی کرم اللہ وجہہ

کو غیر خدا سے ڈر کر اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو پس پشت ڈالنے والا ثابت

کیا کیا ہے۔

شورو غل کرنے کا الزام

پہلی بات تو یہ ہے کہ لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبیؐ سے مراد مطلقاً بلند آوازی نہیں ہے۔ بلکہ بطور عادت ہوتی ہے۔ بلکہ وہ بلند آوازی مراد ہے جو دوستوں اور ساتھیوں کے ساتھ بے تکلفانہ کی جاتی ہو۔ اس پر شیعہ تفسیر سے حوالہ ملاحظہ ہو۔

پس منہی نبودہ باشد از مطلق چہری کو مستلزم تکلم است بطریق

منہج الصادقین

ہمس واخفات بلکہ مواد از چہ منہی چہری باشد کہ نزد محاورہ بانباہی جنس خود آن معتاد بودہ باشد چہ آن موجب تسویر یا تخضرت است بغیر کہ مستلزم

عدم حواصات حرمت نبوت و جلالات قدر و مرتبہ اداست

(منہج الصادقین جلد ۱ ص ۳۹۵ سورۃ حجرات مطبوعہ تہران)

ترجمہ مذکورہ آیت میں مطلق بلند آوازی سے منع نہیں کیا گیا۔ بلکہ ہر بولنے کو اگرچہ آہستہ آواز سے ہی ہو لازم ہے۔ بلکہ بلند آوازی وہ منع ہے جو اپنے دوستوں کے ساتھ بطور محاورہ اور عادت کے کی جاتی ہے اور وہ نبی پاکؐ کے ساتھ بڑ بڑی

کاسب ہے، جو کہ مستلزم ہے اسی بات کو کہ نبی علیہ السلام کی حرمت اور جلال و مرتبہ کا پاس رکھا جائے۔

توضیح :- مذکورہ حوالہ سے ثابت ہوا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور بلند آوازی

کو جو مضطرب اعمال کا سبب کہلایا ہے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ گفتگو کرنے والا آپؐ کو اپنے

دوستوں اور ساتھیوں کے برابر سمجھ کر گفتگو کرے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عمرؓ

کے محسبنا کتاب اللہ، کہنے پر جو صحابہ کرام کے مابین بلند آوازی ہوئی وہ

بہت بڑی نہ تھی۔ ورنہ صحابہ کرام کے دونوں گروہ اس حکم کی زد میں آجائیں گے۔

حالانکہ اشرب الخمر نے ان کے بارے میں وہ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ، ارشاد فرمایا۔

دوسری بات یہ بھی غور طلب ہے کہ شورو غل کی وجہ سے مجرم صرف اور صرف

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قرار دینا انتہائی زیادتی اور ہٹ دھرمی ہے۔ حدیث پاک کے

الْفَاظُ فَاصْكَتُوا وَاللَّغْوُ اور فُتْنَا دَعَا،، میں۔ جو از روئے لغت عرب فردا صبح کے لیے نہیں بکرمج کے لیے ہیں۔ اور حقیقت بھی یہی ہے۔ کہ شور و غل اور بلند آواز کی ایک آدمی سے واقع ہونا خلاف واقعہ ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اس فعل کے ارتکاب میں ایک جماعت شریک تھی۔ اور وہ وہی جماعت تھی جس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول ،، حَسْبُنَا كِتَابُ اللَّهِ،، میں اختلاف کیا۔ اور ان کی باتوں کا جواب دیا یا اپنے ہی دلائل دینے والی دوسری جماعت کی گفتگو سے یہ ماحول پیدا ہوا۔ یعنی کچھ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کی تائید اور کچھ تردید کرتے کرتے بلند آواز کی مدد تک پہنچ گئے۔ کیونکہ اگر سبھی متفق ہوتے۔ تو یہ حالت پیدا ہی نہ ہوتی۔ لہذا ایک جماعت کی باہم بلند آواز کی کمرٹ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دینا بہت زیادتی ہے۔

علیؑ کی خلافت بلا فصل کی خود نبی علیؑ لاسم نے تردید کی

عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس امر سے بخوبی آگاہ تھے کہ میرے انتقال کے بعد لوگ حضرت علیؑ کو رم امام و جہد کو غیرہ نہیں بتائیں گے۔ اور تقدیر الہی یہ فیصلہ کر چکی ہے۔ کہ یہ منصب میرے بعد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیا جائے گا۔ تو پھر یہ کیسے مانا جاسکتا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سابق کتابت اس لیے طلب فرمایا کہ حضرت علیؑ کو رم امام و جہد کی خلافت تحریر فرمادیں۔ اس سے قبل ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس معاملہ میں سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو واضح پیش گوئی فرمائی تھی۔ کہ میرے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے۔ اور ان کے بعد عباس و آلہ عمر بن خطاب خلیفہ بنیں گے۔ اس پیش گوئی کا تذکرہ ہذاذا اسرا نبی الخ بعض از واجہ حدیثا،، آیت کے تحت تفسیر حافی اور تفسیر قمی میں موجود ہے۔

تفسیر فرات کوئی،، میں منقول ہے۔ کہ جب کسی نے حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ فہاتوا بیل قبولہ لیس لک من (لا ہرشی) قال ان رسول اللہ (ص) من ان یکون الاھل لا ھبیر المؤمنین (ع) من بعدہ فانی

لئے۔ (تفسیر فرات کوئی) مطبوعہ حیدرآباد

لیس لک من الاھرشی (اوپ کو اس امر میں کوئی اختیار نہیں) کی تفسیر کے سوال کے جواب میں امام باقر رضی اللہ عنہ نے سائل کو بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعتوں میں ہم کو آپ کے بعد امام خلافت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ملے۔ لیکن اللہ رب العزت نے اس سے انکار کر دیا۔

دونوں مذکورہ احادیث سے ثابت ہوا کہ خلافت صدیقی رضی اللہ عنہ عند اللہ مقدر ہو چکی تھی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ وہ خلیفہ بلا فصل، انہیں ہوں گے۔ اسی مضمون کی شرح مفید، اے ان الفاظ سے توشیح کی ہے۔

ارشاد و شرح مفید :-

رَبِّیْ جَدَّہُ الْعَبَّاسُ وَالْفَضْلُ بْنُ عَدَّاسٍ وَبَعِیْتُ مِنْ اَیِّ حَالٍ
وَاھلِ بَیْتِیْہِ خَاصَّةً (۱) فَكَلَّ لَیْلَہُ الدَّیَّاسُ یَا رَسُولَ اللّٰہِ اِنْ تَكُنِ
ہَذَا اَمْرٌ فِیْنَا مُسْتَقَرًّا مِنْ بَعْدِیْ فَهَبْشَاؤَا اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ
اَنَا نَعْلَبُ عَلَیْہِ فَاَقْبِضْ بِكَ فَفَقَالَ اَنْتُمْ الرِّسَالَةُ تَضَعُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ
وَصَمَّتْ فَهَلِیْسَ الْقَوْمُ وَھُمْ یَبْكُوْنَ قَدْ یَمُتُّوْا مِنْ
النَّیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ۔

(۱) - الارشاد و شرح مفید ص ۹۹ فی طلب

۲۔ رسول اللہ بدوات و کثرت

مطبوعہ قلم خیابان (۱۸)

۳۔ اعلام النور ص ۱۲۲ مطبوعہ

بیروت بیع عند

ترجمہ :- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے سب لوگوں کے چلے جانے کے بعد حضرت عباس بن فضل بن عباس حضرت علی اور آپ کے اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین رہ گئے۔ تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! اگر آپ کے انتقال کے بعد معاملہ خلافت ہمارے بارے میں مقدم چکا ہے۔ تو آپ ہمیں اس کی خوشخبری سنائیں۔ اور اگر آپ جانتے ہیں۔ کہ ہم امر خلافت کے حصول میں کامیاب نہ ہوں گے۔ اور لوگ ہم پر زبردستی کریں گے۔ تو آپ ابھی اس حق کی وضاحت فرماتے ہو۔ مے قطعی فیصلہ فرما دیجئے۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ تم لوگ میرے بعد کمزور ہو جاؤ گے۔ یہ کہہ کر آپ خاموش ہو گئے۔ حاضرین یہ سن کر روتے ہوئے اٹھ گئے۔ اور امر خلافت میں اپنے بارے میں قطعی فیصلہ کرنے کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ناامید ہو گئے۔

شیخ مفید نے تو بات ہی ختم کر دی :-

حدیث قرطاس کی وضاحت میں جو الفاظ لا شیخ مفید کے ہم نے ابھی نقل کیے ان سے تو معاملہ ہی ختم ہو جاتا ہے۔ جس کے بعد کسی صاحب انصاف پر کوئی شبہ قائم رہتا۔ ان کے الفاظ کے مطابق جب سامان کتابت لکھنے کے ارشاد کے وقت لوگوں کا اختلاف ہوا۔ تو سب لوگ کسی قطعی فیصلہ کے بغیر ٹکڑے ٹکڑے گئے۔ صرف حضرت عباس ان کے بیٹے فضل، حضرت علی اور اہل بیت رہ گئے تھے۔ اس پر سکون ماحول میں حضرت عباس نے امر خلافت کے بارے میں پوچھا۔ تو آپ نے اس کے جواب میں فیصلہ فرمایا۔ کہ امر خلافت نہ تمہارے مقدور میں ہے۔ اور نہ خلافت بلا فضل ہو کہ کمزور کی قیادت ملے گی۔ اس صاف صاف ارشاد سے حاضرین نے سمجھ لیا۔ کہ وہ خلافت بلا فضل نہیں

مقدم میں نہیں۔ تو مایوس ہو کر گھروں کو واپس آ گئے۔

اگر دایتہ فی یقرطاس، اسے سامان کتبہ منگوانے کی غرض یہ ہوتی۔ کہ اس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی "خلافت بلا فصل"، کو قلعہ بند کر دیں۔ جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں نے رکاوٹ کھڑی کر دی۔ تو جب رکاوٹ ڈالنے والوں میں سے کوئی بھی نہ تھا۔ ایسی پرسکون حالت میں چند حاضرین جو اس منصب کے خواہاں تھے۔ اور ان میں وہ شخصیت بھی تھی۔ جن کی "خلافت بلا فصل"، کو قلعہ بند کر دینا مقصود تھا۔ ان کی طرف سے مطالبہ بھی ہوا۔ لیکن پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "خلافت بلا فصل" ان کے مقدمہ میں ہونے کی نفی کر دی۔ تو معلوم ہوا۔ کہ "حدیث قرطاس"، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی "خلافت بلا فصل"، کو قلعہ بند کرنے کے لیے نہیں۔ بلکہ کسی اور غرض سے تھی۔ شاید "شیخ مفید" کی بات تم لوگوں کے لیے "مفید" ہو۔ اور راہ راست نظر آجائے۔ اور اس سے تمہیں حقیقت حال کا علم ہو اور اسے قبول کرنے کی توفیق مل جائے۔

الامشاء اللہ



طعن دوم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلا دینے

کی دھمکی دینا

علامہ حیدر نقوی نے اپنی کتاب ”تاریخ ائمہ“ ص ۱۵۲ پر لکھا ہے۔ اور ابو بکر نے جب خلافت پر قبضہ کر لیا۔ تو حضرت علی نے صبر کر لیا۔ مگر اس پر وہ لوگ راضی نہیں ہوئے۔ بلکہ آپ پر بیعت کے بجائے نہایت سختی کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گھر سے نکالنے کی کوشش کی۔ حضرت عمر نے کڑی شکایت کی۔ اور کہا خدا کی قسم تم نہیں نکلو گے تو گھر اور جو اس گھر میں ہیں سب کو چھوٹک ڈالوں گا۔ کسی نے کہا۔ مرنے۔ تو اس گھر میں فاطمہ بھی ہیں۔ کہا ہوا کریں۔

(بجوار طبری جلد ۳ ص ۱۶۸)

خلاصہ طعن :-

سینوں کی مقبول کتاب ”تاریخ طبری“ جلد ۱ ص ۱۶۸ پر فقہوں نے لکھا ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کڑی زبان نکلوائی۔ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر پر آئے۔ اور کہا۔ اے فاطمہ! اگر تم لوگ اسی مکان سے باہر نہ نکلے۔ تو میں تمہارے سمیت سب کو

بنادوں گا۔

تو جو آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی تک کو بلانے کا ارادہ کر چکا ہو۔ اس کی اہمیت سے صداقت میں کون شک کر سکتا ہے۔ بلکہ ہر شخص ایسے کو دشمن اہمیت گردانے گا۔ اور جو دشمن اہمیت ہو۔ وہ خلیفہ رسول کیسے ہو سکتا ہے۔؟

جواب :-

مذکورہ طعن سراسر لغو اور بے اصل ہے۔ اسے عوام کو گمراہ کرنے کے لیے شیعوہ لوگوں نے اپنی جعلی لکچری میں تیار کیا ہے۔ جب اس کا کوئی ماخذ اور اصل ہی نہیں۔ تو اس میں صداقت کہاں سے آسکتی ہے؟ اس طعن کے جوابات ملاحظہ ہوں۔

جواب ۱ :-

”مٹی نقوی“ کا یہ کہنا کہ ”سنیوں کی معتبر کتاب تاریخ طبری“، میں یوں لکھا ہے۔ یہ اس نے اس لیے لکھا۔ تاکہ اپنے من گھڑت طعن میں کچھ مضبوطی آجائے۔ اور پڑھنے والا متاثر ہو جائے۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے۔ کہ ”تاریخ طبری“ ایسی کتاب ہے۔ جس میں رطب و یابس ہر طرح کی روایات اور مضامین موجود ہیں۔

جواب ۲ :-

”مٹی سید نقوی“ نے ”تاریخ امیر“ میں جو یہ طعن نقل کیا۔ اور اس کا اصل ”تاریخ طبری“ کو قرار دیا۔ اس نقل کرنے میں بھی اس نے انتہا درجہ کی خیانت اور غداری سے کام لیا ہے۔ کیونکہ مذکورہ ”تاریخ طبری“ میں نہ صرف عمر بنی و امیر کا ذکر نہیں ملتا۔ اور آگ لکھنے کا کوئی ذکر نہیں۔ اور اسی طرح اس کتاب میں سید فاطمہؑ کا ذکر بھی نہیں ملتا۔

کو جلائے نہ کی و علی بھی مذکور نہیں۔ ایسے ہم آپ کو "تاریخ طبری" سے پوری عبارت نقل کر دیتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

تاریخ طبری :-

حَدَّثَنَا ابْنُ حَكَيْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مُعِينَةَ عَنْ
زِيَادِ بْنِ حَكَيْبٍ قَالَ قَالَ أَنَسُ عُمَرُ بْنُ الْعَقَّابِ مَنَزِلَ
عَلِيٍّ وَفِيهِ طَلْحَةُ وَالثَّوْبَانُ وَرِجَالٌ مِمَّنْ
الْمُهَاجِرِينَ فَقَالَ وَاتَّكَمَلُوا حَرْقَنَ عَدِيكُمُ أَوْ لَتَغْرُبَنَّ
إِلَى الْبَيْعَةِ فَخَرَجَ عَلَيْهِ الثَّوْبَانُ مُصَلِّيًا
بِالسَّيْفِ فَعَثَرَ فَسَقَطَ السَّيْفُ مِنْ يَدِهِ فَوَثَبُوا
عَلَيْهِ فَأَخَذُوهُ.

(تاریخ طبری جلد دوم جز ثلث السہ)

(الحادی عشر ۱۹۸ مطبوعہ بیروت)

ترجمہ :-

زیاد بن حکیب نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے گھر تشریف لائے۔ اسی وقت وہاں حضرت طلحہ، زبیر اور مہاجرین کے بہت سے مرد بھی موجود تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تم پر مکان کو جلا دوں گا۔ یا بیعت کرنے کے لیے نکلی اور حضرت زبیر برہنہ تلوار لیے باہر نکلے۔ حضرت عمر نے ان پر حسرت لگائی۔ تو زبیر کے ہاتھوں سے تلوار گر گئی۔ لوگوں نے جھپٹ کر ان کو پکڑ لیا۔

ناظرین کرام! آپ نے تاریخ طبری کی عبارت اور اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمایا

کیا اس روایت میں کوئی ایسا لفظ موجود ہے جس کا معنی نہ نکلتا ہو اور حضرت عمرؓ نے اگ اور لکڑیاں منگوائیں اور کہا۔ میں فاطمہؓ نہیں بھی جلا دوں گا، یہ کہیں نہیں اور ہم گن نہیں تو معلوم ہوا کہ اس روایت کی معنوی تحلیل کر کے ٹھوسے بھالے سینوں کو دھوکہ دینے کی مذموم کوشش کی گئی ہے۔ ورنہ جہاں تک "تاریخ طبری" کے الفاظ کا مفہوم ہے۔ وہ یہی ہے کہ حضرت جعفرؓ حضرت علیؓ کے گھر تشریف لائے۔ زان کے ہاتھ میں اگ تھی اور زکریاؓ۔ وہاں پہنچ کر آپؐ نے ان لوگوں کو دھمکی دی۔ جو ان کے مکان میں بیٹھ کر اسلامی دنیا اور تنظیم ملی کے خلاف مشورے کرتے تھے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جلانے کی دھمکی کہاں موجود اور کن الفاظ کا ترجمہ ہے؟

ایک حیلہ:-

اس روایت سے یہ مراد لینا کہ اگر تم بیت کے لیے نہ نکلتے۔ تو میں تمہارے گھر کو جلا دوں گا، اور جس گھر کو جلانے کا حضرت عمرؓ کہہ رہے تھے۔ اس میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی موجود تھیں۔ تو بلا واسطہ نہ ہی بالواسطہ توبہ کو جلانے کی دھمکی موجود ہے۔ لہذا حضرت عمرؓ اس سے بری کیسے قرار دیئے جاسکتے ہو؟

جواب حیلہ:-

یہ حیلہ اور مراد بھی لغو اور بے بنیاد ہے۔ کیونکہ جو لوگ باہمی مشورہ کر رہے تھے وہ تمام حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے معر مشق تھے۔ اور غیر محرم افراد کے ساتھ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا موجود ہونا کوہ ماں سلکتا ہے؟ ہندہ معلوم یہ ہوتا ہے۔ اگر یہ سب افراد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کسی ایسے مکان میں مشورہ کرتے ہوں گے جہاں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نہ تھیں۔ اس احتمال کو تقویت خود کتب شیعہ سے

ہو قیاس ہے۔

حق ایقین، میں موجود ہے یہ کو شمار کر بایں خانہ میاں حیدر، تو سید نے فرمایا کہ وہ پالہ
 تم اس گھر آنے کی زحمت نہ کرو، تو سید و فاطمہ کے اہل اپنے گھر میں اُسے سے منع کر دیتے
 سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ سیدہ ان غیر مہرم حضرات کی گھسٹ کو کے وقت مکان کے اندر
 کمرہ میں موجود تھیں۔ اور اس قسم کے مشورہ کو جو مکی وحدت کے پارہ پارہ کرنے کے واسطے
 میں جو۔ اچھا نہیں سمجھتی تھیں۔ اسی سے ان مشورہ کرنے والوں کو آپ نے فرمایا کہ اُسے وہ پارہ
 میرے گھر میں نہ آنا۔

فاروق اعظم کی خاتون جنت سے عقیدت

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا سے بے پناہ
 عقیدت تھی۔ نہایت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت ہونا بھی اس بات کی گواہی دیتا
 ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کب یہ جسارت کر سکتے تھے۔ کہ سیدہ کا مکان بمعہ سیدہ کے
 جلانے کی دھمکی دیتے؟

حق ایقین :-

اے دختر رسولی خدا احدی نزد ما از خلق محبوب تر نیست از پدر تو و بعد
 از پدر تو احدی نزد ما محبوب تر نیست از تو بخدا سوگند کہ ایں مانع حق نیست
 ازاں کہ اگر ایں جماعت در خانہ تو جمعیت کنند آتش بزم و خانہ ات را
 برایشال بسوزانم پس چوں عمر بنیروں رفت و آنہا آمدند فاطمہ گشت محتجب
 گفت و میدانم کہ ایں کار را خواہد کرد شما دیگر بایں خانہ میاں سیدہ ایشا رفتند و با
 ابو بکر بیعت کردند (حق ایقین باب پنجم ص ۱۱۱ در ضمن برغاصبین غلامتہ ص ۱۱۱)

ترجمہ اسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر بہار سے نزدیکی بہار سے والد
گرمی سے بڑھ کر کوئی دوسرا محبوب تو نہیں ہے۔ اور ان کے بعد قسم سے
زیادہ محبوب اور کوئی نہیں۔ خدا کی قسم! بہار لایا دے و احترام اور محبت
مجھ کو اس بات سے روک نہیں سکتا۔ اگر گریہ لوگ تمہارے گھر پر جمع ہوتے
وہیں۔ تو ان پر تمہارے گھر کو جلا دوں گا۔ پس جب عمر بڑھ سکے۔ وہ لوگ آئے
تو غلطی نہ کیا۔ عمر سے اس طرح کہا ہے۔ میں بابتی ہوں۔ اگر تمہارا چہرہ
مکان میں دوبارہ آئے۔ تو عمر کی دھجکی کو پورا کر دے گا۔

ہذا قسم دوبارہ اسی مکان میں نہ آنا۔ لہذا وہ لوگ مکان سے نکلے۔ تو سید سے ابو بکر
صدیق کے پاس آکر آپ کی بیعت کر لی۔

اسی روایت سے بالکل وضاحت سے ثابت ہوا۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سیدہ
فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کسی قدر محبت تھی۔

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے بعد کائنات میں محبوب ترین شخصیت
حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ آپ نے یہ جو صفات ذات کعبہ دیا۔ اگر گریہ لوگ،
فلک و مہلک میں انتشار پیدا کرنے کو باہمی مشورہ کرنے کے لیے آپ کے گھر میں جمع ہوئے
تو میں ان کو جلا دوں گا۔

”اباقر مجلسی، کی اس وضاحت کے بعد بھی اگر کوئی شخص یہی کہتا پھرے۔ کہ
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جلانے کی دھجکی دی تھی۔ تو یہ بات
کسی قدر خلاف واقعہ اور کذب پر مبنی ہے۔

(روایت طبری از روئے سند قابل حجت نہیں۔)

”زیاد ابن کلیب، کیسا راوی حدیث تھا؟“

مذکورہ روایت سے صرف اتنی بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ سیدنا فاروقی اعظم رضی اللہ عنہ نے فی وحدت اور ملکی تنظیم کے لیے اس کے خلاف مجلس مشاورت قائم کرنے والوں کو بھانسنے کی دھمکی دی تھی۔ اگرچہ اس حد تک یہ بات قابل اعتراض نہیں بلکہ اس کے باوجود جب ہم اس روایت کی اسناد دیکھتے ہیں۔ تو نہ نئی روایت کے اعتبار سے یہ روایت قابل حجت نہیں رہتی۔ کیونکہ اس کا اصل راوی ”زیاد ابن کلیب“ ہے جس کے متعلق درمیان الاعتدال، میں مذکور ہے۔

میزان الاعتدال :-

”قَالَ أَبُو حَازِمٍ لَيْسَ بِإِسْنَادٍ فِي حِفْظِهِ“

(میزان الاعتدال جلد اول صفحہ ۳۵۵)

ترجمہ :- الوداع تم نے کہا۔ کہ زیاد ابن کلیب۔ حافظہ کے اعتبار سے مضبوط نہیں۔ یعنی اس کے حافظہ میں کمزوری ہے۔ کہ کوئی چیز محفوظ نہیں رہتی۔

”عمر بن عبد الحمید، کا روایت حدیث میں مقام۔“

اسی روایت کا ایک اور راوی ”عمر بن عبد الحمید“ ہے۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اس کے بارے میں لکھا۔

میزان الاعتدال :-

قَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ لَمْ يَكُنْ بِالَّذِينَ فِي الْحَدِيثِ
 لَكِنْ ذَكَرَ الْبَيْهَقِيُّ فِي سُلَيْهِ فِي ثَلَاثِينَ حَدِيثًا لَجَرِيئِ بْنِ
 عَبْدِ الْحَمِيدِ قَالَ قَدْ لَبَّ فِي آخِرِ عَمْرِهِ إِلَى سُورِ الْحِفْظِ
 (میزان الاعتدال جلد اول ص ۱۸۲-۱۸۳)

ترجمہ :-

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا : ”جو جریر بن عبد الحمید“ حدیث میں نہیں
 تھا۔ لیکن امام بیہقی نے اپنی سنن میں ”جو جریر بن عبد الحمید“ کی
 تیس کے قریب احادیث ذکر کیں۔ اور فرمایا کہ یہ شخص عمر کے آخری حصہ
 میں ”سورہ حفظہ“ کی طرف منسوب ہو گیا تھا۔ یعنی اس کی قوت حافظہ باوجود
 بزرگھٹنے کی بنا پر بڑی ہو چکی تھی۔ اور اگر اس کی قوت حافظہ کو اچھا نہیں
 سمجھتے تھے۔

”ابن حدید شیعہ“ کے نزدیک اس حدیث کا درجہ

”ابن حدید شیعہ“ نے مذکورہ روایت کو صحت کے قابل نہیں سمجھا۔ بلکہ اس نے
 اسے ”خبر واحد غیر موثق“ کہا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

شرح ابن حدید :-

وَأَمَّا ذَكَرَهُ مِنَ الْجَمْعِ عَلَى دَارِ فَاطِمَةَ وَجَمْعِ
 الْحَطَبِ لِتَحْرِيقِهِ فَهُوَ خَبَرٌ وَاحِدٌ لَا يُؤْمَرُ تَوَاتُرًا بِهِ وَلَا

مَعْقُول عَلَيْهِ فِي حَقِّ الْقَحَابَةِ بَلْ وَكَافِي حَقِّي أَحَدِ الْمُسْلِمِينَ
مِقْنٌ ظَهَرَتْ عَدَالَتُهُ

راہنہ مدید شریعہ شیخ ابلاغہ علیہ السلام
الجزء العشرون ص ۱۶۲ - فی
راہی الشارح رد اعلیٰ ما کتبہ
النبدی و فی ترجمہ معاصر
یادہ مطبوعہ بیروت طبع جدید چار
جلدوں میں -

ترجمہ:

بہر حال یہ روایت جس میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر پر ہجوم
کرنے اور اسے جلا دینے کا ذکر ہے۔

وہ "خبر واحد غیر موثوق بہ ہے۔ صحابہ کرام کی
شان کی تنقیص کے بارے میں ایسی روایت مردود ہے۔ بلکہ
ایسی روایت سے تو کسی عام مسلمان کی تنقیص بھی نہیں ہو سکتی۔ جس
کی عدالت ظاہر ہو۔

خلاصہ کلام :-

یہ ہوا کہ اول قریہ روایت کے الفاظ ہی ثابت نہیں۔ جن میں سیدہ
فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جلانے کا ذکر ہو۔ دوسرا یہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ
نے صرف اسلامی ملک کے تختہ نظر اور ملی وحدت کے پیش نظر جلانے کی حکمت

نہ ان لوگوں کو دیکھی تھی۔ جو اس میں ملوث تھے۔ یہ سب یہ کہ اس روایت کے راوی،
 "نبی درایت" کے معیار پر پورے ذائقہ کی وجہ سے "وقایہ حجت" انہی سے
 ان کی روایت سے کوئی حجت لی جاسکے۔
 ان تمام باتوں سے خلاصہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس طعن میں کوئی جہان نہیں۔ بلکہ
 دروغ گوئی کی ایک بہترین مثال ہے۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)



باب سوم:-

صدیق و فاروق رضی پر کیے گئے مشترکہ مطاعن:-

طعن اول

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے باوجود شیخین حبش

اسامہ میں شریک نہ ہوئے

شیخو حضرات کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری وقت میں یہ فرمایا کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو رومیوں کے ساتھ جہاد کرنے کے لیے بھیجا جائے۔ اور جس لشکر کو ان کی معیت میں بھیجا جائے۔ ان میں تمام منافقین اور فتنہ پرور لوگوں کو بھرتی کر دیا جائے۔ یہ فتنہ پرور اور منافقین وہی تھے جن کی طرف سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو درخليفة بلا فصل، بنانے کی شدید رکاوٹ کا خطرہ تھا یعنی ابو بکر صدیق اور ان کے رفقاء جب ایسے تمام لوگ محاذ جنگ پر پہنچے جائیں گے۔ اور روکاؤں قائم ہو جائیں گے۔ تو اس خلافت کسی جھگڑے اور کشمکش کے بغیر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فتنہ مٹا دیا جائے گا۔ یہی وجہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر سخت وعید لایا ارشاد فرمایا: الملل والنحل، میں ان الفاظ کو علامہ رشورستانی نے یوں نقل کیا ہے
 قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَهِّزُوا جَيْشَ أَسَامَةَ
 لَعَنَ اللَّهُ مَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا۔

ترجمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- اسامہ کے لشکر کی جلد تیاری کرو جو مجھے
 دے گا۔ اس پر اللہ کی لعنت۔

لہذا اس وجہ سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس لشکر میں تو

ایک صدیق گئے اور نہ ہی عمر بن خطاب جب ان دونوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کو پس پشت ڈال کر شکر ادا میں جانا پسند نہ کیا۔ تو بموجب ارشاد نبوی ”اللہ کی لعنت“ کے سزاوار ہو گئے۔ اور جو شخص اللہ کی لعنت کا مستحق ہو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر عمل پیرا نہ ہو۔ وہ امت کا امیر اور نبی کا خلیفہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ؟
 مذکورہ وطن کی تقریر شیعہ مجتہد ملا باقر مجلسی نے حیات القلوب میں یہ نقل کی ہے۔

حیات القلوب :-

پس اُسامہ بن زیدؓ امیرِ کرد و لشکر سے از منافقان و اہل فتنہ و غیر ایشاں برائے اور تیب داد۔ و امیر کرد و اور کربا اکثر صحابہ بیرونِ اُرو بسوسے بلا و روم آں موضع کو پدرش در آنجا شہید شدہ بود و غرض حضرت از فرستادن ایں لشکر آں بود کہ مدینہ از اہل فتنہ و منافقان خالی شود۔ و کسے با امیر المومنین منازعہ نہ کند۔ تا امر خلافت براں حضرت مستقر گردد۔

(۱۔ حیات القلوب ص ۱۱۶ جلد دوم)

مطبوعہ نو کشور باب شخصت و رسوم و صیت

حضرت رسول

(۲۔ تہذیب المتین فی تاریخ امیر المومنین

جلد اول ص ۳۲۰ مطبوعہ یوسفی دہلی)

ترجمہ۔ لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُسامہ بن زیدؓ کو امیر لشکر بنایا۔ اور فتنہ پرور لوگوں، منافقوں اور دیگر لوگوں سے ان کے لشکر کی ترتیب دی۔ اور فرمایا کہ صحابہ کرام کی اکثریت کو ساتھ لے کر روم کے شہروں کی طرف چل پڑو۔ اور اہل مقام پر پہنچو۔ جہاں تمہارے والد کو شہید کیا گیا تھا۔

جلد سوم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شکر کے بھیجنے میں غرض یہ تھی کہ اس طرح جہاد کے پہلو سے مدینہ منورہ ان لوگوں سے خالی ہو جائے گا جو منافق اور فتنہ پرور ہیں۔ اور ان کی غیر موجودگی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ کسی کا تنازع باقی نہیں رہے گا۔ اور خلافت کھانا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں چلتا ہو جائے گا۔

جواب اول:-

پہلی بات تو یہ ہے کہ جس شخصیت کے بارے میں شیعہ حضرات بڑے چڑا کر بٹسے اہتمام سے یہ طعن پیش کرتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو شکر اسامہ میں شامل ہونے کا حکم ارشاد فرمایا۔ مگر وہ اس شکر میں شامل نہ ہوئے تو اس کی تردید خود کتب شیعہ میں مذکور ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو شکر اسامہ میں بھیجنے کا حکم نہ تھا۔ یہ نہیں۔ بلکہ اس بات میں اختلاف ہے کہ آیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں شکر اسامہ میں شمولیت کا حکم دیا ہے یا نہیں۔

جواب دوم:-

اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ جس طرح شیعہ حضرات نے طعن مذکورہ کی تردید کی ہے تو وہ بھی ازاو ل تا آخر بالکل غلط اور باطل ہے۔ اور ان کی خود ساختہ ہے۔ جس کا ثبوت امت کی مقبر کتب میں قطعاً موجود نہیں۔ اسامہ بن زید کے امیر بنا کر بھیجنے اور ان کی میت میں جانے والے شکر کے واقعہ کو امام اہل سنت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”تحفہ اشاعت شریہ“ میں نقل کیا ہے۔ اس کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔

تحفہ اشاعت شریہ:-

”جمادی الاولیٰ ۱۱ھ میں جنگ موتہ میں روم و عرب کے مشرکین نے حضرت

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تھا اس لیے یومِ دو شنبہ ۱۲ صفر ۱۱ھ کو رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ رومیوں سے جنگ کرنے اور حضرت
 زید بن حارثہ کا بدلہ لینے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ دوسرے روز آپ نے اسامہ بن زید
 کو بلا کر ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہیں اس لشکر کا سردار مقرر کر دیا۔ تم اس کو لے کر اپنے
 باپ کی قتل گاہ کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ آپ نے اسامہ کو جنگ کے متعلق پوچھا
 اور ہدایات بھی دیں۔ چار شنبہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بخارا اور در
 شمع ہو گیا۔ پنج شنبہ کی صبح کو آپ نے اپنے مبارک ہاتھ سے اسامہ کے لیے
 جھنڈا تیار کیا۔ اور ان سے فرمایا کہ راہِ خدا میں جہاد کرو۔ اور کافروں سے لڑائی
 کرو۔ اسامہ وہ جھنڈا لے کر نکلے۔ اور بیدہ بن حبیب سلمیٰ کو علیہ وار بنا کر وہ جھنڈا
 ان کے ہاتھ میں دے دیا۔ اور مدینہ منورہ سے میہل شام کی طرف مقامِ حرت
 میں قیام کیا۔ تاکہ سپاہِ جمع ہو جائے۔ چنانچہ صدیق اکبر و فاروق اعظم ابوبکر
 بن جراح و سعد بن ابی وقاص و سعید بن زید و قتادہ بن نعمان و سلم بن اسلم وغیرہ
 ایمان مہاجرین و انصار نے اس لشکر میں شرکت کے لیے تیار کر لی۔ پنج شنبہ
 ۸ ربیع الاول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوجہ شدتِ مرض حضرت ابوبکر
 رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نماز مقرر کیا۔ چنانچہ وفاتِ شریف تک وہی نماز پڑھتے
 رہے۔ جو اصحاب اسامہ کے ساتھ جانے کے لیے متعین ہوئے تھے۔ وہ یوم
 شنبہ ۱۱ ربیع الاول کو گرد باگروہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہو کر شکر گاہ میں
 پہنچے۔ یک شنبہ کے دن مرض اتنا زیادہ ہو گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم
 بول نہ کر سکتے تھے۔ اسامہ بقصدِ وداع حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور
 حضور کے سر اور ہاتھ مبارک کو بوسہ دیا۔ حضور اپنا دست مبارک آسمان کی
 طرف اٹھا کر اسامہ پر رکھتے تھے۔ اسامہ رخصت ہو کر شکر گاہ میں پہنچے۔ دوسرے

روزِ صبح کے وقت، اسامہؓ پھر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے، اس وقت
 مرض میں تخفیف تھی۔ حضورؐ نے اسامہؓ کو وادہ کرتے ہوئے فرمایا: اَعَدُّ مَعِيَ
 بِمَوَکِبَةٍ۔ اسامہؓ نے جہت میں پہنچ کر لشکر کو کونج کا حکم دیا۔ اور خود سوار ہوئے
 کھتے۔ کہ ان کی والدہ ام ایمن کا قاصد پہنچا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت
 قریب آگیا ہے۔ لہذا اسامہؓ مع عمر فاروقؓ اور ابو عبیدہ بن جراحؓ کے خدمت
 اقدس میں حاضر ہوئے۔ دن ڈھلتے ہی حضورؐ نے وفات پائی۔ یہ سن کر تمام
 سپاہ جہت سے مدینہ واپس آگئی۔ اور بریدہؓ نے وہ جھنڈا رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 علیہ وسلم کے حجرے کے آگے کھڑا کر دیا۔ جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ غلیظہ
 ہوئے۔ تو انہوں نے بریدہؓ کو حکم دیا۔ کہ وہ جھنڈا اسامہؓ کے گھر پر لے جاؤ۔ تاکہ
 وہ متعینانِ لشکر کے ساتھ روانہ ہو جائیں۔ چنانچہ اسامہؓ مع لشکر جہت میں پہنچے۔ اسی
 اثناء میں خبر لگی۔ کہ حوالی مدینہ میں بعض قبائل عرب مرتد ہو گئے ہیں۔ اور مدینہ پر
 حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے بعض اصحاب نے حضرت صدیق اکبرؓ سے عرض
 کی۔ کہ اس حالت میں ایسے لشکر جہاز کا دور دراز ہم پر بھیجنا مصلحتِ وقت
 نہیں۔ صدیق اکبرؓ نے جواب دیا۔ کہ خواہ میری جان جائے۔ میں غلامِ فرمان
 رسول اللہؐ نہیں کر سکتا۔ مگر اسامہؓ سے درخواست کی۔ کہ عمر فاروقؓ کو یہاں چھوڑ
 جائیں۔ تاکہ محافظتِ مدینہ اور مشورہ وغیرہ میں ان سے مدد لی جائے۔ عرض
 اسامہؓ کی اجازت سے فاروقؓ اعظم مدینہ واپس آگئے۔ اور یکم ربیع الثانی
 ۱۱ھ کو حضرت اسامہؓ نے کوچ کیا۔ اور بیس روز میں مقامِ اپنی پیشہ وہاں
 تاخت و تاراج کے بعد اسامہؓ نے اپنے والد کے قاتل کو قتل کیا۔ اور نطقِ منصوص
 واپس آگئے۔

خلاصہ کلام:-

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سے نقل کردہ حوالے سے تین امور بطور خلاصہ ثابت ہوئے۔

امرا اول:-

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں کسی صحابی نے کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہیں کی بلکہ تعمیل حکم کرتے ہوئے صحابہ کرام مقام "جرف" پر پہنچ گئے۔ اس لشکر میں حضرت ابوبکر صدیق اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما تھے۔ پھر ربیع الاول تک لوگ اس میں شامل ہوتے رہے اور حضرت ام امین کے اطلاع پہنچانے کے بعد حضرت اسامہ لشکر کو لے کر واپس آئے۔

امروم:-

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو نیکو ۸ ربیع اول کو شہید بیمار ہو گئے۔ اس لیے آپ نے خلیفہ نماز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ اور صدیق اکبر آپ کے آخری وقت تک یہ فریضہ سزا انجام دیتے رہے۔ ادھر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر ربیع الاول کو اپنی منزل مقصود کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی شدت کی اطلاع سننے پر مزید روانگی معطل کر دی گئی۔ اور لشکر واپس آگیا۔

امروم:-

حضور سرور کائنات کے وصال کے بعد جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو آپ نے فوراً حضرت اسامہ بن زید کو حکم دیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد

کی تعمیل کی جائے۔ اور باوجود اس کے کہ مدینہ کے ارد گرد قنبر ارتداد نے سر اٹھایا تھا اور حجازی اہل مدینہ (مسلمانوں) پر حملہ کی تیاریوں میں مصروف تھے، جس وجہ سے حالات اس لشکر کو رمیوں سے مقابلہ کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ اور مزید برآں صحابہ کرام بھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس تجویز کی مخالفت کر رہے تھے۔ ان تمام حالات کے ہوتے ہوئے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے صرف ایک بات کو پیش نظر رکھا۔ وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تیار فرمایا ہوا لشکر اپنی منزل مقصود کی طرف ضرور جائے گا۔ خواہ اس کی خاطر میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل ضرور کروں گا۔

لہذا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت اسامہ بن زید سے یہ درخواست کی کہ اپنے لشکر میں سے عمر بن خطاب کو میرے پاس چھوڑ دے کیونکہ آئندہ خطرات میں وہ میرے مدد اور معاون بن سکتے ہیں۔ لہذا انہیں چھوڑ دیا گیا۔

مذکورہ امور بخاتم سے معلوم ہوا کہ حضور سرورہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی سرپرستی میں تیار کر کے کا حکم دیا۔ آپ کے حکم کی تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مخالفت کی۔ اور زید فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس سے منہ موڑا۔ بلکہ پوری مسند سے ان دونوں نے اور ان کے ملزمان صحابہ کرام نے تعمیل کی۔ اور جو کچھ ہوا۔ وہ بکا کلم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق اور آپ کی رضا سے ہوا۔

جو سکتا ہے۔ کو کوئی یہ کہہ دے۔ کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ توبہ ہمیشہ اور عالم نہیں۔ ان کا قول تمہارا سے یہ ترجمت ہو سکتا ہے۔ لیکن ہم جب انہیں اپنا پیشوا اور عالم ہی تصور نہیں کرتے۔ ان کے عقائد اور ہمارے عقائد مختلف ہیں۔ ایسے میں ان کا ہمارے عقائد بطور دلیل کیسے مقبول ہو سکتا ہے؟ تو یہیجے بہنے پر ۱۱۔ کہ شاہ صاحب مازم کے عقائد اور تہا سے عقائد میں فرق ہے۔ اور تحفہ اشاعت

تہا سے لیے حجت نہیں۔ چلو اپنی کتب سے دیکھ لو۔

امور مذکورہ کی تائید کتب شیعہ سے

تائید امراول :- شیخین لشکر اسامہ میں شریک تھے۔
احتجاج طبرسی :-

شَمَّ دَعَا أَسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ فَقَالَ سِرْ
عَلَى بَرَكَةِ اللَّهِ وَالتَّصَوُّرِ وَ الْعَافِيَةِ
حَيْثُ أَمَرْتُكَ عَلَيْهِ وَ كَانَ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَتْدُ أَمْرُهُ عَلَى
جَمَاعَةٍ مِّنَ الْمُهَاجِرِينَ وَ الْأَنْصَارِ
فِيهِمْ أَبُو بَكْرٍ وَ عُمَرُ جَمَاعَةٌ
مِّنَ الْمُهَاجِرِينَ الْأَوَّلِينَ وَ أَمْرُهُ آتَى
يَغْيَرَ عَلَى مُوْتَمَةٍ وَادٍ فِي خِلَاطَيْنِ فَقَالَ
لَهُ أَسَامَةُ يَا أَبَا أَنْتَ وَ أَتَى يَا رَسُولَ
اللَّهِ آتَاؤُنِي فِي الْمَتَامِ أَيَّامًا حَتَّى
بَشَرَفِيكَ اللَّهُ فَإِنِّي مَتَى خَرَجْتُ وَ أَنْتَ
عَلَى هَذِهِ الْحَالَةِ خَرَجْتُ وَ فِي قَلْبِي
مِنْكَ قَرَحَةٌ فَقَالَ أَنْتَ يَا أَسَامَةُ
لِمَا أَمَرْتُكَ فَإِنَّ الْقَعُودَ عَنِ الْجِهَادِ

لَا يَجِبُ فِي حَالٍ مِنَ الْأَحْوَالِ قَالَ كَتَبَ لَكَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ
النَّاسَ طَعَنُوا فِي عَمَلِهِ فَقَالَ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَدِئْتُ أَتَكْتُمُ
طَعْنَكُمْ فِي عَمَلِ إِسَامَةَ

وَفِي عَمَلِ أَبِيهِ مِنْ قَبْلُ وَ
أَيُّهُمُ اللَّهُ أَنَّهُ لَخَلِيقُ الْأَمَارَةِ وَإِنَّ أَبَاءَ
كَانَ خَلِيقًا لَهَا وَأَنَّهُ وَ أَبَاءَهُ مِنْ أَحَبِّ
النَّاسِ إِلَيَّ فَأَرْصِيكُمْ بِهِ خَيْرًا فَسَلَّمُوا
فَكُنْتُمْ فِي أَمَارَتِهِ لَعَنُوكَ فَقَالَ فَاتَّيْتُكُمْ
فِي أَمَارَةِ أَبِيهِ ثُمَّ دَخَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْتَهُ وَخَرَجَ إِسَامَةُ
مِنْ بَيْتِهِ حَتَّى عَسْتَرَ عَلَى رَأْسِ قَوْمٍ مَسَّحَ
مِنْ الْمَرْبُوبَةِ وَنَادَى مُتَوَدِّعِي رَسُولِ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ لَأَ
يَتَخَلَّتْ مِنْ إِسَامَةَ أَحَدٌ يَمْنُنُ أَمْرَهُ
عَلَيْهِ فَلَحِقَ النَّاسُ بِهِ وَكَانَ أَوَّلُ مَنْ
سَارَعَ إِلَيْهِ أَبُو بَكْرٍ وَ عُمَرُ وَ آدِيُّ
عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فَتَزَلُّوا فِي رِفَاقِ
وَ أَحَدٌ مَعَ جَمْعٍ أَهْلُ الْعَسْكَرِ فَتَنَالُوا
وَقَتْلُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فَجَمَعَ النَّاسُ مِنْ تَحْتِ كَعْبِ بْنِ كَعْبٍ فِي بَيْتِ أَسَامَةَ يَدْخُلُونَ
عَلَيْهِ إِنْ سَأَلُوا سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ يَوْمَئِذٍ ذَاكَ كَانَ
لَمْ يَدْخُلْ أَحَدٌ مِنَ الْأَنْصَارِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ إِلَّا انْصَرَفَ إِلَى سَعْدٍ يَتَعَرَّضُ فَتَالَ وَ
فَبِضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَثَّتْ
بِشَايِ مِنْ يَوْمِ الْإِثْنَيْنِ بَعْدَ خُرُوجِ أَسَامَةَ
عَلَى مَدِينَتِهِ يَوْمَئِذٍ خَرَجَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ وَالْمَدِينَةُ
فَمَنْ رَجَعَتْ بِأَلْفَيْهَا وَأَقْبَلَ أَبْرَمَكَ عَلَى نَاقَتِهِ
حَتَّى وَقَفَ عَلَى بَابِ الْمَسْجِدِ فَقَالَ آيْتُهَا
النَّاسُ مَا أَنْكُمْ تَمْرُجُونَ إِنْ كَانَ مَعَكُمْ
هَذَا مَا تَشْرِبُونَ مُعْتَدِلٌ لَمْ يَمُتْ وَمَا
مُسْتَدِلٌ إِنْ رَسُولُكُمْ قَدْ دَخَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ
رَسُولٌ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبَ ثُمَّ عَلَى
أَعْمَارٍ لَكُمْ وَمَنْ يَسْتَيْبِ عَلَى عَيْبِيهِ فَلَنْ
يَعُفَّرَ وَاللَّهُ شَهِيدٌ

(١) اجتماع طبري جلد اول ص ٩٠-٩١ مطبوع

نجم اشرف طبع جديد ١٣٨٢ هـ

ذكر طريف مما جرى بعد وفاة

رسول الله من المهاجرين والأنصار في البر

الخلافة (الخ)

(٢) اجتماع طبري جلد اول ص ٩٠-٩١ مطبوع

نور محمد: پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ بن زید کو بلایا۔ اور فرمایا: اللہ کی برکت،
 مدد اور عافیت کے ساتھ ان لوگوں کو ساتھ لے کر کوچ کرو جس کا میں
 نے تمہیں حکم دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید کو
 مہاجرین اور انصار کی جماعت کا امیر مقرر کیا تھا۔ جس میں ابو بکر اور عمر بھی
 تھے۔ اور مہاجرین اولین بھی انہی کے زیر ریادت تھے۔ آپ نے فرمایا:
 کہ داری موت پر حملہ آور ہو جاؤ۔ جو ارضِ فلسطین میں واقع ہے۔ جس پر اسامہ
 نے عرض کی حضور! میرے ماں باپ قریاں: آپ مجھے کیا چندوں کی ہمت
 نہیں عطا فرماتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شفیاب کر دیا۔ تو میں کوچ کر جاؤں
 گا۔ کیونکہ آپ کی ایسی حالت میں اگر میں حملہ کیا۔ تو میرا دل آپ کی وجہ سے
 مغموم رہے گا۔ تو یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم اس کو چاہو
 میں درست نہیں ہے۔ راوی کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی۔ تو کچھ لوگ میرے
 اس فیصلہ سے راضی نہیں۔ (یعنی اسامہ کو امیر شکر بنانے سے) آپ نے
 فرمایا: لوگو! مجھے پتہ چلا ہے۔ کہ تم اسامہ کے بارے میں مجھ سے شغف نہیں
 ہو۔ اور اس سے قبل اس کے باپ کے بارے میں بھی تو رازی خیال تھا
 خدا کی قسم! اسامہ پیدا ہی امیر بننے کے لیے ہوا۔ اور بے شک اس کا
 باپ بھی اسی کے لیے پیدا کیا گیا تھا۔ وہ اور اس کا باپ مجھے اور لوگوں
 سے زیادہ محبوب ہیں۔ میں نہیں اس کے بارے میں جلائی کی وصیت کرتا
 ہوں۔ پس خبردار! ابو تم نے اسامہ کی امارت میں کچھ ادھر ادھر کی باتیں
 کہیں۔ تم میں سے اعتراض کرنے والوں نے اس کے والد کے بارے میں
 بھی اعتراض کیا تھا۔

برکہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دولت کدہ قشرِ نبوت سے نکلے۔ اور اسامہ
 اسی دن شکر کے کرہل پڑے۔ حتیٰ کہ مدینہ سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر پڑاؤ

کہا۔ ایک منادی کرنے والے نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ منادی کی۔ کہ آپ نے فرمایا ہے۔ کوئی شخص ان لوگوں میں سے پیچھے نہ رہے۔ جن پر میں نے اسامہ کو امیر مقرر کیا۔ تو تمام لوگ اس لشکر میں جا ملے۔ ان میں سے سب سے جلدی جانے والے ابو بکر، عمر اور ابو عبیدہ بن الجراح تھے۔ یہ سب لوگ لشکر اسامہ کے ساتھ ایک ہوا رزق میں پورا کرے۔ راوی کہتا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کامر مس بڑھ گیا۔ اور ادھر لوگ جوق در جوق حضرت اسامہ کے لشکر میں داخل ہونے کے لیے جا رہے تھے۔ جو ابھی تک ان نہیں پہنچے تھے۔ سعد بن عبادہ ان دنوں بیمار تھے۔ اور انصار میں سے جو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیمار پرستی کرنے جاسا۔ وہ واپسی پر سعد بن عبادہ کی تیمارداری بھی کرتا۔ راوی کہتا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سوا کو بوقت چاشت انتقال ہو گیا۔ اس وقت اسامہ اپنی فوجی چھانڈنی کی فرت نکل چکے تھے۔ اور انہیں گئے ہوئے دوران جو چکے تھے۔

(جب لشکر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر پہنچی) تو وہ واپس پلٹ آیا۔ ادھر مدینہ منورہ لوگوں سے کچھا کچھ چھڑ گیا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اونٹنی پر سوار ہو گئے۔ اور مسجد نبوی کے دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ اور لوگوں کو (نہلی سینے کے لیے) خطاب فرمایا۔ لوگو! تم کہوں بریں ان ہو؟ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم انتقال فرما گئے ہیں۔ تو اب محمد کو زندہ ہے۔ اور پھر آیت پڑھی۔ وما یداد رسول فقد خلقت من قبلہ الرسل الخ۔ ترجمہ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہی ہیں۔ ان سے قبل بہت سے پیغمبر گزر چکے۔ کیا اگر آپ فوت ہو جائیں۔ یہ شہید کر دیے جائیں۔ تو تم ایمان چھوڑ دو گے؟ یا اور کھو

جو بھی ایمان سے پھرا وہ ہرگز اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔

جیسا کہ علی بن حسین مسعودی شیعہ نے اپنی معتبر تاریخ التنبیہ والاشراف میں اس کی شکون کی توثیق یوں کی ہے۔

التنبیہ والاشراف:-

وَكَانَ فِي بَعْثِهِمْ ثَمَرَيْنِ الْخَطَابِ وَالزَّيْبِ وَأَبُو عُبَيْدَةَ
بَيْنَ الْجَرَاحِ وَتَشْوِزِ عَمٍّ فِي الْإِخْوَةِ بِكُفْرٍ كَانَ فِي هَذَا الْبَعْثِ
أَمُّ لَا

(التنبیہ والاشراف ص ۲۴۴ مطبوعہ قاہرہ)

طبع جدید

ترجمہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکرِ اسامیہ میں عمر فاروق اور زبیر اور عبید بن الجراح کو بھیجا مگر ابو بکر صدیق کے متعلق اختلاف ہے کہ آپ کو بھی لشکرِ اسامیہ میں بھیجنے کا حضور علیہ السلام نے حکم فرمایا ہے یا نہیں۔

الحاصل:-

شیعہ مورخ مسعودی نے ثابت کر دیا کہ لشکرِ اسامیہ میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بعثت کو معترض طعن بنانا سراسر غلط اور بے بنیاد ہے لہذا تیسرے مصنف کی اس عبارت کے بعد کسی شیعہ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس مسئلہ میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر فحاش طعن دراز کرے کیونکہ یہ مسئلہ پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا اور حقیقت حال بھی یہی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لشکرِ اسامیہ میں شامل ہونے کا حکم ارشاد نہیں فرمایا کیونکہ انہیں حضور علیہ السلام نے اپنے زمانہ ملاقات

یہی ہے۔ مروا ابابکر فیصل بالناس (یعنی ابوبکر صدیق کو کہہ دو کہ وہ میری
برائیاں اگے ساتھ حکم فرما کر اپنے پاس امامت کے لیے رکھ لیا۔
فاعتبروا یا اولی الابصار

ابن حدید: فَخَرَجَ اسَامَةُ وَاللُّوَاءُ عَلَى رَأْسِهِ وَ
الْمَتَعَابَةُ بَيْنَ يَدَيْهِ حَتَّى إِذَا كَانَ بِالْجَرَفِ
نَزَلَ وَمَعَهُ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَكَثُرُ الْمُهَاجِرِينَ
وَالْأَنْدَسَارِ مُسَيِّدُ بْنُ حُضَيْرٍ وَبَشِيرُ بْنُ سَعْدٍ
وَحَذِيرَةُ بْنُ مَقِينٍ الْوَجْرُ وَفَجَاءَ رَسُولُ اللَّهِ
أَيْمَنَ يَسْتَرْ لَهْ أَدْخَلَ فَنَاقَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمُوتُ فَنَامَ مِنْ مَقَامِهِ فَدَخَلَ
الْمَرْيَمَةَ وَاللُّوَاءُ مَعَهُ فَجَاءَ بِهِ حَتَّى رَكَّزَهُ بِبَابِ
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَسُولُ اللَّهِ فَقَدْ مَاتَ
فَوَيْدَتِ السَّاعَةُ فَكَانَ كَمَا كَانَ أَبُو بَكْرٍ وَقَعَمَرٌ يَخَاطِبَانِ
اسَامَةَ إِلَى أَنْ مَاتَا الْآيَاتُ لَا يَمُوتُ

ابن حدید شرح نہج البلاغہ جلد دوم ص ۲۱

مطبوعہ بیروت، طبع جدید برائے اسامہ

فی تعبث جیش اسامہ ولسب

محمد بن ابی بکر الخ۔

ترجمہ: اسامہ اس حالت میں چل پڑے کہ جھنڈا ان کے سر پر تھا۔ اور صحابہ
کی جماعت ان کے آگے آگے تھی۔ یہاں تک کہ مقام جرف پر اترے

اسامہ کے ساتھ ابو بکر، عمر اور مہاجرین کی بہت بڑی مقدار تھی۔ اور انصارِ مکہ سے اسید بن جعفر اور بشیر بن سعد وغیرہ کا بر بھی تھے۔ اتنے میں اسماعیل کی طرف سے ایک آپٹی آیا۔ اور اگر کہہ دینے چاہئے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا ہی چاہتا ہے۔ تو حضرت اسامہ واپس مدینہ آ گئے۔ اور جہنڈا ابھی ساتھ لے آئے اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر نصب کر دیا۔ اتنے میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کو پیار سے ہو گئے۔ اس واقعہ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما اپنی آخری سانس تک حضرت اسامہ کو جب بھی جلاتے۔ انہیں "امیر اکبر" کہہ کر جلاتے تھے۔

حضرت اسامہ کے لشکر میں دو درگزر شرکت فرمانے

والے شیخین بھی تھے

علامہ طبرسی شیعی نے اپنی اس تحریر میں اس مسئلہ کو واضح کر دیا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جن حضرات کو حضرت اسامہ بن زید کے لشکر میں داخل ہونے کا حکم دیا تھا۔ ان میں سے کوئی بھی چھپے نہ رہا۔ اور ان شرکت کرنے والوں میں حضرت ابوبکر صدیق اور عمر بن خطاب تو سب سے پہلے دو درگزر گئے۔ اس وضاحت کے بعد بھی اگر کوئی ہٹ دھرم نہ ہو کہہ کہ صدیق اکبر اور عمر بن خطاب نے حضرت اسامہ کے لشکر سے تغافل کیا تھا۔ تو اسے اپنی معلومات پر بیٹنا چاہیئے۔ اور ہٹ دھرمی پر نوحہ خوانی کرنی چاہیئے۔

تا بیدار و دم :-

درہ نجفینہ :-

قُلْنَا اشْتَدَّ بِهِ الْمَرَضُ آمَرَ أَرَابَ بْنَ أَن يُعَسِّي
بِالنَّاسِ وَكَذَا أُخْتُتِ فِي صَلَاتِهِ بِرُكُوعِ النَّشِيدَةِ
تَرْجَمَهُ أَنَّهُ لَمْ يَصِدْ بِهِمْ إِلَّا مَسْلُوقَةً وَاحِدَةً وَهِيَ
الْمَسْلُوقَةُ الَّتِي خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ فِيهَا بَيْنَهُ ذِي بَيْنَ عِلِّي وَالْفَضْلِ فَتَنَامَ
فِي الْمِعْرَابِ مَمَامَةً وَتَأَخَّرَ أَبْرَبُ ذِي وَالصَّحِيحُ
عِدَّةٌ وَهُوَ الْأَكْثَرُ الْأَشْرَفُ أَيْدِي الْمَدِينَةِ أَيْدِي الْمَدِينَةِ فِي
حُلِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاسِ بِجَمَاعَةٍ وَأَنَّ أَبَا بَكْرٍ يَعْطِي النَّاسَ نَعْمَةً
ذَلِكَ يَدْمَيْنِ ثُمَّ مَاتَ . (درہ نجفینہ شرح منہج البلاغہ ص ۲۲۵)

ترجمہ :- جب آپ کا مرض بڑھ گیا۔ تو آپ نے ابو بکر کو حکم دیا کہ لوگوں کو نماز پڑھاؤ۔
ابو بکر نے کتنی نمازیں پڑھائیں۔ اس میں اختلاف ہے شیعوں نے کہتے
ہیں کہ فقط ایک ہی نماز پڑھائی۔ اور وہ بھی وہ نماز تھی کہ جس کی ادائیگی
کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی اور فضل بن عباس کے کندھوں
کا ہمارا لیے ہوئے تشریف لائے تھے۔ تو آپ محراب میں کھڑے ہو
گئے اور ابو بکر صدیق پیچھے ہٹ گئے۔

میرے نزدیک صحیح یہ ہے۔ اور یہی مشہور اور اکثریت کا قول بھی ہے۔ کہ یہ نماز
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی آخری نماز تھی۔ جو کہ آپ نے لوگوں کے ساتھ ادا
فرمائی۔ بلکہ اس نماز کے بعد ابو بکر صدیق نے دوران متواتر نمازیں پڑھائیں۔ پھر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا۔

الحاصل:

حاصل کلام یہ ہے۔ کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے دوران عازم سفر ہو گئے تھے۔ اور پھر ام ایمن کی طرف سے انہیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید بیمار ہونے کی اطلاع پہنچی۔ تو یہ لشکر واپس واپس آگیا اس لشکر میں شرکت کرنے کے لیے دوڑ کر جانے والوں میں شیمن بھی تھے۔ اس کے بعد دوسرے حکم کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا۔ صاحب درہ نجفیہؒ کی عبارت سے یہ واضح ہوا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فائزوں کی امامت کے لیے مقرر فرمایا جس کی وجہ سے آپ آخر وقت امامت کے فرائض سر انجام دیتے رہے۔

دونوں صورتوں میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی۔ جب لشکر اسامہ میں جانے کا فرمایا۔ تو دوڑ کر چلے گئے۔ اور جب غیظہ فائز مقرر فرمایا۔ تو اس کی تعمیل کی۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی مرضی سے پیچھے نہیں رہے۔ لہذا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا وہ حکم مصطفوی سے کیا تھا۔ اور آپ کے ارشاد پر عمل پیرا ہونے میں سر مو بھی مخالفت نہ کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پہلے حکم کو دوسرے حکم کے ذریعہ منسوخ کر کے انہیں ساری امامت کا امام مقرر فرما دیا۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

تا یہ امر رسوم : خلیفہ مقرر ہونے پر صدیق اکبر نے مذکورہ لشکر سختی سے روانہ کیا۔

روضۃ الصفاء :-

چوں امر خلافت بر صدیق اکبر قرار گرفت۔ فرمود تا در مدینہ نماز کند کہ پنج کس
از شکران اسامہ تخت نماید۔ و بہر کار رسول اللہ نامزد فرمود کہ با اسامہ برو
باید کہ در آن امر تاخیر و تسوئیت جائز ندارد۔ بعض اصحاب اسے وکیاست
معرض صدیق گردانیدند کہ معظم شکر اسلام میں جماعت اند کہ می فرمائی کہ
ہمراہ اسامہ بغیر ابرو نہ ساکنوں چوں مسوع مے شود۔ کہ قبائل عرب و فرق
یہود کو در حوائی مدینہ اند و در مقام ارتداد و مخالفت اند۔ مباد کہ از رفتن اسامہ
خلعے ملک و ملت راہ یابد۔ اگر روزے چند این مہم دور تاخیر و تعویق مانند
بصواب نزدیک تر باشد صدیق در جواب گفت کہ اگر سباع خارہ در
غیبت اسامہ مرا پادہ پادہ سازند من اورا خواہم فرستاد۔.....
القصہ صدیق فرمان داد تا اسامہ بمقصد شتابد۔ اسامہ بموجب فرمودہ براحلہ
نشست در رستے توجہ بہ یار شام آورد۔..... نقل است کہ بعد از
انتقال حضرت مقدس نبوی از باب شقاق و منادرا تصور آن بود کہ اہل اسلام
لا قوت و شوکتے نمائند کہ لشکر کشند ہ آسان بدفع ایشان می توانی پرداخت
چوں بسامع آن جماعت رسید کہ اسامہ بالشکرے چنان قوی از مدینہ بیرون
رفت رعب و خوف بر خاطر ہمد استیلا و یانت و از مسلمانان حساب بہا بر
گرفتند بصحت پیوستہ کہ از لشکر اسامہ ایچ کس تخت۔ نمود و اگر فاروق
و این صورت بواسطہ آن بود کہ در حین وداع صدیق با او گفت کہ در سوانح
ہمات بحضور عمر احتیاج است۔ اگر اسے تواقضار فرمایند اورا رخصت

وہ تباہ کر دو۔ اس امر ملتس ابو بکر مہذول داشتہ عمر بخیرینہ مراجعت نمود۔

(۱) تاریخ روضۃ الصفاء جلد دوم ص ۳۳

طبع قدیم مطبوعہ نو کشور۔

وکر خلافت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ

(۲) تاریخ التواریخ جلد اول تاریخ خلفاء

ص ۱۸ گیسل شدن اسامہ بن زید بجانب

شام مطبوعہ تہران طبع جدید۔

ترجمہ: جب ابو بکر صدیق خلیفہ مقرر ہو گئے۔ تو انہوں نے حکم دید کہ مدینہ میں ڈھنڈو

کر دیا جائے۔ کہ اسامہ کے فوجیوں میں سے کوئی بھی پیچھے نہ رہے۔ اور جسے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نامزد فرادیا۔ کہ وہ اسامہ کے ساتھ جائے گا۔ تو وہ

ضرور جائے۔ اور اسے جانے میں قطعاً ایست و سل نہیں کرنی چاہیے۔ بعض

صاحب الرائے اور سمجھ دار حضرات نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے درخواست

کی۔ کہ اسلام کا عظیم شکر تو یہی ہے۔ جو آپ حضرت اسامہ کے ساتھ بھیج رہے

ہیں۔ اب سنیہ میں آ رہا ہے۔ کہ عرب قبائل اور یہودیوں کے ٹوٹے جو

مدینہ کے گرد و فاج میں آباد ہیں۔ مرتد ہو گئے ہیں۔ اور مسلمانوں کی مخالفت

پر اتر آئے ہیں۔ ایسا نہ ہو۔ کہ حضرت اسامہ کی روانگی کے بعد ان کی وجہ

سے ملک و ملت کسی غمرازی سے دوچار ہو جائے۔ لہذا اگر چند دنوں کے

لیے آپ اس مہم کو موخر کر دیں۔ تو بہت بہتر ہو گا۔ صدیق اکبر نے جواب

دیا۔ اگر انتہائی نقصان پہنچانے والے دزدے۔ اسامہ کی مدد موجودگی

میں میرے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔ تو بھی میں اُسے ضرور بھیجوں گا۔

قصہ کوتاہ یہ کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت اسامہ کو اپنے

مقصد کی طرف بڑھنے کا فریاد حضرت اسامہ بن جہل حکم سوار ہو کر متوجہ
 ہوا۔ نقل ہوئے۔ نقل ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد کچھ بد بختوں
 اور دشمنوں نے یہ خیال کر لیا کہ اب مسلمانوں کی قوت و شوکت ختم ہو چکی
 ہے۔ اور وہ کسی مقابل کو آسانی سے پیچھے نہیں ہٹا سکیں گے۔ جب اس
 قسم کے لوگوں کو یہ اطلاع ہوئی کہ حضرت اسامہ ایک لشکر عظیم لے کر
 مدینہ سے باہر نکل پڑے ہیں۔ تو ان مفسدوں کے دل رعب و خوف
 سے لرزاں ہو گئے۔ اور مسلمانوں سے ڈرنے لگے۔ یہ بات درجہ صحت
 کو پہنچی ہے۔ اب حضرت اسامہ کے لشکر سے بجز فاروق اعظم کوئی نیچے نہ
 رہا۔ ان سبھی سے رو جلد نے کا یہ سبب تھا کہ صدیق اکبر نے حضرت
 اسامہ سے کہا کہ کہات کے روغا ہونے کی صورت میں مجھے حضرت
 عمر کی ضرورت پڑے گی۔ اگر تمہاری رائے یہ فیصلہ کرے۔ کہ اسے
 یہاں ہی رہنا چاہیے۔ تو پھر انہیں واپسی کی اجازت دے دیں۔ حضرت
 اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے صدیق اکبر کی انہماکی کو منظور کرتے ہوئے
 عمر بن خطابؓ کو اجازت دیدی اور واپس لے آئے اتنی جگہ یہاں تک کتب شیعہ
 سے ہم دکھا سکتے ہیں کہ باوجود اس بات کے کہ ابوبکر صدیق خلیفہ وقت
 اور کھانا کھاتے آپ نے صرف عمر کے لیے بھی نہیں بلکہ اپنے لیے بھی
 اسامہ سے اجازت طلب کی تو اسامہ ان دونوں کو اجازت دے
 دی۔ ملاحظہ ہو۔

اعلام الوریٰ :-

فَسَأَلَ اسامَةَ بْنَ جُهَلٍ مَّا تَقُولُ فِي نَفْسِكَ اَمْتُ

قَالَ قَدْ تَرَى مَا صَنَعَ النَّاسُ فَأَنَا أَحَبُّ إِلَيْكَ تَأْذَنُ لِي وَ
لِعَمْرٍ

(علامہ الوری مصنف فضل ابن حسن طبرسی
۱۲۵۵ ذکر وفات رسول مطبوعہ بیروت
طبع جدید)

ترجمہ:- اسامہ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تمہارا اپنے متعلق کیا خیال ہے
تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ لوگوں نے مجھ پر خلافت کا بوجھ ڈال
دیا ہے لہذا اوقات کی نزاکت کے پیش نظر اگر آپ مجھے اور عمر کو اجازت
دے دیں تو اچھا ہو گا لہذا اسامہؓ اجازت دے دی۔

جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے "جیش اسامہ" کی جو صورت
اپنی تصنیف مد تحفہ اثنا عشریہ میں تحریر فرمائی۔ اور اس واقعہ کی جو حقیقت انہوں نے ذکر کی۔
اس کی بعینہ تائید و تصدیق شیعہ حضرات کی اپنی کتب نے بھی کر دی۔ جس کا آپ کی
مطالعہ فرما چکے ہیں۔ تو جو شخص شاہ صاحب مرحوم کی تحریر کے مطابق اور شیعہ کتب کی
تصدیق کے ساتھ اس واقعہ کو جاننے اور سمجھنے کی کوشش کرے گا۔ وہ لازماً اسی نتیجہ
پر پہنچ جائے گا۔ کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس شکل
سے تعلق نہیں کیا تھا۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی ہر صورت میں تعمیل کی پہل
یہ طعن بھی بے اصل اور غلط ثابت ہو گا کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر بن خطاب
رضی اللہ عنہ نے "جیش اسامہ" میں شرکت و ذمہ کار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد

کو زمانہ اور اس طرح حکم عدولی کی وجہ سے وہ خلافت کے مستحق نہ رہے۔

صاحب حیات القلوب "علاء باقر مجلسی" کی اختراع

جیسا کہ آپ "حیات القلوب" کی عبارت پر لکھ چکے ہیں۔ اس میں "علاء باقر مجلسی" نے ایک عجیب و غریب ذہنی اختراع سے کام لیا۔ وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید کے لشکر میں مدینہ کے منافقین اور سازشیوں کو اس لیے بھرتی کیا۔ تاکہ ان کی عدم موجودگی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی "خلافت امارت" کا معاملہ بخوبی سرانجام پاسے۔ اور اس میں کسی قسم کی روکاوٹ باقی نہ رہے۔ اس من گھڑت وجہ کو "مجلسی" نے اٹھائی کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت قرار دیا عجیب بات ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کی بات کا علم اسے کس طرح ہوا۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جن کے خطرے کے پیش نظر یہ ڈرامہ گھڑا گیا۔ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اپنے پاس بلایا۔ اور "علیفہ" نماز، کا منصب بھی عطا فرمایا۔ اگر واقعی بقول مجلسی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت یہی تھی۔ تو پھر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دور دراز کسی سفر پر بھیج دیتے۔ اور انہیں منصب اہم صلوة کا حکم نہ دیتے؟

"وحیش اسامہ" میں شرکت نہ کرنے والوں پر لعنت کی تحقیق

صاحب کتاب "الملل والنحل"، نے وحیش اسامہ میں شرکت نہ کرنے والوں کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک قول نقل کیا "لَعَنَ اللَّهُ مَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا، جو دشمن سے پیچھے رہا۔ اس پر لعنت کی لعنت"۔ حدیث پاک کا آنا حدیث

باسک بے اصل ہے۔ کیونکہ اہل سنت کی کتاب میں اس کا تذکرہ نہیں۔ بلکہ حاجی سرزا ابراہیم افضلؒ جو شیعہ لوگوں کے نزدیک محققین میں شمار ہوتا ہے۔ نے اپنی کتاب "شفاء الصدور فی شرح زیارة العاشور" میں اس جملہ کے بارے میں لکھا ہے۔

شفاء الصدور:-

محمد بن عبدالمکریم شہرستانی حدیث کتاب مل و نخل نقل کردہ کہ میغیر فرمود جھنوا جیش اسامہ لعن اللہ من تخلف عنہا۔ و صدر ای حدیث اگرچہ متواتر است و مے ذیل آل کشتل بر لعن است از طرق عامر بن بندہ و در غیر مل و نخل مدیدہ ام۔

(شفاء الصدور فی شرح زیارة العاشور)

مطبوعہ مہجی سنہ ۱۳۱۰ھ ۱۳۶۷ء

ترجمہ: محمد بن عبدالمکریم شہرستانی نے کتاب مل و نخل میں نقل کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اسامہ بن زید کے لشکر کو تیار کرو جو اس سے پیچھے رہے۔ اس پر اللہ کی لعنت" اس حدیث کا ابتدائی حصہ اگرچہ متواتر ہے۔ لیکن اس کا آخری حصہ جو لعنت پر مشتمل ہے۔ میں نے اہل سنت کے طریقوں میں ماسوائے مل و نخل کے کسی دوسری کتاب میں نہیں دیکھا۔

صاحب "الملل والنحل"، انور اسماعیلی تھا۔

شیخ الاسلام تاج الدین سبکی (متوفی ۷۵۶ھ) نے شہرستانی کے حال میں لکھا ہے۔

طبقات شافعیۃ الکبریٰ:-

فِي تَارِيخِ شَيْخِنَا الذَّهَبِيِّ أَنَّ ابْنَ السَّمْعَانِي ذَكَرَ أَنَّ
كَانَ مَتَّهًا بِالْمِيلِ إِلَى أَهْلِ الْقَلَاعِ يَعْنِي السَّمَاعِيَّةَ
وَالدَّعْوَةَ إِلَيْهِمْ وَالتَّمَرُّدَ لِطَامَاتِهِمْ وَأَنَّهُ قَالَ
فِي التَّجِيرِ أَنَّ مَتَّهًا بِالْحَادِ وَالْمِيلِ إِلَيْهِمْ عَالٍ
فِي الشَّيْعِ -

طبقات شافعیۃ الکبریٰ جز رابع ص ۷۷

ترجمہ: ہمارے شیخ ذہبی (متوفی ۴۸۸ھ) کی تاریخ میں ہے کہ ابن سمعانی نے ذکر کیا کہ شہرستانی فرقہ اسماعیلیہ کی طرف میلان رکھنے اور ان کے مذہب کی طرف دعوت دینے اور ان کے بے اصل اقوال کی تائید کرنے کے ساتھ مہتمم تھا۔ اور ”ابن سمعانی“ نے اپنی کتاب ”تجیر“ میں کہا کہ شہرستانی الحاد اور ملحدوں کی طرف میلان رکھنے میں مہتمم تھا۔ اور کثرت غالی شیعوں تھا۔

تو جو شخص خود شیعوں کی ایک قسم کا ”اسماعیلی“ ہو۔ اور اس کے ساتھ الحاد و بے دینی کی بھی اس پر قہمت ہو۔ تو ایسے شخص کی مقائد کے مسائل کے بارے میں بات کون قبول کرے گا۔ پھر خصوصاً تنقید صحابہ اور لعن صحابہ کے بارے میں ایسے ملعون اور مہتمم آدمی کی بات تسلیم نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ ان کا عقیدہ ہی یہی ہے۔ جسے انہوں نے توڑ موڑ کر ہر طرف ثابت کرنا ہے۔

فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ



طعن دوم

حضرت علی رضی اللہ عنہ شیعین کو خاکن اور دھوکہ باز سمجھتے تھے

(معاذ اللہ)

اہل سنت و جماعت کو یہ عقیدہ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ دوستی اور مودت تھی یہ حضرات درجہ اربعہ کی زندہ تصویر تھے۔ بالکل غلط اور بے اصل عقیدہ ہے۔ کیونکہ اہل سنت کی مستند کتاب، حدیث "مسلم شریف" میں موجود ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان دونوں کو خاکن، اٹھم اور غادر کہتے تھے۔ روایت ملاحظہ ہو۔

روایت مسلم شریف :-

قُلْنَا تَرَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلِ ابْنِ بَكْرٍ أَوْ ابْنِ سُلَيْمٍ
اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعِثْتُمَا تَطْلُبُ مِنْ ابْنِ أَخِيكَ وَ
يَطْلُبُ هَذَا مِنْ ابْنِ أَخِيكَ فَقَالَ ابْنُ بَكْرٍ قَالَ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَرَيْتُمَا تَرَكْتُمَا صَدَقَةً فَارْتَبَعَا
حَاذِبًا ابْنًا عَادِيًّا خَائِفًا وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَنَّهُ لَصَادِقٌ بَارٌّ

رَأَيْتُكَ تَابِعٌ لِلْحَقِّ ثُمَّ تَوَدَّعَى أَبُوبَكْرٍ فَكُنْتُ أَنَا وَلِيَّ رَسُولِ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوَلِيَّ أَبِي بَكْرٍ هَذَا آيَتُهُمَا فِي
تَمَازُجًا أَيْضًا غَاوِرًا خَائِفًا.

اصحیح مسلم شریف جلد دوم ص ۹۱ مطبوعہ

اصحیح المطالع رشیدیہ دہلی، باب حکم النبی۔

ترجمہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا۔ تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے
کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا «دلی» ہوں۔ تو تم دونوں «عباسی»
«امی» میرے پاس آئے۔ اور اسے عباسی! تم اپنے بھتیجے کی میراث ان سے
طلب کرنے لگے۔ اور یہ «دلی» اپنی بیوی کا حصہ میراث پدری سے طلب
کرنے لگے۔ تو ابو بکر صدیق نے کہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ ہماری
وراثت نہیں ہوتی۔ بلکہ ہمارا ترکہ، ہر قرعہ ہوتا ہے۔ تو اسی فیصلہ کے بعد تم
دونوں نے ابو بکر صدیق کو کاذب، آثم، غاور اور غائن سمجھا۔ خدا خوب جانتا
ہے۔ کہ وہ صادق، نیک، امین اور حق کے تابع ہیں۔

ان کے بعد جب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ وفات فرما گئے۔ تو میں «دلی رسول»
صلی اللہ علیہ وسلم بنا۔ اور ابو بکر کا «دلی»، بھی بنا۔ تم دونوں نے اسی فیصلہ کے برقرار رکھنے
کی وجہ سے مجھے بھی کاذب، آثم، غاور اور غائن سمجھا۔

اس حدیث کے الفاظ مفرد آیت جاننی کا ذبا، آثم، غاور، شائن
سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور
عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو غائن، دھوکہ باز اور جھوٹا سمجھتے تھے۔ لہذا ان کے ساتھ حضرت
ابو بکر رضی اللہ عنہ کی محبت و عقیدت کے تمام واقعات محض افسانہ نظر آتے ہیں۔ اور ان
سے اتحاد کی باتیں ایک شراب سے کم نہیں۔

جواب اول :-

شیخہ حضرات نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور شیخین کے درمیان جو بدعات و عبادی شہوت کرنے کے لیے مسلم شریف کی روایت پیش کی ہے۔ وہ صرف اتنی ہے جس سے ان کا منہ پورا ہوتا نظر آتا ہے۔ ورنہ اگر پوری روایت ذکر کرتے۔ تو ان کے اسی دعویٰ کی کہ ان حضرات میں اتحاد نہیں تھا۔ اور باہم شہر و شکر نہ تھے۔ بلکہ ایک دوسرے سے شاک تھے۔ قطعی کھلی ہے۔ لیجئے مسلم شریف کی مکمل روایت ملاحظہ فرمائیے۔ اور پھر اس کے مفہوم کو سامنے رکھ کر فرمودہ فرمائیے۔ کہ شیخہ حضرات نے جو کچھ سمجھا۔ وہ کہاں تک درست ہے ؟

مسلم شریف :-

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ الْقَلْبِيُّ
قَالَ نَا جَدَّيْهِ عَنْ مَالِكٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَنَّ مَالِكَ
بْنَ أَنَسٍ حَدَّثَهُ قَالَ أَرَسَدَ إِلَيَّ عُمَرُ بْنُ
الْخَطَّابِ فَخِجْمَتُهُ حِينَ تَعَالَى النَّهَارُ فَتَنَانُ
فَوَجَدْتُهُ فِي بَيْتِهِ جَالِسًا عَلَى مَسِيرٍ
مُعْصِيًا إِلَى رِجَالِهِ مُتَكَبِّرًا عَلَى وَسَادَةٍ
مِنْ أَدَمٍ فَقَالَ لِي يَا مَالِكُ إِنَّهُ قَدْ دَعَا أَهْلَ
أَنْبِيَاءٍ مِنْ هَؤُلَاءِ قَدْ دَعَا أَمْرُكُمْ فِيهِمْ بَرَكْضُخ
فَخَذَهُ فَأَوْشِيصَهُ بَيْنَهُمْ قَالَ قَدْ لَتُ لَوْ
أَمَرْتُ بِهِدَا عَنِّي قَالِ فَخُذْ يَا مَالِكُ قَالَ
فَجَاءَهُ يَزُفًا فَقَالَ هَذَا لَكَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ

فِي عَشْرَانَ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنِ عَرْفٍ وَالزُّبَيْرِ وَمَعْدٍ
 فَقَالَ عَصْرُ نَعَمْ فَأَذِنَ لَهُمْ فَدَسَّخُوا شَقًّا جَاءَ
 فَتَنًا هَذَا لَكَ فِي عَبَّاسٍ وَعَرِيٍّ قَالَ نَعَمْ فَأَذِنَ
 لِيَدْمَا فَتَنًا عَبَّاسُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِنْ قُضِيَ بَيْنِي
 وَبَيْنَ هَذَا السَّكَافِ الْأَيْمِ الْعَاوِرِ الْيَحْيَى قَالَ
 فَقَالَ الْقَوْمُ أَجَلُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ فَاقْضِ
 بَيْنَهُمْ وَأَرْحَهُمْ فَتَنًا مَالِكُ بْنُ أَوْسٍ يُخَدِّعُ
 إِلَيَّ أَنَّهُمْ قَدْ كَانُوا قَدْ مَوَّهُمْ لِيَذَلِكَ فَتَنًا عَصْرُ
 أَتَيْدَا أَلْتَشْدُكُمْ بِاللَّهِ الشَّيْءُ يَأْذِيهِ تَقْتُومُ
 السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ أَنْتُمْ لَمْ تَكُنْ أَنْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُؤْبِتُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ
 قَالُوا نَعَمْ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى الْعَبَّاسِ وَعَرِيٍّ فَتَنًا
 أَتَشْدُكُمْ يَا لَيْزِي يَأْذِيهِ قَتْلُكُمْ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ
 أَنْتُمْ لَمْ تَكُنْ أَنْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
 لَا تُؤْبِتُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ قَالَا نَعَمْ فَتَنًا
 عَصْرُ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى كَانَ خَصَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخَاصَّةٍ لَمْ يُخَدِّصْ بِهَا أَحَدًا غَيْرَهُ
 قَالَ مَا أَقَامَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْبَيْتِ فِي اللَّهِ وَ
 لِلرَّسُولِ مَا أَدْرَى أَهْلُ قَوْمِ الْكَلْبَةِ الشَّيْءَ قَبْلَهَا أَمْ لَا قَالَ
 قَتَلْتُمْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَكُمْ أَمْوَالُ
 بَنِي الْمُضَرِّ قَتَلْتُمْ مَا اسْتَأْذَنَ عَلَيْكُمْ وَلَا أَخَذَهَا

دُونَكُمْ حَتَّى بَيِّنَ هَذَا الْمَسْأَلُ فَكَانَ رَسُولُ
 اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْخُذُ مِنْهُ نَفَقَتَهُ
 سَرَّهٖ ثُمَّ يَجْعَلُ مَا بَيَّنَّ أَسْوَدَ الْمَسْأَلِ مِنْهُ
 قَالَ أَتَشَدُّكُمْ يَا اللَّهُ الَّذِي يَأْذِيهِ تَعْقُومُ السَّمَاءِ
 وَالْأَرْضُ أَتَعْلَمُونَ ذَلِكَ قَالُوا نَعَمْ ثُمَّ
 سَنَّكَ عَبَّاسًا وَعَلِيًّا يَمِيشُ مَا نَشَدَّ بِهِ
 الْقَوْمُ أَتَعْلَمَانِ ذَلِكَ قَالَا نَعَمْ قَالَ فَلَمَّا
 تَوَفَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 قَالَ أَبُو بَكْرٍ أَنَا وَلِيُّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ فَجِئْتُ مَا تَطَلَّبَ مِيرَاثُكَ مِنْ ابْنِ أَخِيكَ
 وَيَطْلُبُ هَذَا مِيرَاثُ امْرَأَتِهِ مِنْ أَيْبِهَا فَقَالَ
 أَبُو بَكْرٍ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 مَا تُوَدِّثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةً فَرَأَيْتُمَا كَاذِبًا
 أَيْشًا عَادِرًا خَائِنًا وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَنَّهُ نَصَادِقُ
 بَارٌّ رَاشِدٌ تَابِعٌ لِلْحَقِّ ثُمَّ تَوَفَّى أَبُو بَكْرٍ
 وَأَنَا وَلِيُّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 وَقَوْلِي أَبِي بَكْرٍ فَرَأَيْتُمَا فِي كَاذِبًا أَيْشًا عَادِرًا
 خَائِنًا وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَنَّهُ نَصَادِقُ بَارٌّ رَاشِدٌ
 تَابِعٌ لِلْحَقِّ فَرَأَيْتُمَا ثُمَّ جِئْتَنِي أَنْتَ
 وَهَذَا وَأَنْتُمَا جَمِيعٌ وَآمُرُكُمَا وَاحِدٌ
 فَقُلْتُمْ إِذْ فَعَرَهَا إِلَيْنَا فَقُلْتُمْ إِنَّ نِشَانَكُمْ

دَفَعْتُهَا إِلَيْكُمْ عَلَى أَنْ عَلَيْكُمْ عَهْدُ اللَّهِ أَنْ
تَعْمَلُوا فِيهَا يَأْتِي كَأَن يَعْمَلُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاتَّخَذْتُمَهَا بِذَلِكَ فَتَالَ
أَكْذَلِكَ فَتَالَا نَعَمْ قَالَ مَشَرَجْتُمَا فَيَا لَا قُضِيَ
بَيْنَكُمْ وَلَا وَاللَّهِ لَا أَقْضِي بَيْنَكُمْ
يَغْيِرُ ذَلِكَ حَتَّى تَقْتُلُوا السَّاعَةَ فَإِنْ عَجَزْتُمَا
عَنْهَا فَارْزُقَا هَا إِلَى

مسلم شریف جلد دوم صفحہ ۱۰۱ مطبوعہ دار الفکر
کتب خانہ رشیدیہ دہلی باب حکم النبی

ترجمہ :-

مالک بن اوس کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلوایا میں دن چڑھے
ان کے پاس گیا۔ اس وقت آپ غزاکے پتروں سے بنی چٹائی (تخت) پر تکیہ
ٹیک لگائے بیٹھے تھے مجھے فرمایا۔ اے مالک! تیرے ہم قوم بہت سے
افراد درازے ہوئے میرے پاس آئے۔ میں نے ان کے لیے عطیہ قلیل کا حکم
دیا ہے۔ تم ان میں تقسیم کرو۔ میں نے عرض کی کہ اگر یہ حکم مجھے چھوڑ کر کسی اور کو
دیتے تو بہت بہتر ہوتا۔ فرمایا۔ لکھا اس کو لے۔ اتنے میں دربان آیا اور
کہا۔ حضرت عثمان ابدا الرحمن بن عوف ازبیر اور سعد امیر انما چاہتے ہیں۔ اجازت
ہے؟ فرمایا۔ ہاں آجائیں۔ وہ آگئے۔ پھر دربان آگئے۔ اور حضرت عباس و
علی رضی اللہ عنہما کے لیے آمد آئے کی اجازت طلب کی۔ اجازت ملنے پر
یہ بھی اندر تشریف لے آئے۔ حضرت عباس نے کہا۔ یا امیر المؤمنین! میرے
اور اس جھوٹے و گنہگار رخیانت کرنے والے اور بے وقار کے درمیان

فیصلہ فرما دیجئے۔ حاضرین نے کہا۔ ہاں امیر المومنین فیصلہ فرما کر ان کو راحت دے
فرمائیں۔ مالک بن اوس کہتے ہیں۔ کہ مجھے خیال گذرا کہ اس تائید کرنے والی قوم
نے ہی ان دونوں دلی و عباسی کو یہاں بیجا ہو گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے
فرمایا۔ ٹھہرو تمہیں اللہ کی قسم دلاتا ہوں۔ جس اللہ کے حکم سے زمین و آسمان
تاکم ہیں۔ تم بتلاؤ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا ہم میراث
نہیں چھوڑتے۔ بلکہ ہمارا ترکہ صدقہ جوتا ہے۔ انہوں نے کہا ہاں۔ فرمایا تھا
پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عباسی اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی طرف
موجود ہوئے۔ اور فرمایا۔ تمہیں اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم سے زمین و
آسمان تاکم ہیں۔ کیا تم دونوں جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا تھا یہ ہماری میراث نہیں ہوتی۔ بلکہ ہمارا سب کچھ چھوڑا ہوا صدقہ جوتا
ہے۔ ان دونوں نے ہاں میں جواب دیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔
کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایسی خصوصیت سے نوازا ہے
جو کسی دوسرے کو عطا نہیں ہوتی۔ پھر یہ آیت پڑھی۔

”مَا آتَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولٍ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ“ الخ، راوی کہتے
ہیں میں نہیں جانتا کہ اس آیت سے پہلی آیت بھی حضرت عمر نے تلاوت
فرمائی۔ یا نہیں۔ آیت پڑھنے کے بعد فرمایا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
”بنی نضیر“ کا مال تم میں تقسیم فرمایا۔ اللہ کی قسم! آپ نے تم سے بڑھ کر اپنی
ذات کو اس معاملہ میں مقدم نہ رکھا۔ اور نہ ہی تمہیں محروم کر کے آپ لیا۔
یہاں تک کہ یہ مال باقی رہ گیا۔ اس میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا
ایک سال کا خرچہ لے لیا کرتے تھے۔ بقیہ اس کے مصارف میں خرچ فرماتے
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر ان لوگوں سے کہا۔ تمہیں اس ذات کی قسم!

جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں۔ کیا تمہیں جو کچھ میں نے کہا معلوم ہے
 سب نے ہاں میں جواب دیا۔ پھر یہی قسم جو سب کو دی تھی حضرت عباس
 رضی اللہ عنہما کو دی کر لیا۔ پھر سب کچھ جانتے ہوئے دونوں نے کہا ہاں۔

حضرت عمر پھر بڑے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد ابو بکر
 صدیق نے کہا۔ کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ولی ہوں۔ تم دونوں ان کے
 پاس گئے۔ تم (عباس) اپنے بھتیجے کی میراث کا مطالبہ کر رہے تھے اور یہ (علیؑ)
 اپنی بیوی و خالہ اس کے حصہ کا تقاضہ کر رہے تھے۔ تو ابو بکر صدیق

نے تمہیں جواب دیا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "ہماری میراث
 نہیں ہوتی۔ بلکہ ہمارا سب کچھ چھوڑا ہوا صدقہ ہوتا ہے۔" تو تم دونوں نے
 ان کو (اس فیصلہ کی بنا پر) خائف، غادر اور گناہگار سمجھا۔ حالانکہ اللہ جانتا
 ہے۔ وہ صادق، نیک، راہ ہدایت پر اور تابع حق تھے۔ پھر ابو بکر صدیق
 رضی اللہ عنہ کی فریاد کی کہ بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر کا ولی
 مقرر ہوا۔ تم دونوں نے مجھے بھی کاذب، خائف، غادر اور آثم کہا۔ حالانکہ
 اللہ جانتا ہے۔ میں بھی صادق، بار، راشد اور تابع حق ہوں۔ میں اس مال کا
 متصرف ہو گیا۔ پھر تم اور یہ دونوں میرے پاس آئے۔ تمہارا معاملہ بھی ایک
 ہی جیسا ہے۔ تم نے کہا۔ وہ مال میں دسے دو۔ میں نے کہا۔ اس وعدہ
 پر تمہیں دینے کو تیار ہوں۔ کہ تم اسے انہی مصارف پر خرچ کرو گے۔ جن
 پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرچ فرمایا کرتے تھے۔ تم دونوں نے اسی شرط
 پر اس مال کو لے لیا۔ پوچھا۔ ایسا ہی ہوا؟ دونوں نے کہا۔ ہاں۔ فرمایا اب
 تم پھر دونوں میرے پاس آئے۔ ہو تاکہ میں تمہارے درمیان فیصلہ کروں
 خدا کی قسم! اس فیصلہ کے بغیر کوئی دوسرا فیصلہ تا قیامت میں نہیں کروں گا۔
 اگر تم اسے انہی مصارف پر خرچ کر

خلاصہ کلام:-

مکمل حدیث کا نظر ڈالنے سے یہ بات سامنے آتی ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو یہ الفاظ فرمائے ہیں۔ کہ تم ہمیں کاذب، افان اور غادر سمجھتے ہو یہ الفاظ دراصل حضرت علیؓ کو رم اللہ وجہ کی تائید و حمایت میں ارشاد فرمائے تھے۔ کیونکہ واقعہ یہ تھا۔ کہ بنی تغلبہ کے مالک کو جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علیؓ اور عباس رضی اللہ عنہما کی تولیت میں دیا تھا اس میں "مال فانی" کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا خیال تھا۔ کہ ہم تقسیم کر لیں تفصیل اس کی یہ تھی۔ کہ اس آمدنی کی تقسیم میں کمی بیشی پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ حاضر تھے۔ لیکن حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ اس کی تقسیم کے خلاف تھے۔ کیونکہ آپ جانتے تھے کہ یہ مال "مال وقف" ہے۔ اس کی تقسیم نہ ہاں ہے یہ تو محض ہماری تولیت میں اس لیے دی گئی ہے۔ کہ ہم اس کی آمدنی سے اپنی ضروریات پوری کریں۔ اس اختلاف کی بنا پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کو کاذب، افان اور غادر کہا۔

لیکن حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے دونوں (عباس، علی) حضرات کو خطاب کر کے جو فرمایا۔ تو اس سے مراد صرف حضرت عباس کو سمجھانا تھا۔ کہ تم نے عباس! حضرت علیؓ کو اس کی تقسیم نہ کرنے کی بنا پر ان الفاظ سے یاد کیا۔ تو شاید اسی وجہ سے میں ابو بکر صدیق بھی انہی الفاظ کے مستحق ہوں۔ کیونکہ ہم نے بھی اس مال کو تقسیم نہیں کیا۔ اور کرنے دیا۔ حالانکہ خدا جانتا ہے۔ کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور میں اس معاملہ میں سادق و راشد اور حق کی اتباع کرنے والے ہیں۔ اور حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ نے جو تمہاری مخالفت کی۔ اس میں دو حق بجانب ہیں۔ لہذا ہمارا اس معاملہ میں ان کے ساتھ اتفاق ہے۔ جس کا تم جانتے ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا۔ کہ اسے عباس، قہیر اس بارے میں حضرت

کے ساتھ جھگڑنا نہیں چاہیے۔ تو اس سے صاف صاف ظاہر ہے۔ کہ نہ تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضرات شیخین کو کافرب، خائن اور غادر سمجھتے تھے۔ اور نہ ہی حضرات شیخین واقع میں ایسے تھے۔ اگر حضرت عباس واقعہ ہی انہیں ایسا سمجھتے۔ تو پھر اپنا فیصلہ ان کی بجائے کسی اور سے کرواتے۔

اگر کوئی کو باطن پر بھی اہل سنت پر یہ الزام دھرے۔ کہ حضرت علی و عباس رضی اللہ عنہما کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ سے یہ ثابت ہے۔ کہ حضرات شیخین ان کے نزدیک واقعی ایسے ہی تھے۔ اور آپ نے ان کی حقیقت بیان فرمائی۔ تو ہم اس کو باطن سے گزراؤں گے۔ یہی کہ جب یہی الفاظ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں کہے۔ تو تم پر لازم ہے۔ کہ معاذ اللہ! حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حقیقت میں ایسا ہی بکھو۔ تو اگر تمہارے نزدیک ان الفاظ سے خطاب کرنے کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ ایسے نہیں تھے۔ تو پھر حضرات شیخین بھی اسی زمرے میں نہیں آتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ حضرت عباس کو بطور تہدید کہے تھے۔ اپنے حقیقی مفہوم کے اعتبار سے ایسا نہیں فرمایا تھا۔

قاعدہ لغت عرب، خطاب دو یا زیادہ افراد سے لیکن

مراد ان میں صرف ایک

لغت عرب میں بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ کبھی دو یا اس سے زیادہ شخصیات کو ایک کام میں شریک کرتے ہیں۔ حالانکہ ان میں سے ہر ایک اور مقصود صرف ایک ہی ہوتا ہے۔ اس لیے اس مقام پر یہ اعتراض اگر کسی کے ذہن میں آتا ہو۔ ”فراہمتھا، فرائمتھا“ اور تشبیہ کے سمجھنے ہیں۔ جن سے صاف یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس سے مراد حضرت علی اور

عباس رضی اللہ عنہما دونوں ہیں۔ اور تم اس سے مراد صرف حضرت عباسؓ کہہ دیتے ہو۔ یہاں
عرب کے خلاف ہے۔ تو یہ سوال بے موقعہ ہے۔ کیونکہ اوپر گزرتے قاعدے کے مطابق
قرآن پاک میں ارشاد ہے۔ یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ
اَسْمَکُمْ وَجَنَاتٍ وَّ اَنْسَاکُمْ اَلِیَا قَبْهَارَہٗ پَسِ تَمَّ مِنْہٗ سَیْرُ رَسُوْلِہِمْ اَسْمَکُمْ۔ حالانکہ
رسول آنا، صرف انسانوں سے مراد ہے۔ اسی طرح دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا ہے
یَخْرُجُ مِنْہُمَا اللَّوْلُوْا۟ وَ الْمَرْجَانُ، اِن دونوں (پانیوں) سے ٹوٹو اور مرجان
نکلے ہیں۔ حالانکہ مرجان و مروارید دریائے شور سے نکلتے ہیں۔ دریائے شیرکے
نہیں۔ اسی طرح تمہاری مستند کتاب "ابن حدید" میں ہے۔ فَاسْتَبَتْ عَلَیْہِیْ اَنْجَا۟
عِشْرَ عَمْرٍَا، علی و عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عمرؓ کے پاس سخت کلامی کی۔ حالانکہ
حضرت عباس رضی اللہ عنہ تھے۔ کہ جنہوں نے سخت الفاظ استعمال فرمائے تھے حضرت علی
رضی اللہ عنہ اس میں شریک نہ تھے۔ لیکن میغہ دونوں کے لیے استعمال کیا گیا۔ اسی طرح یہاں
بھی مراد صرف حضرت عباس رضی اللہ عنہ میں۔ اگرچہ صیغہ تثنیہ کا متعمل ہوا۔

جواب دوم :-

اور پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے "فَوَاسِعُ اِنِّیْ غَادِرٌ اَتَمُّا، اَمَّکَ
الْفَخْرُ جو حضرت علی اور عباس رضی اللہ عنہما کو فرمائے۔ یہ جلالی انداز میں تھے۔ جس سے حقیقی
معنی مقصود دوم اور نہیں تھے۔ کیونکہ اگر حقیقی معنی مراد ہوتے تو جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ
نے تسمیہ فرمایا۔ کہ میں اور ابوبکر صدیق اس معاملہ میں حق بجانب اور صادق و راشد ہیں۔ تو ان
الفاظ کے سننے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ خاموشی اختیار نہ فرماتے۔ بلکہ فرماتے۔ تم حق
پر نہیں۔ بلکہ حق تو یوں یوں ہے۔ اور تم اپنی پاکدامنی غلط طور پر ثابت کر رہے ہو۔ لیکن
واقعات اور حالات اس کے بالکل عکس کی نشاندہی کرتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ جب

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلی مرتبہ فرمایا کہ تم ہمیں غادر، آشام اور غامی سمجھتے ہو اور پھر اپنی پاکیزگی کی قسم اٹھائی۔ اور حقیقت حال بیان کی۔ تو دونوں مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کلام سنی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خاموش رہے۔ کسی کی تردید نہ کی۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سمجھتے تھے کہ پہلے الفاظ صرف ناراضگی کے اظہار کے لیے تھے۔ اور دوسرے حقیقت حال پر مبنی تھے۔ کیونکہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ واقعی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو غامی اور غادر سمجھتے تو ان کے پاس فیصلہ سے جانے کی کیا ضرورت تھی؟ اور انہیں قاضی کیوں بناتے۔

جواب سوم :-

اُمّہ اہل بیت رضی اللہ عنہم، شیخین رضی اللہ عنہما کو امام عادل کہتے تھے

مندرجہ بالا اعتراض کے بارے میں شیعہ حضرات اگر اپنی کتب کا مطالعہ ہی کر لیتے تو انہی بے باکی اور جسارت سے یہ اعتراض نہ کرتے۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا رواق کو غامی اور غادر سمجھتے تھے۔ کیونکہ ان کی کتب اس کی تصدیق کرتی ہیں۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ دونوں حضرات عادل اور امام وقت تھے۔ اور یتیم، یتیم تھے۔

احقاق حق :-

هَمَّا اِمَامَانِ عَادِلَانِ قَايِسَطَانِ كَانَ عَلَى الْحَقِّ وَ مَا نَا عَلَيْهِ
فَعَبِيْهُمَا رَحْمَةُ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

(۱۔ احقاق حق ص ۱۷۱ و ۲۔ انوار نعمانیہ جلد اول ص ۹۹ طبع جدید آئینہ جامع قدیم)

ترجمہ:- امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابو بکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما دونوں عادل اور انصاف کرنے والے امام تھے۔ دونوں حق پر زبردست ہیں اور حق پر ہی دونوں کا خاتمہ ہوا۔ ان دونوں پر تاقیامت اللہ کی رحمت نازل ہو۔

منہج البلاغہ:-

حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے خطبات میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شان یوں بیان کیا کرتے تھے۔

”يَلَهُ يَلَادُ هَلَا فِي خَلْقِهِ قَوْمٌ لَا وَدَّ اُولَى الْحَمْدِ وَاَقَامَ
لِلشَّيْءِ وَتَحَفَّتْ الْفِتْنَةُ ذَهَبَ نَعْيُ الشُّوْبِ“

(منہج البلاغہ غلیبہ ۲۲۱ ص ۲۵ مطبوعہ

بیروت سائز چھوٹا) طبع جدید

(ایک جلد میں)

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ عمر فاروق کے شہروں کو برکت دے۔ کیونکہ انہوں نے طیرھی کو سیدھا کیا۔ مرض کا علاج کیا اور فتنوں کو پیچھے چھوڑا۔ اور صاف ستھرے لباس کے ساتھ پاک دامن ہو کر۔ دنیا سے تشریف لے گئے۔

اس کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبان اقدس سے شان شینین کو ابن شہاب نے یوں نقل کیا۔

ابن میثم:-

وَلَيْمُنِي اِنْ مَكَانَهُمَا فِي الْاِسْلَامِ لَعَظِيمٌ وَاِنْ
الْمُصَابَ بِهِمَا، لَجَزَحٌ فِي الْاِسْلَامِ شَدِيدٌ يَزْحَمُهُمَا
اللّٰهُ وَجَزَاهُمَا بِاَحْسَنِ مَا عَمِلَا .

(۱)۔ ابن میثم شریف پنج ابلاغہ جلد چہارم۔

ص ۴۲ کتاب ۹۔ مطبوعہ تہران۔

طبع جدید لیا پنج جلدوں میں)

۲۔ وقعتہ الصلیحین ص ۶۳

(طبع بیروت) قدیم۔

ترجمہ ۱۔ مجھے اپنی عمر کی قسم! کہ ان دونوں حضرات کا اسلام میں عظیم ترین تہمتا بہ بیشک

ان کی موت سے اسلام کو شدید زخم لگا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں پر رحم فرمائے

اور ان کے اچھے اعمال کی ان کو بہترین جزا عطا فرمائے۔

ان تمام دلائل نے ثبوت کر دیا۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نہ تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

کو خائف اور قادر سمجھتے تھے۔ اور نہ ہی ان کے وہم و خیال میں کبھی یہ بات گزری۔ اور نہ ہی خود

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو خائف اور قادر و غیرہ سمجھتے تھے۔ بلکہ انہیں اس معاملہ میں

پر کھینے کا حق تھا۔ کہ وہ اس میں صادق و راشد اور تابع حق ہیں۔ اور اسی لیے آپ نے اپنے

بارے میں یہی الفاظ قصیدہ بیان فرمائے۔ ان تمام باتوں سے نتیجہ یہ نکلا۔ کہ یہ حضرات ایک

دوسرے کو حقیقتاً ان الفاظ کا مصداق نہ سمجھتے تھے۔ بلکہ محض تہدید کے طور پر یا بے لگائی انداز

میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ کہے۔ اس لیے معلوم ہوا کہ ان الفاظ سے حقیقی مفہوم

یہنا سراسر باطل ہے۔ اور اس باطل مفہوم کا مصداق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بنانا جائے باطل و باطل

جواب چہارم :-

استراض کرنے والوں میں اگر واقعی ہمت ہے۔ اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے اقوال میں وزن ہے۔ تو میں انہیں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ کوئی ایک معتبر حدیث ایسی دکھاوے جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صاف صاف فرمایا ہو۔

”يَا عَمْرُو أَنْتَ أَثِمٌ وَغَادِرٌ وَخَائِنٌ وَكَاذِبٌ“، یعنی اسے عمر کو گنہگار، دھوکہ باز اور خائن و غیر وہ ہے۔ لیکن آج تک تو کوئی حدیث انہیں پیش کر سکے۔ شائبہ کیسے بیٹھ کر وضع کر لیں۔ کیونکہ ایسا کرنا ان سے بعید نہیں۔

لہذا معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبان اقدس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں امام عادل، پاکدامن اور راست باز کے الفاظ ترل سکتے ہیں۔ مگر اسی کے خلاف خائف، غادر اور کاذب کے الفاظ ترل کیسے گئے۔

فاعتدوا یا اولی الابصار



طعن سوم

یہ شخصین اگر واقعہ لائق خلافت ہوتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

انہیں عمر بن العاص کی ماتحتی میں جہاد پر نہ بھیجتے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عمر بن العاص کے ماتحت اور دوسری مرتبہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے ماتحت ایک لشکر بھیجا۔ تو ان دونوں کی سپہ سالاری میں جانے والے لشکر میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما ایک عام لشکر کی حیثیت سے ان کے ماتحت گئے۔ دونوں واقعے و تاریخ روضۃ الصفاہ میں تفصیل کے ساتھ موجود ہیں۔ دونوں واقعات سے ثابت ہو رہا ہے۔ کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما دونوں خلافت و امامت کے اہل ہوتے۔ تو انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک معمولی صحابی کی ماتحتی میں نہ بھیجتے۔ لہذا معلوم ہوا کہ شخصین خلافت اور امامت کے قابل نہیں تھے۔ بلکہ خلافت و امامت کا منصب انہوں نے زبردستی لے لیا۔ اہلیت کی بنیاد پر یہ اس کے مستحق نہ تھے۔ اس طعن کے چار جوابات ہم کتب شیعہ سے ہی پیش کیے دیتے ہیں۔ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

جواب اول :-

شیعہ حضرات نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض کیا ہے کہ انہیں حضرت عمرو بن العاص اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے ماتحت کیا گیا تھا۔ لہذا ماتحت شخص خلافت و امامت کے منصب کا اہل نہیں ہو سکتا۔ چلو ہم چند لمحوں کے لیے قہار راہ قاعدہ تسلیم کئے جیتے ہیں۔ تو اسی قاعدہ کے مطابق شیعیان نہ ہی عمرو بن العاص اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما تو خلافت و امامت کے مستحق ہوئے۔ کیونکہ سبھی کی ماتحتی میں تھے۔ اور یہ کسی کے ماتحت نہ تھے۔ حالانکہ شیعہ حضرات، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پر بھی اعاذ اللہ امن طعن کرتے ہیں۔

شیعہ حضرات کو حضرات شیعین رضی اللہ عنہما کو اپنے امن طعن کا نشانہ بنانے کے لیے کوئی دھڑ بھانڈ ملا۔ تو اپنے مقصد کی برابری کے لیے سربراہ اور ماتحت کا فرق سامنے رکھ کر اپنے بیاد دل کی بھڑاس نکالی۔ حقیقت اور اصل پر عمل کرنا ان کے مقدر میں نہیں۔

جواب دوم :-

عمرو بن العاص اور اسامہ بن زید کو سپہ سالار بنانے

میں جزوی مصلحت تھی۔

حقیقت میں بات یہ ہے کہ حضرت عمرو بن العاص اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی امارت و سیادت ایک مخصوص مصلحت کی بنا پر معرض وجود میں آئی۔

دیدہ کرو میوں نے دو جنگ موتہ، میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے والدہ زید، کو قتل کر دیا تھا۔ تو دوسروں کے ساتھ مقابلہ میں بھیجے جانے والے لشکر کی سپہ سالاری حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائی۔ تاکہ ان میں دواہر سے تقویت آجائے۔ ایک توجذبہ کامل تھا۔ کہ غیر مسلموں سے جہاد کرنے کے فضائل ان کے پیش نظر تھے۔ اور دوسرا بتقدائے شہریت اپنے والد کے قاتلوں سے اڑنا تھا۔ تو دونوں طرح ممکن تیار اور انتقام کے اسباب مہیا ہو گئے۔ جس کی بنا پر شجاعت ایمانی اور کثرت جسمانی سے سرشار ہو کر انہوں نے دوسروں سے جنگ لڑی۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو جن کفار کے مقابلہ کے لیے بھیجا جا رہا تھا۔ وہ اتہائی مکار اور جبار لوگ تھے۔ ایسے لوگوں کے ساتھ لڑنے کے لیے سپہ سالاری اُسے ہی سونپنی چاہیے۔ جو ان کے مکرو فریب سے واقف اور ان کی حیلہ گری اور شعیہ و بازی سے واقف ہو۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو کچھ ایسا ذہن اور طبیعت عطا فرمائی تھی۔ کہ وہ اس خدا داد ذہانت سے ان مکاروں کی ہر چال سمجھ جاتے تھے۔ تو آپ نے انہیں سپہ سالاری کی ذمہ داریاں سونپیں۔ یہ جزوی مصلحت تھی۔ جس کی بنا پر ان دونوں کی سپہ سالاری کارگر ہوئی۔ اور اس کے لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کو منتخب فرمایا۔

اس جزوی اور وقتی مصلحت سے نہ تو عمرو بن العاص اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم کی شخصیت مطلقاً تفصیلاً ثابت ہوتی ہے۔ اور نہ ہی اس سے دشمنین کے تسلیم یا امام بننے کی اہلیت میں کچھ فرق آتا ہے۔ لہذا اسے بہانہ بنا کر بنین کو مورد لعن و لعن ٹھہرانا بالکل لغو ہے۔

صاحب ”روضة الصفاء“ نے اسی واقعہ کو نقل کرتے ہوئے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

کامیاب اور سوال بھی نقل کیا ہے وہ یہ کہ جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فتح یاسب
ہوئے۔ کے بعد واپس وٹے۔ تو ان کے دل میں خیال آیا کہ اس امارت اور سپہ سالاری
کی بدولت شام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یقینہ تمام صحابہ سے افضل اور
محبوب ترین ہو گیا ہوں۔ اپنے اس خیال کے مطابق انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم
سے سوال کیا۔

روضۃ الصفاء

یا رسول اللہ! محبوب ترین فلاں تو کیست؟ فرمود کہ عائشہ عمر و گفتم
سوال میں ان زبجہاں است؟ فرمود کہ پیرا و باز پرسید کہ بعد از وی کیست
فرمود کہ عمر۔

تاریخ روضۃ الصفاء جلد دوم صفحہ ۴۲
ذکر احوال خاتم الانبیاء
صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ
ایران طبع قدیم۔

ترجمہ:

اے اللہ کے رسول! آپ تمام لوگوں میں زیادہ دوست اپنے
نزدیک کسے سمجھتے ہیں؟ فرمایا۔ عائشہ کو۔ عمرو بن العاص نے پھر پوچھا۔
حضور! میرا سوال مردوں کے متعلق تھا۔ کہ مردوں میں سے آپ کے
نزدیک محبوب ترین کون ہے؟ فرمایا عائشہ کا باب (ابو بکر صدیق)
پھر پوچھا۔ ان کے بعد کون ہے؟ فرمایا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہم۔

جواب سوم :-

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ماتحتی بھی بعض مواقع میں

ثابت ہے

اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما سپر سالار نہ تھے بلکہ عمرو بن العاص اور اسامہ بن زید امیر و سپر سالار تھے تو اس ماتحتی کی وجہ سے شیخین، خلافت اور امامت کے اہل نہ رہے۔ تو بعینہی معاملہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بھی ثابت ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب سترہویں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر الحجاج بنا کر بھیجا تو ان کے زیر امارت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی حج کیا۔ (مجمع البیان جلد ۲ جز ۵ ص ۲۱) تو اس بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی خلافت و امامت کے اہل نہ رہے (معاذ اللہ) کیونکہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ خلافت و امامت کے اہل ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو امیر الحجاج بنا کر بھیجتے۔ حالانکہ ایسا نہیں کیا گیا۔ تو جو جواب اس موقع پر تمہارا دینی جواب ہمارا۔

حاصل کلام :-

یہاں تک گفتگو کا ماحصل یہ نکلا کہ یہ طعن بھی دوسرے مطالعن کی طرح جہالت ہنس دھرمی اور تعصب پر مبنی ہے۔ اور اسی جہالت نے یہ رنگ دکھلایا کہ ابو بکر صدیق، عمر فاروق اور حضرت علی رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بھی

امامت و خلافت کا اہل نہ رہا۔ کیونکہ یہ سب حضرات کسی نہ کسی موقع پر ماتحت رہے ہیں۔ ان کو خلافت و امامت کا نااہل قرار دینا دراصل بنائے فاسد علی الفاسد کا نتیجہ ہے۔ لہذا اسے شیعوں کہیں ہوش سے کام لینا چاہیے۔ اور عقل دشمنی سے باز آ جانا چاہیے۔ تم خود سوچو کہ اس طعن سے تمہیں کیا حاصل ہوا۔ کیا اس سے شیعیں پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت ثابت ہوئی۔ یا اس سے شیعیں کی شان میں کمی آگئی۔ ہاں دونوں باتوں میں سے تمہارے پتے کچھ بھی پڑا؟ ہاں گستاخی اور بے ادبی ضرور سمیٹ لی۔

جواب چہارم :-

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت پر حضرت
علی رضی اللہ عنہ کی خوشنودی

روضۃ الصفاء :-

ظاہر از علماء اخبار رحمہم اللہ و از اسلم مولای عمر چنین روایت کند کہ عثمان بن عفان در زمان اشتداد مرض ابو بکر با شارت او این کویدہ قلم آورد کہ عیضہ بعد از ابو بکر و دوران عین ابو بکر از ہوش رفتہ و عثمان لمحہ توقف کردہ نوشت کہ عمر خواہد بود و چون ابو بکر ہوش آمد عیضہ را طلب و اشتہ نام عمر در این ثبت دید پر سید کہ این نام را کہ نوشت، عثمان جواب داد کہ من در قلم آوردم ابو بکر فرمود بحمک اللہ و ج ذالک اللہ نہیں؟، اگر نام خود را نیز می نوشتی عمل منشاءت نہ بود

امیر المومنین علی فرمود کہ بالغیر عمر رضی نہی شومیم کہ خلیفہ باشد ابو بکر و بارہ تفسی علی
و دعائی بغیر زبان آورد۔

(روقتہ الصفاء جلد دوم ذکر خلافت

ابو بکر صدیق ص ۲۲۲)

ترجمہ علامے اجبار کی ایک جماعت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علامہ مسلم سے یہ روایت ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مرض کی شدت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کے ایام پر صرف اتنا حکم لکھا تھا۔
”خلیفہ بعد از ابو بکر، اور اس کے ساتھ ہی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
بے ہوش ہو گئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کچھ دیر کے لیے بٹھیرے۔
پھر لکھا کہ ابو بکر صدیق کے بعد خلیفہ ”عمر“ ہوگا۔ پھر جب صدیق اکبر ہوش
میں آئے تو وصیت نامہ طلب فرمایا تاکہ وصیت پوری کر دی جائے اس
میں نظر دوڑائی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام لکھا دیکھ کر پوچھا کہ یہ نام
کس نے لکھا حضرت عثمان نے کہا میں نے لکھا ہے تو ابو بکر صدیق نے فرمایا اللہ تجھ پر
رحم کرے اور تجھے جزائے خیر عطا فرمائے۔ اگر عمر کی بجائے اپنا نام لکھ لیتا تو بھی کوئی حرج
نہ تھا۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم عمر کے علاوہ کسی کے خلیفہ
ہونے پر راضی نہ ہوں گے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کریم اللہ عنہ
کو اپنی زبان اقدس سے دعائے خیر سے یاد فرمایا۔

اصل واقعہ کچھ اس طرح ہے :-

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا جب وقت وصال قریب آیا تو تمام صحابہ کرام
سے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میری زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ میں چاہتا

ہوں۔ کہ اپنے بعد خلافت کا مسئلہ حل کرتا جاؤں۔ لہذا میں تم میں سے کسی ایک کا نام لکھ لکھنے میں بند کر دیتا ہوں۔ میرے انتقال کے بعد تم اسے کھولنا۔ اور جس کا نام لکھا ہوا ہو۔ اسے خلیفہ بنا لینا۔ تمام صحابہ کرام نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اس تجویز کی حمایت کی۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسی معاملہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو علیحدگی میں بلوایا۔ اور تحریر لکھوانا شروع کی۔ ابھی تیسرے بعد خلیفہ کے الفاظ ہی لکھے گئے تھے۔ کہ آپ بے ہوش ہو گئے۔ کچھ توقف فرما کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس جملہ کو روک کر مکمل کر دیا۔ ”میرے بعد خلیفہ عمر ہو گا۔“

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب ہوش میں آئے۔ تو آپ نے لغافہ منکرا یا۔ دیکھا کہ اس میں حضرت عمر کا نام بطور خلیفہ لکھا ہوا ہے۔ دریافت کرنے پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کہا۔ کہ میں نے تحریر کیا ہے۔ اس پر حضرت ابو بکر صدیق خوش ہوئے۔ اور حضرت عثمان کے بارے میں دعائے خیر فرمائی۔

پھر اس لغافہ کو جب عام صحابہ کرام کے سامنے کھولنے کا معاملہ آیا۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اگر اس لغافہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی اور کا نام ہوا۔ تو میں قطعاً راضی نہ ہوں گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ان کلمات سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے۔ اور ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔

لہذا معلوم ہوا۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق کو لائق خلافت سمجھتے تھے۔ اب تم چاہو سمجھو یا نہ سمجھو۔

اس واقعہ کو پڑھنے کے بعد جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کا دعوے دار ہے۔ اسے یہ بات تسلیم کرنے میں خدا بھی تامل نہ ہو گا۔ اور وہ یہ بات کہنے پر مجبور ہو گا۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک

امدنی اکبر رضی اللہ عنہ کی رحلت کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی
 دوسرا منصب امامت و خلافت کا مستحق نہ تھا۔
 اسی لیے آپ نے مستحق کو حق ملنے پر خوشی اور رضامندی کا اظہار فرمایا۔ اور
 امدنی اکبر رضی اللہ عنہ سے دعائیں لیں۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)



باب چہارم - عثمان غنی پر کیئے گئے مطاعن

طعن اول

مروان بن الحکم کو رسول خدا نے مدینہ سے نکالا مگر عثمان
نے اپنی خلافت میں واپس بلا لیا

سینوں کی کت بوں میں موجود ہے۔ کہ مروان اور اس کے والد حکم ابن ابی اسد دونوں
کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خطا کارویوں کی وجہ سے مدینہ سے جلا وطن کر دیا تھا۔ یہی
جب ان کے چچا زاد بھائی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بنے۔ تو انہوں نے ان باپ
بیٹے دونوں کو واپس ہی نہیں بلایا۔ بلکہ مروان کو اپنا کاتب اور مشیر خاص، ابھی مقرر کر لیا۔
جس سے یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کے حکم و عمل کی مخالفت کی ہے۔ اور جس کو آپ نے جلا وطن کیا۔ اسے امت
مسلمہ کے لیے مشیر کا درجہ دے دیا۔ حالانکہ یہ دونوں باپ بیٹا سخت قسم کے خطا کار
انسان تھے۔ تو جو آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی کھلم کھلا مخالفت کرے۔ وہ ظالم
رسول، کیسے ہو سکتا ہے۔

جواب اول:-

مروان کے متعلق یہ کہنا کہ وہ بہت بڑا خطا کار آدمی تھا جس کی خطا کاری کی وجہ سے
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جلا وطنی کی سزا دی۔ یہ طعن دراصل جہالت اور لامی
کی پیداوار ہے۔ ہماری نہ یہی معترض اگر اپنی ہی کتب میں اس "مروان" کے بارے

می پوری تحقیق کر لیتا۔ کہ یہ کیسا انسان تھا؟ تو اعتراض دکر تا یہ بجئے ہم تمہیں کتاب و حوالہ
تسلے دیتے ہیں۔ پڑھ لیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے وقت

مروان کی عمر ۸، ۹ سال کی تھی

منتخب التواریخ:-

ہشتم مروان بن حکم بن ابی العاص بود و ابی پسر عم عثمان ابن عفان ابن ابی ماض
بود وزیر و بزرگ کاتب عثمان بود و مادر مروان امیر بنت علقمہ بن صفوان
بن امیاس است و مروان در سال دوم ہجری متولد شد۔

(منتخب التواریخ ص ۱۲۵ مصنف محمد ہاشم
بن محمد علی خراسانی باب سوم در ذکر بعضی
از مناقب کعبہ اہل بیت و داشتند با حضرت
امیر (۶) مطبوعہ تہران ۱۳۴۶ھ)

ترجمہ:-

ساتواں مروان بن حکم بن ابی العاص ۸ تھا۔ جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ
کے چچا ابن ابی العاص کا بیٹا تھا۔ اور آپ کا وزیر و مٹھی اور کاتب تھا۔
اور مروان کی ماں امیر بنت علقمہ بن صفوان ۸، تھی۔ سن دوم ہجری
میں مروان پیدا ہوا۔

صاحب منتخب التواریخ نے اس بات کی ضمانت کر دی ہے۔ کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے وقت مردان کی عمر زیادہ سے زیادہ اس سال تھی۔ اگرچہ معتبر روایات کے مطابق اس وقت مردان کی عمر اٹھ سال کی تھی جیسا کہ قبلت کبریٰ میں ابن سعد نے لکھا ہے۔

ابن طبقات :-

قَالُوا كَيْفَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفَرَدَانِ ابْنُ الْوَلَدِ
ابْنُ ثَمَالٍ يَنْتَظِرُ فَلَئِنْ نَزَلَ مَعَ أَبِيهِ يَأْتِيهِ حَتَّى مَاتَ أَبُوهُ
الْحَكَمُ بْنُ أَبِي الْعَاصِ فِي خَلْفِهِ عُمَرُ بْنُ
ابْنِ عَمْرٍو

(طبقات ابن سعد جلد پنجم ص ۳۶)

(مطبوعہ بیروت ذکر مردان)

ترجمہ :-

مہر یح دان کہتے ہیں کہ مردان کی عمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے وقت اٹھ برس تھی۔ پر اپنے باپ کے ساتھ مدینہ میں رہا۔ حتیٰ کہ اس کے والد کا انتقال ہو گیا۔ اور اس کے والد کا انتقال خلافت عثمانی میں ہوا تھا

خلاصہ کلام :-

شیعہ اور سنی کتب کی روایات سے ثابت ہوا کہ مردان کی عمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے وقت مشکل اٹھ نو برس تھی۔ اور یہ شیعہ سنی کسی کے نزدیک بلوغت کی عمر نہیں۔ تو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے وقت ایک بچہ عمر کے اسی حصہ میں ہو۔ جو مرنوح القلم ہوتا ہے اس سے قبل جب کہ

اس کی عمر اور بھی کم ہو جاتی ہے۔ اس پر احکامات شریعہ کا انفاذ کیونکر درست ہو سکتا ہے۔
 بلکہ جلاوطنی کے لیے اسے خطا کار اور برائیوں کا مرتکب قرار دینا بے بنیاد و لازم ہے۔
 کیونکہ خطا اور برائی کے ارتکاب کے لیے بالغ ہونا ضروری ہے اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 کی طرف اس کی نسبت کو آپ نے بوجہ خطا کاریوں کے "مردان" اور مدینہ سے جلاوطن کیا
 تھا کہ کسی قدر بہتان عظیم ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں پر رحم کرنے کا حکم دیا ہے
 ذکر ان پر غضب کرنے اور ملک بدر کرنے کا۔

جواب دوم:-

جب یہ الزام بے بنیاد ثابت ہوا کہ "مردان" کو جلاوطن کیا گیا۔ اور حضرت
 عثمان نے اس کو واپس بلا کر اپنا کاتب اور مشیر خاص مقرر کیا۔ تو ان کے والد "حکم بن ابی
 العاص" اس کے بارے میں اعتراض باقی رہا کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب جلاوطن
 کیا تھا۔ تو حضور کے حکم کی مخالفت کرتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے
 انہیں مدینہ واپس کیوں بلا یا؟

حکم بن ابی العاص کی جلاوطنی:-

در حکم بن ابی العاص، کی جلاوطنی کا واقعہ اہل سنت کی مستبرکت میں پہلے تو سہے
 سے ہی موجود نہیں۔ اور جن کتب میں مذکور بھی ہے۔ اس میں کچھ راوی ایسے ہیں۔ جو تباہی
 اعتبار اور مجروح ہیں۔ مثلاً در ہشام کلبی، اور در واقعہ، اور کئی کتب میں اس واقعہ کو
 بلا سند ذکر کیا گیا ہے۔ تو جن روایات میں اس کی سند موجود نہیں ان کے ذریعہ اس کا
 درست یا غلط ہونا معلوم نہیں ہو سکتا۔ اور جن میں اس کی اسناد کو بڑی
 ان پر فن رجال کے ناقدین کی زبردست تنقید موجود ہے۔

”حافظ ذہبی“ نے ان روایات پر تنقید کرتے ہوئے ان کی عدم صحت کا حکم لگایا۔ اپنی مشہور کتاب ”المتقی“ میں تحریر کرتے ہیں۔

المتقی :-

وَقِصَّةُ نَفْيِ الْحَكَمِ لَيْسَتْ فِي الصِّحَاحِ وَلَا
بِهَا اسْنَادٌ يُعْرَفُ بِهِ امْرُؤُهَا.

والمتقی فصل ثلث من ۳۹۵ - بحث

نفی الحکم :-

ترجمہ :- اور حکم بن ابی العاص کی جلاوطنی کا قصہ صحاح میں موجود نہیں ہے۔
اور اس کی کوئی اسناد نہیں۔ جن کے ذریعہ اس قصہ کے بارے میں
حقیقت حال معلوم ہو سکے۔

”حکم بن ابی العاص“ کی جلاوطنی کے قصہ کی عدم صحت کی تائید ”طبقات ابن
سعد“ کی ایک روایت سے ہوتی ہے۔

طبقات ابن سعد :-

الْحَكَمُ بْنُ أَبِي الْعَاصِ ابْنُ أُمِّ قَيْسٍ بْنِ عَبْدِ الشَّامِسِ وَ
أُمُّهُ رُقَيْيَةُ بِنْتُ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَبْدِ قَيْسِ بْنِ
يَقْمَ فَتَبِعَ مَكَّةَ وَلَعَزَّيْزَ بْنَ بَهَا حَتَّى كَانَتْ خِلَافَةَ عُثْمَانَ
ابْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَكَانَ لَهُ هَذَا تَحْلُ الْمَدِينَةِ
فَمَاتَ بِهَا فِي خِلَافَةِ عُثْمَانَ بْنِ عَمَّانَ
رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَهُوَ أَبُو مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ

وَعَمْرُو عَثْمَانَ بْنِ عَمْرٍو

(طبقات ابن سعد جلد چہارم ص ۴۴۴ مطبوعہ

بیروت لمع جدید - ذکر الحکم

بنی ابی العاص)

توجہ۔ حکم بن ابی العاص بن امیر بن عبد شمس اور اس کی والدہ رقیہ بنت الحارث بن
عبید بن عمر بن مخزوم تھی۔ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوا۔ اور خلافت عثمانی
تک وہیں رہا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے
دوران مدینہ میں اس کے اجازت سے مدینہ مدینہ آ گیا۔ اور انہی
کی خلافت میں اس کا انتقال ہوا۔ اور یہ "مروان"، کا والد اور عثمان بن
عثمان، کا چچا ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ "حکم بن ابی العاص"، کی جلاوطنی کا قصہ غلط ہے
کیونکہ فتح مکہ کے دن یہ شخص مسلمان ہوا۔ اور اسلام لانے کے بعد وہیں ٹھہرا رہا۔ حتیٰ کہ
خلافت عثمانی تک مکہ میں رہا۔ تو جب یہ مدینہ میں آیا ہی نہیں۔ اور نہ ہی وہاں سکونت
اختیار کی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے اس کو جلاوطن کیسے کیا۔ جو مدینہ میں رہتا ہی
نہیں؟ یہ جلاوطنی کیسی ہوئی؟ اور پھر آپ حضرت یہ بھی بڑھ چکے ہیں۔ کہ "حکم بن
ابی العاص"، کا بیٹا "مروان"، مدینہ میں اپنے باپ کے انتقال تک مقیم رہا۔ اور اس
کے باپ "الحکم بن ابی العاص"، کا انتقال خلافت عثمانی میں ہوا جس کا مطلب یہ ہوا۔
کہ "حکم بن ابی العاص"، یوم فتح مکہ مسلمان ہوا۔ اور وہیں مقیم رہا۔ مکہ میں ہی اس کے
ہاں "مروان"، نامی بچہ پیدا ہوا۔ یہ باپ بیٹا دونوں حضرت عثمان کی خلافت کے
دوران مکہ میں رہے۔ اور جب خلافت عثمانی کا دور آیا۔ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ
نے انہیں مدینہ میں مجبور کیا۔ اور پھر یہ مدینہ میں ہی رہے۔ حتیٰ کہ ان کا انتقال بھی وہیں

ہوا۔ تو جب فتح مکہ سے لے کر خلافت عثمانیہ تک ایک شخص مکہ میں رہ رہا ہے۔ وہ مدینہ میں آیا ہی نہیں۔ تو اس کی مدینہ سے جلا وطنی کیونکر ممکن؟ لہذا معلوم ہوا کہ جس طرح بیٹے "مروان"، کی جلا وطنی بے اصل و بے بنیاد ہے۔ اسی طرح اس کے باپ "الحکم بن ابی العاص"، کی جلا وطنی بھی سراسر بے اصل اور من گھڑت ہے۔ جس کی کوئی اصل نہیں۔

جواب سوم:-

اگر بطریق تنزیل یہ تسلیم کر لیا جائے کہ "حکم بن ابی العاص"، کو جلا وطن کیا گیا تھا۔ تو بنی روایات میں ہے کہ یہ جلا وطنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ہوئی۔ انہی روایات میں یہ بھی موجود ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے معاف کر کے واپس بلا لیا۔ اور یہاں نے اس حکم کو واپس لیا یا نہ لیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا۔ تو آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو (معاذ اللہ) منسوخ کر دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے محاصرہ کے وقت محاصرہ کرنے والوں کو جو خطاب فرمایا تھا۔ اور ان کے اعتراضات کے جوابات دیئے تھے۔ ان واقعات کو "تاریخ طبری"، میں ابن جریر طبری نے یوں نقل کیا ہے۔

نمایح طبری:-

بَلَّغَهُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا أَحَدُكَ التَّسْيِيرُ إِلَّا أَنْ
رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيَّرَ الْحُكْمَ بِنِ ابْنِ
الْعَاصِ فَقَالَ إِنَّ أَعْهَكُمْ كَانَ مَكِيَّةً فَسَيَّرَ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهَا إِلَى الْعُطَايِفِ ثُمَّ رَدَّ
إِلَى بَلَدِهِمْ فَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيَّرَ

يَذَّيْبَاهُمْ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَدَّ مَا يَعْصِدُهُ -
(تاریخ الطبری جلد سوم جزہ پنجم تحت ۳۵)

۳۵ مطبوعہ بریت

ترجمہ:- حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ منافقین کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم بن ابی العاص کو جلا وطن کر دیا تھا۔ اور عثمان غنی نے اُس حکم کو واپس لے کر جلا وطنی ختم کر دی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ”وہ حکم بن ابی العاص کو یہ کارہنے والا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے طائف میں جلا وطن کر کے بھیج دیا۔ پھر اس کو اپنے شہر واپس بلا لیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی کسی غلطی کی وجہ سے اُسے جلا وطن کیا اور آپ نے ہی معاف فرما کر اُس کی جلا وطنی ختم کر دی اور اُسے اپنے شہر واپس بلا لیا۔ (تو پھر مجھ پر اعتراض کیا؟)“

تاریخ طبری:-

وَقَالُوا إِنِّي رَدُّتُ الْحَكْمَ وَقَدْ سَيَّرَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَكَّةَ إِلَى الْخِطَافِ ثُمَّ رَدَّهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيَّرَهُ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ -
وَقَالُوا أَكْذَلِكَ قَالُوا اللَّهُمَّ نَعَمْ -

(تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۰۲-۱۰۳)

جلد سوم جزہ پنجم مطبوعہ بریت تحت ۳۵

ترجمہ۔ لوگ کہتے ہیں کہ میں نے کس طرح حکم بن ابی العاص کو واپس بلایا۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مکہ سے طائف کی طرف بلا وطن کرویا تھا۔ تو اس بلا وطنی کی یہ حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس جلا وطن بھی کیا اور آپ نے ہی بذات خود جلا وطنی معاف بھی فرمائی۔ کیا اسی طرح نہیں ہوا؟ سب نے کہا۔ ہاں ایسے ہی ہوا۔

البدایہ والنہایہ:

وَعَتَبُوا عَلَيْهِ فِي إِيْوَاءِ الْحَكَمِ بْنِ أَبِي الْعَاصِ وَقَدْ نَفَّاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الطَّائِفِ قَدْ كَرَّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ قَدْ نَفَّاهُ إِلَى الطَّائِفِ ثُمَّ رَدَّهُ ثُمَّ نَفَّاهُ إِلَيْهَا - قَالَ فَقَدْ نَفَّاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ رَدَّهُ -

(البدایہ والنہایہ جلد ہفتم ص ۱۷ مطبوعہ

بیروت، الریاض - تحت ذکر سنہ

خمس وثلاثین فیہما مقتل

عثمان -)

توجہ۔ جب لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر سخت الفاظ میں یہ اعتراض کیا کہ انہوں نے حکم بن ابی العاص کو واپس بلایا۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے طائف کی طرف جلا وطن کیا تھا۔ پس ذکر کیا گیا کہ ہاں واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کی طرف جلا وطن کیا تھا۔ پھر واپس بلایا۔ پھر جلا وطن کیا۔ پھر واپس بلایا۔ تو عثمان غنی رضی اللہ عنہ

نے فرمایا۔ ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی جلاوطن کیا تھا اور آپ نے ہی واپس بلایا تھا۔

مذکورہ تین روایات سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے

۱۔ ”حکم بن ابی العاص“ کو نہ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جلاوطن کیا۔ اور نہ ہی واپس بلایا۔ بلکہ اس کی جلاوطنی اور واپسی دونوں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے ہوئی تھیں۔

۲۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب لوگوں (معتزین) سے پوچھا کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم بن ابی العاص کو جلاوطن کر دیا تھا۔ اور اس کی واپسی کا حکم بھی کیا آپ نے ہی دیا تھا؟ تو انہوں نے لا جواب ہو کر مجبوراً تسلیم کر لیا۔ اس کے بعد ان معتزین میں سے کوئی بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نہ حکم بن ابی العاص کے بارے میں ملعون نہ کر سکا۔

۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم بن ابی العاص کو جس جرم کی پاداش میں طائف کی طرف جلاوطن کیا تھا۔ آپ نے بعد میں وہ جرم معاف فرما کر واپس مکتہ بلوایا تھا۔

خلاصہ کلام:-

گوشتہ اوراق میں دونوں قسم کی روایات جن میں جلاوطنی ہونے اور نہ ہونے کا ذکر ہے۔ آپ نے ملاحظہ فرمائیں۔ ان روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ”حکم بن ابی العاص“ کی جلاوطنی کا واقعہ ہماری اہل سنت کی کسی معتبر مرفوع حدیث میں نہیں پایا گیا۔ اور جن روایات میں یہ واقعہ ملتا ہے۔ وہاں جلاوطنی کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

معاف فرما دینے کے بعد واپسی کا بھی ذکر ہے۔ اور ان روایات میں سے کسی کے اندر یہ مذکور نہیں کہ حکم بن ابی العاصؓ کو جلا وطن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔ اور یہ جلا وطنی آپؐ نے مسوخ و فرائی۔ حتیٰ کہ خلافت عثمانی میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان کی جلا وطنی مسوخ فرما کر واپس بلا لیا۔ اب بھی اگر کوئی یہ کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مجرم کو جلا وطن کیا عثمانؓ نے اسے پھر واپس بلا لیا۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے روگردانی کی اور اس طرح وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر کیوڑا چھلے۔ تو یہ اس کی کور بالطنی کی دلیل ہی بن سکتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معاف کر دینا شیعوں کو

منظور نہیں

مجھے انتہائی حیرت ہوتی ہے۔ کہ اگر مان بھی لیا جائے۔ کہ حکم بن ابی العاصؓ کو جلا وطن کیا گیا تھا۔ جن جرائم کی وجہ سے یہ جلا وطنی واقع ہوئی۔ وہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف فرما دیئے۔ اور واپس۔ بلا لیا۔ تو پھر سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اس واقعہ میں کس طرح مورد الزام قرار پائے۔ گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی مجرم کو اگر معافی دینا چاہیں۔ تو تم سے پہلے خوشنودی حاصل کر لیں۔ (معاف اللہ کیونکہ اس مجرم کو معافی دینا تم ایسے ملتے ہی نہیں۔ تو تمہارا اعتراض درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر ہوا۔ بلکہ آپ کے معاف کر دینے کے باوجود تم مذکورہ مجرم کو معاف نہیں کرتے۔ تو تمہارا اعتراض نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ ہوا۔ وہ معاف کر دیں۔

لیکن تم آپ کی معافی کو قبول نہیں کرتے۔ اور جس مجرم کو آپ واپس بلا لیں۔ تم اس کی واپسی پر اعتراض کرتے ہو۔ خدا انا۔ عقل سے کام لو۔ اور بار بار دہراؤ

تو تین اس واقعہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بالکل بری الذمہ نظر آئیں گے۔ اور اس طعن سے آپ کی ذات بالکل متبرک نظر آئے گی۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

جواب چہارم الزامی :-

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مروان بن حکم کو معاف

کر دینا

شیعہ حضرات ”مروان بن حکم“ اور اس کے باپ ”حکم بن ابی العاص“ کے معاملہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مطعون کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے انہیں معاف کیوں کیا؟ تو ہم پوچھتے ہیں کہ اگر یہ دونوں باپ بیٹا ایسے مجرم تھے۔ جن کی معافی نہیں۔ اور کوئی بھی انہیں معاف نہیں کر سکتا؟ تو جب ”جنگ جمل“ میں اسی مروان بن حکم کو پکڑ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا۔ جیسا کہ معتبر کتب شیعہ میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ تو اس وقت حسین کریمین نے اس مروان کی معافی کی سفارش کی۔ جس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے معاف کر دیا۔ اور رہائی دے دی۔

انج البلاغہ :-

أَخَذَ مَرْوَانَ بْنَ حَكَمٍ أَسِيرًا يَوْمَ الْجَمَلِ فَاسْتَشْفَعَ
الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ إِلَى أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ
عَلِيِّهِ السَّلَامُ فَكَلَّمَاهُ فَبَيَّنَ فَتَحَلَّى سَبِيلَهُ -

(انج البلاغہ خطبہ ص ۳۷ مطبوعہ بیروت)

ترجمہ: جنگ جمل میں جب مروان بن حکم قید کیا گیا۔ تو امام حسن حسین رضی اللہ عنہما سے اس نے سفارش کی کہ اپنے پدر بزرگوار سے اس کی معافی کی سفارش کیجئے۔ حسین کریمین نے اس کی درخواست قبول فرماتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں سفارش کی۔ آپ نے اس کی سفارش قبول فرمائی۔ اور مروان کو معاف کر دیا۔

ترجمہ: شیعہ۔

جنگ جمل میں جب مروان بن حکم امیر ہوا۔ تو اس نے حسین علیہما السلام سے استدعا کی کہ اپنے پدر بزرگوار کی بارگاہ میں میری شفاعت کیجئے۔ شاہزادوں نے اس کی درخواست کو قبول کیا۔ اور حضرت کی خدمت میں گزارش کی۔ آپ نے اسے رہا کر دیا۔ (ترجمہ نیزنگ فصاحت ص ۴۳)

مطبوعہ یوسفی دہلی

مروج الذهب:-

وَتَكَلَّمَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ فِي مَرَّةٍ وَانْهَامَتْ
أُمُّ الْوَلِيدِ بِنْتُ عَقْبَةَ

(مروج الذهب جلد دوم ص ۳۲۹)

تحت وقعتہ الجمل کلام ابن

عباس وعائشہ

ترجمہ:-

امام حسن اور حسین رضی اللہ عنہما نے مروان کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سفارش کی۔ تو آپ نے مروان اور ولید بن عقبہ کو رہا کر دیا۔

اب ذرا سینے پر ہاتھ رکھ کر بتلائیے۔ کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مجرم کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ معاف کریں۔ (جو ثابت بھی نہیں) تو جناب عثمان ملعون نہیں۔ اور اگر اسی مجرم کی حسین کو عین معافی کی سفارش کریں۔ اور ان کی سفارش پر حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کو معاف کر دیں۔ تو ان حضرات احسن حسین علی رضی اللہ عنہم کے بارے میں کیا کہو گے؟ جو ان حضرات کے بارے میں تمہارا جواب وہی حضرت عثمان کے بارے میں ہمارا جواب۔ کیونکہ مجرم بھی وہی اور اسی ہی کی معافی کا مسئلہ دونوں صورتوں میں موجود ہے

جواب پنجم الزامی:-

حسین کریمین کا ”مروان“ کے پیچھے نمازیں ادا کرنا۔

شیعوں لوگوں کی معتبر کتب میں یہ روایت موجود ہے کہ حسین کریمین رضی اللہ عنہما نے ”مروان بن حکم“ کی اقتداء میں نمازیں ادا کیں۔

بحار الانوار:-

عَنْ مُوسَى بْنِ جَعْفَرٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ يَصَلِّيَانِ خَلْفَ مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ فَقَالَا لَا يَحْدِيهِمَا مَا كَانَ أَبُوكَ يَصَلِّي إِذَا رَجَعَ إِلَى الْبَيْتِ فَقَالَ لَا وَاللَّهِ مَا كَانَ يَزِيدُ عَلَيَّ صَلَوةً۔

کتاب بحار الانوار جلد دہم ص ۱۱۱ باب احوال اہل زمانہ
واجری بینہم و بین معاویہ۔ طبع قدیم

ترجمہ۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے اپنے والد بزرگوار (امام باقر رضی اللہ عنہ) سے روایت کی ہے کہ امام حسن اور حسین رضی اللہ عنہما دومروان بن حکم کے پیچھے اس کی اقتداء میں نمازیں پڑھتے رہے۔ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ آپ کے باپ و اوجب مروان کے پیچھے نماز پڑھ کر واپس گھر تشریف لاتے۔ تو کیا گھر اگر نماز دوبارہ پڑھتے۔ فرمایا۔ نہیں۔ الا کی قسم! وہ اس نماز (جو وہ ان کی اقتداء میں پڑھتے) پر زیادتی نہ کرتے تھے۔

اہل بیت رضوان اللہ علیہم کے تین ائمہ کرام نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو خلفائے ثلاثہ کی اقتداء میں نمازیں ادا کیں۔ اور حسین کریمین نے جو مروان بن حکم کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ ان حضرات نے گھر واپس اگر ان نمازوں کو ٹوٹایا نہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ وہ نمازیں ان حضرات کی صحیح تھیں۔ اور نمازوں کی صحت ان حضرات کی طرف سے اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے امام (نماز کے امام) اسحق اور منسوب کے اہل تھے۔

تواب میں شیعوہ حضرات سے دریافت کرتا ہوں کہ ایسے مجرم (مروان بن حکم) کو جس کی معافی نہ ہو سکتی ہو کے پیچھے حسین کریمین رضی اللہ عنہما نے جو نمازیں پڑھیں۔ (اور پھر ان نمازوں کو ٹوٹایا بھی نہیں) ان کے متعلق تمہارا کیا فتویٰ ہے؟ اور کیا حسین کریمین رضی اللہ عنہما بھی تمہارے مذکورہ طعن کی زد میں آتے ہیں یا نہیں۔

شیعوہ! خود کرو۔ اور جوش سے کام لو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی ذات پر اعتراض و طعن کی دھن میں ایسے بدست جو رہے ہو کہ ائمہ اہل بیت اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت مولیٰ لے رہے ہو۔ اور یہ مخالفت ایسی ہے کہ "مروان بن حکم" کو تو معافی مل گئی۔ لیکن تمہیں کون معافی دلائے گا۔

کون تمہاری سفارش کرے گا؟

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

جواب ششم الزامی:-

اسی "مروان بن حکم" نے "ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہا کی نماز

جنازہ پڑھائی

کتب معتبرہ اہل تشیع میں یہ روایت بھی موجود ہے۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ
لہ نبی "ام کلثوم" رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ "مروان بن حکم" نے امام حسین رضی اللہ عنہ
کے فرمان پر پڑھائی۔ ملاحظہ ہو۔

کتاب البحفريات:-

عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ لَمَّا تَوَقَّعَتْ أُمُّ كُلْثُومٍ بَيْتَ
أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِ السَّلَامُ خَرَجَ مَرْقَانُ ابْنُ الْحَكَمِ
وَهُوَ أَمِيرُ كَيْوَمِيذٍ عَلَى الصَّدِيقَةِ فَقَالَ الْحُسَيْنُ
بْنُ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَيْ لَا تُشْهَرُ مَا تَرَكْتَهُ يَصَلِّيَ عَلَيْهَا -
(۱) کتاب البحفريات ص ۸۱ باب من احق بالصلوة

علی المیت - طبع ایران مطبوعہ تہران طبع جدید

(۲) قرب الاسناد ص ۲۱ جلد دوم باب من احق بالصلوة

علی المیت - مطبوعہ تہران طبع جدید

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے انتقال فرمایا تو "مروان بن حکم" جو ان دنوں مدینہ کا گورنر تھا نماز جنازہ پڑھانے کے لیے آگے نکلا۔

(اور اس نے نماز جنازہ پڑھائی) پھر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر طریقہ مسنونہ یہ نہ ہوتا تو میں اُسے (مروان بن حکم کو) ام کلثوم کی نماز جنازہ نہ پڑھانے دیتا۔

اس ناقابل معافی مجرم "مروان بن حکم" نے جب سیدہ ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ پڑھائی تو شیعہ حضرات سے پوچھا جاسکتا ہے کہ تمہارے نزدیک یہ نماز درست تھی یا نہیں! اگر یہ نماز درست نہیں تھی تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے دوبارہ اس نماز کو کیوں نہ ادا فرمایا؟

اپنی کسی کتاب سے ثابت کر دکھاؤ کہ امام عالی مقام نے نماز جنازہ دوبارہ پڑھی تھی۔ تو منہ بانگ، عام حاصل کرو۔ معلوم ہوا کہ "مروان بن حکم" امام حسین رضی اللہ عنہ کی نگاہ میں اتنا مجرم نہ تھا۔ جتنا ان سنی لوگوں نے اُسے سمجھ رکھا ہے۔

لہذا اثبات ہوا کہ جس "مجرم" کو امام حسین رضی اللہ عنہ اپنی ہمیشہ کی نماز جنازہ میں امام بنا سکتے ہیں۔ اس کو اگر حضرت عثمان نے اپنا کاتب (منشی) مقرر کیا تو کونسا کاتب ہو گا؟ اور حضرت عثمان سے آنا بڑا کونسا تصور ہو گا؟

معاف نہیں کر رہے ہو۔ اعتبرت بود یا اولی الامر

باب پنجم

حضرت عائشہ صدیقہ پر کیے گئے شیعہ مطاعن

طعن اول

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پر وہ کی

آیات کی مخالفت کی

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ
الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِئِلُهُنَّ
ذَلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَكَافِيَكَ دِينَ وَكَانَ اللَّهُ
عَاقِبُونَ الْأَحْيَاءِ

(پارہ نمبر ۲۲ رکوع نمبر ۱)

ترجمہ: اے نبی محمد! آپ اپنی ازواج مطہرات کو اپنی بیٹیوں کو اور مؤمنین کی عورتوں کو فرمادیں۔ کہ وہ اپنے اوپر چادر ڈال رکھیں۔ یہ حکم اس لیے ہے۔ تاکہ وہ پہچانی نہ جاسکیں۔ کہ کثرہ میں ایذا سے بچ جائیں۔ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ انتہی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بے پردگی کی ممانعت فرمادی۔ لیکن ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس حکم کی ممانعت مخالفت کی اپنے گھر کو چھوڑ کر بصرہ گئیں۔ اور وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کی۔

اسی طرح دوسری آیت کریمہ کی بھی انہوں نے صراحتہ مخالفت کی۔

”وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى۔“

ترجمہ :- اور اپنے گھروں میں عزت و وقار سے بیٹھی رہو۔ اور قدیم جاہلیت کا بناؤ سنگھار کر کے باہر نہ نکھو۔

(ترجمہ مقبول احمد)

اس آیت میں بھی پہلی آیت کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے گھروں میں عزت و وقار سے بیٹھی رہیں۔ اور جاہلیت کی رسم و رواج ترک کر دیں۔ غلام طعن یہ ہے۔ کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اللہ رب العزت کے احکام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی مخالفت کی۔ اور اپنے گھر سے نکل کر بیرونی بیٹیمیں۔ وہاں پہنچ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ لڑی۔ جس کی بنا پر ان پر یہ الزام ہے۔ کہ انہوں نے حدود و شہ عید کی پروا نہ کی۔ اور ان کے نزدیک اللہ اور اس کے رسول کے احکام کوئی وقعت نہ رکھتے تھے۔

جواب اول :-

مذکورہ طعن کے ہم ایک سے زائد جواب دیں گے۔ لیکن ان جوابات سے پہلے ہم گزارش کیے دیتے ہیں کہ اگر مخالفین کریم نے نظر انصاف سے ہمارے جوابات کو پڑھا تو یقیناً ان کا خمیر اس بات کی تصدیق کرے گا۔ کہ طعن بھی شیعوں حضرات کی ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حدود و نفوذ کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔

قرآن کریم نے عورتوں کو گھروں سے مطلقاً نہیں بلکہ بے پردہ

نکلنے سے روکا ہے

مذکورہ طعن کو قرآن مجید کی آیت سے ثابت کرنے میں معترض نے انتہائی باندھاری اور خیانت و تحریف سے کام لیا ہے۔ کیونکہ معترض نے اپنے طعن کو مضبوط کرنے کے لیے آیات حجاب سے جو مفہوم اخذ کیا ہے وہ بالکل ان سے ثابت نہیں ہے۔ بلکہ وہ مفہوم ناسد ہے۔ کیونکہ آیت میں کوئی ایک جملہ موجود نہیں جس کا معنی یہ ہو کہ اسے نبی کی بیوی۔ اپنے گھروں سے باہر مت نکلو، بلکہ اس آیت حجاب کا ترجمہ جو پہلے آپ ﷺ کے لیے تھا اس کا واضح مفہوم یہی ہے کہ اسے پیغمبر کی بیوی یا تم جب بھی گھروں سے باہر نکلو۔ توبہ عجاۓ نہ نکلو۔ بلکہ اپنے اوپر چادر ڈال کر باپردہ ہو کر نکلو۔ اور اپنے جہرہ اور جسم کو ڈھانپ کر نکلو۔

”تفسیر منبع الصادقین“ میں ”مناجی اللہ کا شانی، نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اسی مفہوم کی تائید کی ہے۔

منج الصادقین :-

(یا ایہا النبی) اسے پیغمبر برگزیدہ۔ (قل لا رواج لك) (گو مرناناں خود را۔) (و بنا لك) (و مرناناں خود را۔) (و نسأ المومنین) (و زماناں مومناناں) (و بوقت بیرون رفتن از خانه) (بیدین) (نزدیک گردانند و فرنگزارند) (علیہن) (بر روی پہلو ہائی خود) (من جلا بیہن) (چادر ہائی خود را یعنی وجود و ابدان را بجاں پوشند۔)

اسے برگزیدہ معینہ۔ اپنی عورتوں کو اور اپنی بیٹیوں کو اور مومنوں کی عورتوں کو
فرمادو۔ اگر گھر سے باہر نکلتے وقت اپنے چہروں اور پہلوؤں پر اپنی یاد دہی
ڈال لیا کریں۔ یعنی چادروں سے اپنا جسم اور چہرہ چھپا لیا کریں، انتہائی کاشانی،،
نے آیت کے مفہوم میں یہ بیان کر دیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کی ازواج و بنات اور دیگر مومنوں کی عورتوں کو مطلقاً باہر نکلنے سے منع نہیں
فرمایا۔ بلکہ بے پردہ اور بے حجاب نکلنے سے روکنا ہے۔ مگر با ازواج مطہرات
سیمت تمام مسلمان عورتوں کو اس شرط پر باہر نکلنے کی اجازت ہے۔ کہ وہ
اپنے چہرے اور بدن کو ستر میں رکھ کر نکلیں۔

اسی طرح دوسری آیت سے جو معترض نے استدلال کیا ہے۔ وہ بھی غلط ہے
کیونکہ "وقد فی بیوتہن" میں بھی کوئی ایسا لفظ نہیں جس سے مفہوم نکلا جو
کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو ہر حالت میں گھر سے نکلنے کی ممانعت
کر دی ہے۔ بلکہ آیت مذکورہ کا واضح مفہوم یہ ہے۔ کہ اپنے گھروں میں عزت و وقار سے
بیٹھی رہو۔ اور جب کہیں باہر نکلنا پڑے۔ تو زنا نہ جاہلیت کے دستور کے مطابق
اپنے محاسن اور بناؤں کو دکھانے کی خاطر باہر نکلو۔ کیونکہ یہ طریقہ مسلمان عورتوں
کے شایان شان نہیں۔

علامہ کا شانی،، نے اس کی تائید یوں کی ہے۔

اور ترجمہ قتادہ و مجاہد تہرج بمعنی تہرج است و رشی یعنی مخز امید و رفتن،
مانند خرامیدن اہل جاہلیت اولی،،

ترجمہ: حضرت قتادہ اور مجاہد رضی اللہ عنہما نے "تہرج" کا معنی "تہرجت" کیا
ہے۔ یعنی پلٹنے میں اپنے وجود کو دائیں بائیں حرکت دے کر شگ و گداز

کر چلنا۔ اگر کوئی نماز مانہ جاہلیت میں عمر میں اسی طرح طہل طہل کر اور ملک ملک کر چلتی تھی۔

دکاشانی، مفسر نے اس آیت کریمہ کے مفہوم کے ضمن میں اس بات کی بھی وضاحت کر دی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو اپنے گھروں سے نکلنے کی بہت ممانعت نہیں فرمائی۔ بلکہ ممانعت اس پر ہی کی ہے۔ کہ باہر نکلیں تو نماز میں جاہلیت کی عورتوں کی طرح چال ڈھال نہیں ہوئی چاہیے۔ اور خرواں خرواں چلیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا روانگی سفر کے وقت اپنی ازواج میں قرعہ ڈالنا

جواب نمبر ۲۱۔

اگر تمہارے اعتراض کو تسلیم کر لیا جائے۔ کہ قرآن پاک نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی حکم دیا۔ کہ آپ اپنی بیویوں کو کسی حالت میں بھی باہر نہ نکلنے دیں۔ تو اس سے لازم آئے گا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس حکم خداوندی کی مخالفت کی۔ اور معاذ اللہ آپ نے بھی قرآن احکام پر عمل نہیں کیا۔ کیونکہ سیرت کی کتب اس بات کی شاہد ہیں۔ کہ آپ نے سفر و جہاد میں اپنی ازواج مطہرات میں سے بعض کو ساتھ رکھا۔ بلکہ یہ اکثر فقیر ہیں۔ کہ آپ جب کہیں سفر کا ارادہ فرماتے۔ تو اپنی ازواج مطہرات میں سے ساتھ جانے کے لیے دو قرعہ فرماتے۔ جس کا نام نکل آتا۔ وہ ساتھ ہو جاتیں۔ اگر تمہارا اعتراض مان لیا جائے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو گھر سے نکلنے کی اجازت نہ تھی۔ تو یہ لازم آئے گا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ اعلازی فرمانا بائز ہو۔

اور پھر اس تاجائز حر سے کسی بیری کو ساتھ لینا دو ہر گناہ اور نافرمانی مقصور ہوگی۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول و فعل دو گناہ و نافرمانی نہیں۔ بلکہ سراسر دین اور شریعت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج میں اپنی بعض ازواج کو ساتھ لیا۔ اور یہ بات بھی مسلم ہے کہ آپ کے انتقال کے بعد "خلافت فاروقی" میں بھی انہماک المؤمنین نے حج کیے اس سفر حج میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں جن کا شیعہ حضرات بھی "احترام" کرتے ہیں۔ تو جیسے باہر مکتان ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قبیلہ انصر اصر ہوا۔ اسی طرح حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بھی باہر سفر حج پر جانا قبیلہ انصر اصر کا تھا۔

اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی زوجہ کو اپنے ہمراہ سفر میں لے کر اللہ کے حکم کی مخالفت کی۔ اور نہ ہی کسی "ام المؤمنین" نے اللہ کے احکام کو پس پشت ڈالا۔ بلکہ قرآن مجید کی حدود کی ہر طرح حفاظت کی۔ اور اللہ کی نافرمانی قطعاً نہ کی۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بصرہ جانا

حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جو مکہ سے بصرہ کا سفر کیا۔ یہ بھی بلا ضرورت نہ تھا۔ بلکہ مسلمانوں کی اصلاح اور امام عادل کے انصاف کی خاطر تھا۔ اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ جناب صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ سفر اپنے محارم کے ساتھ فرمایا۔ آپ کے ساتھ آپ کا بھانجا ابو عبد اللہ بن زبیر، اور ان کے والد مد حضرت زبیر، بھی تھے۔ لہذا جب سفر کی شرعی ضرورت بھی ہو۔ اور محرم بھی ساتھ ہو۔ تو ایسے سفر پر جانے میں لعن طعن کرنا انتہائی بے ادبی اور گستاخی بلکہ بے ایمانی ہے۔ خدا محفوظ رکھے۔

جواب نمبر ۳۱:-

شیعہ روایات کے مطابق حضرت خاتونِ جنت کو

در بدر پہنچایا گیا۔ معاذ اللہ

ان دو جوابات سے جو ہم نے تحقیق کے ساتھ ذکر کئے۔ اگر شیعہ حضرات کی تسلی نہ ہوتی ہو۔ تو ہم ان کی کتب سے ایک اور جواب پیش کرتے ہیں۔ جو ایک طرح اِزامی جواب بنتا ہے۔ نقل کفرِ کفر نہ باشد۔ شاید اسے پڑھ کر ان کی تسلی ہو جائے۔ اور اللہ تعالیٰ ہدایت کے لیے ان کے سینہ کو کھول دے۔

استہجاج طبری ۱:-

فَقَالَ سَلِيمَانٌ فَلَمَّا كَانَ اللَّيْلُ حَمَلَ عَلِيٌّ فَنَاطِمَةً
عَلَى حِمَارٍ وَآخَذَ بِبَيْدِ ابْنَتَيْهِ الْعَمْسَيْنِ وَالْحَمِيمَيْنِ
فَلَمَّا يَدْعُ أَحَدًا مِّنْ أَهْلِ بَدْرٍ مِّنَ الْمُهَاجِرِينَ
وَلَا مِّنَ الْأَنْصَارِ إِلَّا أَتَى مَسْرُورًا وَذَكَرَ حَقَّهُ
وَدَعَا إِلَى تَصْرِيحِهِ فَمَا اسْتَجَابَ لَهُ مِنْ
جَمِيعِهِمْ إِلَّا أَرْبَعَةٌ وَارْتَبَعُونَ رَجُلًا
فَأَمَرَهُمْ أَنْ يُصْبِحُوا بَكْرَةً مُّحَلِّقِينَ
رُءُوسَهُمْ مَعَهُمْ سَلَاحَهُمْ وَقَدْ بَايَعُوهُ
عَلَى الْمَوْتِ فَاصْبَحَ وَلَمْ يُوَافِقْهُ مِنْهُمْ

أَحَدٌ غَيْرَ أَنْ يَبْعَ قُلْتُ لِسَيِّمَانَ مِنَ الْأَرْبَعَةِ قَالَ أَنَا وَأَبُو ذَرٍّ وَ
 أَلِمْتَدَادُ وَالزُّبَيْرِيُّ لَعَنَ أَمُّ ثُمَّ أَنَا هُمْ مِنَ اللَّيْلَةِ الثَّانِيَةِ فَتَأْتِيهِمْ
 اللَّهُ فَقَالُوا نَصِيحُكَ بِكَرَّةٍ فَمَا مِنْهُمْ أَحَدٌ وَفِي غَيْرِنَا ثُمَّ
 اللَّيْلَةُ الثَّلَاثَةُ فَتَأْتِيهِمْ أَحَدٌ غَيْرِنَا -

(۱- اجتماع طبرسی جلد اول صفحہ ۱۰۷)

خیابان طبع جدید

(۲- تاریخ التواریخ تاریخ خلفاء جلد اول

۵۹/۱ (طبع ایران)

(۳- بیت الاحزان صفحہ ۱۰۷ (طبع قدیم

فی مارواہ سلیم بن قیس الغلابی

عن سلیمان

(۴- انوار نعمانیہ جلد اول صفحہ ۱۰۷ تذکرہ فرد

مرتضوی) (طبع ۳۴۴ طبع قدیم)

(۵- مکتب سلیم بن قیس الغلابی

۱۲۷ (طبع جدید بیروت)

ترجمہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ جب رات ہوئی کہ تو حضرت علی

رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ کو گھر سے پر سوار کیا۔ اور حسین کریمین کے ہاتھ

پکڑے۔ اور اہل بدر میں سے ہباجہ و انصاریں سے ایک ایک کے گھر

جا کر اپنا رختی غلاف لے، بتلایا۔ اور اس سلسلہ میں امداد کی درخواست کی۔

ان میں سے صرف چالیس مردوں نے مدد کی حاجی بھری۔ آپ نے انہیں

فرمایا۔ صبح مردوں کو منظر واکر مسلح ہو کر آجانا۔ لیکن صبح ان میں سے صرف

چاہنے موافقت کی۔ حالانکہ سب نے مرنے مارنے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کی تھی۔ میں نے سلمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ وہ چار کون تھے؟ کہا۔ میں، ابوذر، مقداد اور زبیر بن عوام۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ دوسری رات پھران کے گھروں کو آشریف لے گئے۔ انہوں نے اب قسمیہ کہا۔ کہ صبح ضرور آئیں گے۔ لیکن صبح کے وقت پھر وہی چار ہی آئے۔ اسی طرح تیسری رات بھی ہوا۔ لیکن ہم چاروں کے علاوہ کسی نے وعدہ وفا نہ کیا۔

تہذیب المتین :-

منقول ہے کہ جس روز ابو بکر کے ساتھ بیعت ہوئی۔ اسی رات کو آنحضرت نے جناب فاطمہ کو اپنی پشت حمار پر سوار کیا۔ اور حسن و حسین اپنے دو نور چشموں کو ہمراہ لیا۔ اور معلوم ہوا کہ انصار شکر کا بدر کے گھروں پر جا کر اپنی نصرت و حمایت کی طرف ان کو دعوت دی۔ اور حدیث غدیر کو یاد دلایا۔ یعنی تمام حجت باکمل وجہ فرمایا۔ کل چوالیس اشخاص نے حضرت کی دعوت قبول کی۔ آپ نے ان کو امر کیا۔ کہ کل صبح سر منڈوا کر اور ہتھیار لگا کر ہمارے پاس آئیں۔ اور سر جان کی شرط پر بیعت بجالائیں۔ مگر خوف و ہراس نے ان پر غلبہ کیا۔ اور اپنے عہد پر قائم نہ رہے۔ چنانچہ دن ہوا۔ تو سوائے چار اشخاص سلمان فارسی، ابوذر غفاری، مقداد سوار، عمار یا سرور بروایت زبیر بن عوام کے کوئی نہ آیا۔ آپ نے دوسرے اور پھر تیسرے روز ایسا ہی کیا۔ رات کو وعدہ کرتے تھے۔ مگر صبح کو کوئی نہ اسے وفادہ کرتا تھا۔ آلاؤ ہی چار اشخاص۔ حضرت ابو عبد اللہ جعفر صادق کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام خلقت مرتد ہو گئی تھی۔ الا تین اشخاص سلمان، ابوذر، مقداد۔

(تہذیب المتین فی تاریخ امیر المومنین ص ۲۶ جلد اول مطبوعہ یوسفی دہلی)

لمحۃ فکریہ :-

سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کے بارے میں جو روایات ہم نے شیعوں کے نقل کی ہیں۔ یہ روایات ان حضرات کے نزدیک مشہور بلکہ درجہ قوا ترکہ پہنچی ہوئی ہیں۔ جس سے یہ ثابت ہوا کہ حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا کو گھر سے پر سوار کر کے تمام مہاجرین اور انصار کے دروازے پر پھیرایا گیا۔ اور یہ سب کچھ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بقول شیعوں اپنے مفاد کے لیے کیا۔ کو خلافت کا حق میرا بنتا ہے۔ اور تم جانتے ہو کہ، ”مقام غدیر“ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت بھی فرمائی تھی۔ ایک طرف سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا گھر سے باہر نکلتا اور دوسری طرف سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے پر ان کے قصاص کے لیے سفر کرنا۔ دونوں میں بہت فرق ہے۔

۱۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا سفر مضمض اپنے خاوند کے حق کی خاطر تھا۔ جبکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا سفر پوری امت کے مفاد کے لیے تھا۔

۲۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو گھر سے کی پشت پر بٹھا کر مہاجرین و انصار کے دروازوں پر پھیرانا ایک طرف اور دوسری طرف سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا گھر سے نکلی کر شہید میں تشریف لے جانا۔

ان دونوں امتیازات کو پیش نظر رکھیے۔ اور بتلایئے۔ کہ ان دونوں میں سے کس کا نکلنا درست اور کس کا غلط تھا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں تمہارے بڑے یہ گستاخی کریں۔ کہ انہیں گھر سے کی پشت پر بٹھا کر بدر خلافت کے لیے بھیجا گیا تھا۔ کریں اور پھر سیدہ کے دو محب اور وفادار، اپنے بڑوں کی گستاخی کو چہم کر انکھوں سے لگائیں۔ اور ان کی عبارت کو میں ایمان قرار دیں۔ کیا یہ عقل و ایمان کا ماتم نہیں ہے؟

اگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا در بدر پھر ناز جو صرف تمہاری کندہ میں بتلاتی ہیں۔ (۱) آیت
جواب اور وہ قسوت فی بیوتہ کن، کی مخالفت نہیں۔ بلکہ اس پر عمل ہے۔ تو سیدہ
عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا امت کی اصلاح اور حدود شرعیہ کے تحفظ کی خاطر عازمِ بعثہ،
ہونا کیونکر احکام پر پردہ کے خلاف ہوا؟

شیعو! غور کرو۔ اور خوب سوچو! سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر طعن کرنا تو تم نے
شروع بنایا۔ لیکن وہی طعن سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پر کرنا تم سے کیا فانی سمجھتے ہو۔ کیا تمہارا
نقطہ نظر ہر ایک کے لیے علیحدہ علیحدہ ہے؟ ماننا پڑے گا۔ کہ جس طرح سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا
احکام قرآنی سے روگرداں نہیں ہیں۔ اسی طرح سیدہ عائشہ بھی قرآن کے احکام کی پابند ہیں
دونوں مقدس ہیں۔ اور امت کی پیشوا ہیں۔ رضی اللہ عنہما!



طعن دوم

سیدہ عائشہؓ نے خلیفہ برحق سے بغاوت کی

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے قرآن کے اُن احکامات کی ہر یک مخالفت کی۔ جن میں عورت کو پردے کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ آپ مکہ مکرمہ سے بھرہ گئیں اور وہ بھی غیر محرم لوگوں کے ساتھ اور پھر وہاں لوگوں کو اکٹھا کر کے حضرت علی المرتضیٰ سے جنگ لڑی۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ پردہ کے احکام کی پابند بھی نہ تھیں۔ اور انہیں حضرت علی المرتضیٰ سے ذاتی عداوت تھی۔ ورنہ یہ سب کچھ نہ ہوتا۔

جواب ۱۔

شرعیّت مطہرہ میں عورت کو گھر سے نکلنا مطلقاً منع نہیں کیا گیا۔ بلکہ اُسے حکم ہے کہ بلا پردہ وہ گھر سے باہر نہ نکلے۔ ضروریات زندگی اور شرعی کے لیے باپردہ ہو کر عورت کے لیے باہر نکلنا جائز ہے۔ اور احکام قرآن کے خلاف نہیں۔ جیسا کہ خاتونِ بخت حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا نے جب غزوہٴ اُحد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخموں کی مرہم پٹی وغیرہ کی۔ جب عورت اپنی ذاتی ضروریات کی خاطر گھر سے نکل سکتی ہے اور شرعاً اس پر کوئی قدغن نہیں۔ تو اُمت کی مجموعی ضروریات کی خاطر نکلنا کب نا جائز ٹھہرے گا۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا گھر سے نکلنا بھی اسی دوسری نوعیت کا تھا۔ کیونکہ آپ کا عازم بھرہ ہونا دو وجوہ کی بنا پر تھا۔ ایک وجہ یہ کہ حضرت عثمان کا خون ضائع نہ جائے۔ دوسری وجہ یہ کہ اُمت کا فتنہ ختم ہو جائے۔ ان دو وجوہات میں سے کوئی بھی ایسی وجہ نہیں کہ جس کے ارتکاب سے دائرہ اسلام سے خارج ہونا واقع

ہو جائے یہی وجہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو کبھی کافرہ وغیرہ نہیں کہا۔ بلکہ ان کی عزت کی۔ ان کا احترام کیا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے۔ کہانی صاحبہ رضی اللہ عنہا کو مجھ سے کوئی ذاتی عداوت نہیں۔ صرف اجتہادی غلطی تھی۔ ان کی نیت بالکل صاف اور وہ خود مخلص تھیں۔ جس کی تفصیل آپ اگلے اوراق میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا باہم حسن سلوک از کتب شیعہ

مروج الذهب :-

وَوَحَّجَتْ عَائِشَةُ مِنَ الْبَصْرَةِ وَقَدْ بَعَثَ مَعَهَا عَلِيٌّ أَخَاهَا عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ وَثَلَاثِينَ رَجُلًا وَعِشْرِينَ امْرَأَةً مِنْ ذَوَاتِ الدِّينِ مِنْ عَبْدِ الْقَيْسِ وَهَمْدَانَ وَغَيْرِهِمَا أَلْبَسَهُنَّ الثَّعَالِمَ وَهَكَذَا هُنَّ السَّيُوفُ وَقَالَ لَهُنَّ لَا تَعْلِمُنَّ عَائِشَةَ إِنْ كُنَّ نِسْوَةً وَتَلَّسَّمْنَ كَمَا كُنَّ رِجَالًا وَكُنَّ اللَّاقِ تَلِينَ خِدْمَتَهَا وَحَمَلَهَا فَكَلَّمَا آتَتْ الْمَدِينَةَ قِيلَ لَهَا كَيْفَ دَأَيْتِ مَسِيرَكَ قَالَتْ كُنْتُ بِخَيْرٍ وَاللَّهِ لَقَدْ آعْطَى عَلِيٌّ بَنِي أَبِي طَالِبٍ مَا كَثُرَ وَلَكِنَّهُ بَعَثَ مَعِيَ رِجَالًا أَنْكَرْتُ تِلْكَ فَعَزَّ فِيهَا النَّسْوَةَ أَمْرَهُنَّ فَتَسَجَدَتْ وَقَالَتْ مَا أَرَدْتُ وَاللَّهِ يَا ابْنَ أَبِي طَالِبٍ إِلَّا كِرَامًا

وَوَدَدْتُ اَنْيَ لَمْ اَخْرُجْ وَاِنْ اَصَابَتْنِي كَيْتٌ
وَكَيْتٌ مِنْ اُمُورٍ ذَكَرْتُهَا شَاقَةً وَاِسْمًا
قِيلَ لِي تَخْرُجِينَ فَتَصْلِحِينَ مَبِينٌ النَّاسِ
فَكَانَ مَا كَانَ .

(مروج الذهب لمسعودی جلد دوم ص ۲۰۰)
خروج عائشہ من البصرة۔ مطبوعہ بیروت

طبع جدید

ترجمہ۔ جنگ جمل کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ حضرت علی نے ان کے بھائی عبدالرحمن بن ابی بکر، متیل مرد اور میس دیندار غور میں مدینہ کی طرف بھیجے۔ وہ غور میں عبدالقیس اور حمدان کے قبائل سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان میں سورتوں کو حضرت علی کی ہدایت پر پگڑیاں باندھی گئیں۔ اور تلواروں سے مسلح کی گئیں۔ حضرت علی المرتضیٰ نے انہیں تاکید کی تھی کہ اپنا عورت ہونا حضرت عائشہ پر قطعاً ظاہر نہ کرنا۔ اور مردوں کی طرح منہ پر کپڑا بیٹھے رکھنا اور سیدہ رضی اللہ عنہا کی حتی المقدور خدمت کرنا۔ اور انہیں سواری پر اسانے بٹھانے کی خدمات نہ انجام دینا جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مدینہ منورہ تشریف لائیں۔ تو آپ سے پوچھا گیا۔ آپ کا سفر کیسے گزرا؟ فرمایا۔ بخیر و عافیت۔ خدا کی قسم ابوطالب کے بیٹے نے بہت کچھ ویلا لیکن ایک بات انہوں کی۔ وہ یہ کہ میرے ساتھ نادان مردوں کو بھیجا۔ ان مردوں نے اپنی شناخت کروائی۔ قرہ و یکھ کر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سجدہ شکر کیا لائیں۔ اور فرمائے گئیں۔ خدا کی قسم ابوطالب کے بیٹے نے میری انتہائی عزت کی ہے۔ میں تو چاہتی تھی کہ مکہ سے بصرہ کی طرف نہ جاؤں۔ اگرچہ مجھے فلاں فلاں مصائب کیوں نہ برداشت کرنے

پڑیں۔ ان مصائب میں کچھ شدید مصائب کا آپ نے ذکر بھی فرمایا لیکن مجھے یہ
 ہرگز نکلنے پر مجبور کر دیا گیا تھا آپ کے نکلنے سے لوگوں کے درمیان صلح و اشتی
 ہو جائے گی۔ پھر میں چل پڑی۔ اور ہوا جو ہوا۔

روضۃ الصفاۃ:

انحضرت فرمود کہ محمد بن ابی بکر و آل سفر مرافقت کنند و جمعی از عورات
 بصرہ را گفتند کہ مجلس عباس مرواں گشتہ مرواں راجعہ مست صدیقہ قیام
 نہ ایند و خود بنفس نفیس بقولی سہ میل راہ عائشہ را مشایعت فرمود و بصرہ باز گشت
 و چون اں نسواں مرواں نزول و ارتحال بعد و گاری میں نمودند عائشہ ازین معنی طول و
 دل تنگ شدہ می گفت کہ علی حرمت رسول اللہ را نگاہ داشتند و مرا
 بملازمت ایں طائفہ مبتلا و محتاج ساخت و چون در مدینہ عباس اصل خود
 در آمدند صدیقہ از امیر المومنین علی رضی و زبان بحدت و شناساں مرواں و
 شیریں و آل بکشاں در

(تاریخ روضۃ الصفاۃ جلد دوم ص ۴۸۸-۴۸۹)

ذکر خلافت امیر المومنین علیہ السلام۔ مطبوعہ
 نوکشور طبع قدیم)

ترجمہ

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ محمد بن ابی بکر اس سفر کے دوران
 حضرت عائشہ کے ساتھ جائیں گے اور بصرہ کی عورتوں کی ایک جماعت
 کو آپ نے حکم دیا کہ مرواں نہ باس ہیں کہ تمام راستہ میں تم نے صدیقہ
 رضی اللہ عنہا کی خدمت میں انجام دینی ہے۔ اور خود بنفس نفیس ایک قول

کے مطابق حضرت علی بن ابی طالبؓ کو نصرت کر کے واپس پھرنے پر تیار ہوئے۔ جب وہ مردانہ لباس میں بیسویں عورتیں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں پہنچیں تو حضرت عائشہؓ نے ان سے کچھ پریشان اور دل تنگ ہوئیں۔ اور کہیں کہ حضرت علیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت اور عزت کا خیال تو رکھا لیکن مجھے اس مردانہ گروہ کا محتاج بننا کہ مصیبت میں ڈال دیا۔ جب مزید منورہ پہنچ کر وہ عورتیں اپنے اصلی لباس میں آئیں۔ تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے راضی ہو گئیں۔ اس عظیم مرد اور اللہ کے شیر کی تعریف بیان فرمائی۔

کشف النعمۃ فی معرفۃ الائمہ :-

وَنَدِرَتْ عَائِشَةُ عَلَى مَا وَقَعَ مِنْهَا وَكَانَتْ لَا تَذْكُرُ يَوْمَ الْجَمَلِ إِلَّا أَظْهَرَتْ أَسْفَا وَأَبْدَتْ نَدِمًا وَبَكَتْ. وَلَقِيتُ مِنْ رَبِيعِ الْأَبْرَارِ لِلزَّمَّخْشَرِيِّ قَالَ جَمِيعُ بْنُ عَمَيْرٍ دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ فَقُلْتُ مَنْ كَانَ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ فَاطِمَةُ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهَا قُلْتُ لَهَا إِنَّمَا أَسْأَلُكَ عَنِ الرِّجَالِ قَالَتْ رَوْحُهَا وَمَا يَمْنَعُهَا فَوَاللَّهِ إِنَّهُ كَانَ لَصَوَامًا قَوَامًا وَلَقَدْ سَأَلْتُ نَفْسَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي يَدِهِ قَرَدًا هَا إِلَى فِيهِ قُلْتُ فَمَا حَمَلَكَ عَلَى مَا كَانَ قَدْ رَسَلْتُ خِمَارَهَا عَلَى وَجْهِهَا وَبَكَتْ وَقَالَتْ

أَمْرٌ قَضِيٌّ عَلَىَّ

(کشف الغم فی معرفۃ الامم جلد اول ص ۲۴۳) فی شبی

مقبہ - طبع جدید

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جنگ جمل کے واقعہ پر ندامت کرتی تھیں۔ اور یوم الجمل کا جب بھی ذکر کرتیں۔ تو ندامت اور افسوس کا اظہار کرتیں۔ اور روپڑتیں۔ زرخشتری سے منقول ہے کہ جمیع بن عمیر نے کہا۔ میں حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس حاضر ہوا۔ اور پوچھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب کون تھا۔ فرمانے لگیں۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا۔ میں نے پھر پوچھا۔ میرا سوال مردوں کے بارے میں ہے۔ فرمایا۔ ان کے خاوند۔ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) ان کے محبوب ہونے میں کیا روکا وٹا ہے۔ وہ بہت زیادہ روزہ رکھنے والے اور رات کو کھڑے ہو کر یا بخدا کرنے والے تھے۔ اور بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون مبارک ان کے ہاتھ پر گرا۔ تو انہوں نے اُسے اپنے منہ میں ڈال لیا۔ جمیع بن عمیر کہتا ہے۔ پھر میں نے مائی صاحبہ سے پوچھا۔ اگر ان کی فضیلت آپ ایسی بیان کرتی ہیں۔ تو پھر ان کے ساتھ مقابلہ کی کیوں سوجھی۔ یہ سن کر حضرت صدیقہ نے اپنی اوڑھنی منہ پر ڈال لی۔ اور رو کر کہا۔ اللہ کی تقدیر میرے بارے میں ایسا ہی لکھی گئی تھی۔

ابن شہر آشوب :-

قَالَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ أَهْتَسِبُونَ أَمَكُمُ عَائِشَةُ
لَعَنَ كَسْتَحِيلُونَ مِنْهَا مَا يَسْتَحِيلُ مِنْ غَيْرِهَا

فَلَمَّا فَعَلْتُمْ لَقَدْ كُنْتُمْ وَهَىٰ أَمْكُمُ وَإِنْ قُلْتُمْ
لَيْسَتْ بِأَمِينَةٍ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ لِقَوْلِهِمْ وَأَزَّاجُهُ
أَمْهَاتُكُمْ۔

(مناقب آل ابی طالب لابن شہر آشوب جلد ۲)

مس ۱۳ مطبوعہ ایران طبع قدیم

ترجمہ :- حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تم اپنی ماں عائشہ رضی اللہ عنہا کو
قید کرنا چاہتے ہو۔ یا گالی دیتے ہو۔ پھر تم حلال سمجھتے ہو ان کے بارے میں
جو تم دیگر عورتوں کے بارے میں سمجھتے ہو۔ اگر تم نے ایسا کیا۔ تو تم یقیناً کافر
ہو گئے۔ کیونکہ وہ تمہاری ماں ہیں۔ اور اگر تم یہ کہتے ہو کہ وہ تمہاری ماں نہیں
ہیں۔ تو پھر تم نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کو جھٹلایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کی ازواج مطہرات مومنوں کی مائیں ہیں۔

تاریخ یعقوبی :-

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شتر عورتوں کی معیت میں جو کہ قبیلہ عبد القیس سے
تھیں۔ اور مردانہ لباس میں ملبوس تھیں، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو روانہ کیا۔
(تاریخ یعقوبی جلد دوم ص ۱۳۳ مطبوعہ بیروت
طبع جدید)

مروج الذهب، روضۃ الصفاء، کشف الغمہ، ابن شہر آشوب

اور تاریخ یعقوبی سے درج ذیل امور ثابت ہوئے

۱۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے

نئی ان شانِ عزت و کرم کی کہ ستر عورتوں کی معیت میں بصرہ سے کوثر روانہ کیا۔ اور خود بھی تین میل تک الوداع کئے بصرہ سے باہر تشریف لائے جس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی کے نزدیک سیدہ عائشہ کی حیثیت ایک عام عورت کی سی نہ تھی۔

۱۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حد درجہ احترام کرتی تھیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب ترین سمجھتی تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل و احسانات کی شکر گزار تھیں۔ اس کا اظہار سجدہ شکر سے ادا کرتی تھیں۔ جنگِ جمل میں آپ کی شمولیت ایک اجتہادی خطا کی بنا پر تھی۔ آپ نے خود فرمایا کہ میں تو کسی صورت بھی اس جنگ میں شامل نہ ہوتی۔ لیکن لوگوں کے اس کہنے کی بنا پر کہ آپ کے تشریف لانے سے امت انتشار سے بچ جائے گی اور عظیم فتنہ دب جائے گا۔ میں نے شمولیت کی۔ لیکن پھر اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اور ندامت کرتی رہی جتنی کہ واقعہ جنگِ جمل کو یاد کر کے آپ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑتے۔

۲۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو گالی دینے والا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک کافر ہے۔ کیونکہ آپ سیدہ عائشہ کو ام المؤمنین سمجھتے تھے۔ اور فرمایا جو انہیں ام المؤمنین نہیں مانتا۔ وہ قرآن کا جھٹلانے والا ہے۔

الحاصل :-

جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مابین ہونے والی جنگ ان کے باہمی ذاتی عناد کی بنا پر تھی۔ ان کا یہ خیال غلط اور بے ہودہ ہے۔ اسی باطل خیال کے پیشِ نظر یہ لوگ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی

ذات پر لعن طعن کرتے ہیں۔ اور معاذ اللہ تبرّ ابازی سے بھی نہیں چورکتے۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ جس شخص کے دل میں ذرّہ بھر بھی ایمان ہوگا۔ وہ مذکورہ حوالہ عبارت کے بعد پختہ عہد کرے گا۔ کہ اللہ تعالیٰ مجھے پچھلے گنہوں کی معافی دے۔ میں اُسند ہرگز مافی صاحبہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں زبان درازی نہیں کروں گا۔ کیونکہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تبرّ ابازی اور زبان درازی کرنے والا حضرت علی المرتضیٰ کے نزدیک کافر ہے لہذا شیعو! ہوش کے ناخن لو۔ اور جن کے محب کہلاتے ہو۔ ان کے قول کے مطابق آپ کو کافر بنانے سے بچو۔ جس کا طریقہ یہی ہے کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو وہی مقام و مرتبہ دو۔ جو حضرت علی نے دیا تھا۔

جنگِ جمل کے مقتولین کے متعلق حضرت علی اور سیدہ
عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما کا اظہار خیال از کتب شیعہ

مروج الذهب :-

وَوَقَفَ عَلَيَّ عَلَى عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَتَابٍ بْنِ أُسَيْدٍ
ابْنِ أَبِي الْعَيْصِ بْنِ أُمَيَّةَ وَهُوَ قَتِيلٌ يَوْمَ الْجَمَلِ
فَقَالَ لَهْفِي عَلَيْكَ لِعَسُوبِ قُرَيْشٍ قَتَلْتُ
الْعَطَارِيفَ مِنْ بَنِي عَيْدٍ مَنَافٍ سَقَيْتَ نَفْسِي
وَجَدَعْتَ أُنْفِي فَقَالَ لَهُ الْأَمَشْرُ مَا أَشَدُّ
جُرْحَكَ عَلَيْهِمْ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ وَقَدْ أَرَادُوا بِكَ
مَا نَزَلَ بِهِمْ فَقَالَ إِنَّهُ قَامَتْ عَيْنِي وَعَنْهُمْ يَسُوءُ
لَوْ لَيْسَ مِنْكَ وَكَذَلِكَ كَانَ قَتْلُهُ فِي ذَلِكَ الْيَوْمِ الْأَمَشْرُ النَّصِيبِيُّ

(مروج الذهب للمسعودی جلد دوم ص ۳۷۱ ذکر موقعہ الجبل)

مطبوعہ بیروت طبع جدید

ترجمہ :- جنگ جبل کے اختتام کے بعد جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اس جنگ میں کام آئے تو انے مسلمانوں پر سے گندے (تو عبدالرحمن بن عتاب بن اسید بن ابی العیص بن امیر کے لاشہ پر کھڑے ہوئے۔ جبل کے دن انہیں مارا گیا تھا۔ فرمایا۔ اسے قریشی سردار! مجھے تیرے مرنے کا بہت افسوس ہے۔ تو نے بنی عبد مناف کے بڑے بڑے ناموروں کو قتل کیا۔ میرا دل چھلنی کر دیا۔ میری ناک کاٹ دی۔ تو اشتہر نفعی نے کہا۔ آپ ان پر کتنا افسوس فرما رہے ہیں حالانکہ جو کچھ ہوا انہیں کی وجہ سے ہوا۔ یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا آج کے دن میرے قبیلہ اور ان کے قبیلہ کی عورتیں روئیں گی۔ تجھے کوئی نہ روئے گی یہ اشتہری تھا جس نے عبدالرحمن بن عتاب مذکور کو جنگ جبل میں قتل کیا تھا۔

قرب الاسناد :-

عَنْ جَعْفَرٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ عَلِيًّا عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَقُولُ
لِأَهْلِ حَزْبِهِ إِنَّا لَمُتُّ فَمَا تِلْهُمُ عَلَى التَّكْفِيرِ لَهُمْ
وَلَمْ تَمُتْ تِلْهُمُ عَلَى التَّكْفِيرِ لَنَا وَلَيْكَتَا آيَاتَا
أَخَا عَلَى الْحَقِّ وَرَأَوْا تِلْهُمُ عَلَى حَقِّي .

(قرب الاسناد جلد اول ص ۳۷۱ مطبوعہ تہران)

طبع جدید

ترجمہ :- امام جعفر صادق اپنے والد امام باقر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ جبل کے شرکاء کے بارے میں فرمایا کرتے

تھے کہ ہم نے انہیں از روئے کفر نہ مارا۔ اور نہ ہی انہوں نے بوجہ کفر ہمارا
مقابلہ کیا۔ لیکن بات یہ تھی کہ ہم اپنے آپ کو حق پر سمجھتے تھے۔ اور وہ
اپنے آپ کو حق پر جانتے تھے۔

قرب الاسناد :-

عَنْ جَعْفَرٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ عَلِيًّا عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا كَانَ
يَتَشَبَّهِ أَحَدًا مِنْ أَهْلِ حَرْبٍ إِلَى الْخَالِئِ وَلَا إِلَى
التَّقَاتِ وَلَكِنْ يَقُولُ هُمْ أَخَوَانَا بَنُوا عَلَيْنَا -

قرب الاسناد فی روایات جعفر جلد اول ص ۴۵

مطبوعہ تہران طبع جدید

ترجمہ :- حضرت امام جعفر صادق اپنے والد حضرت امام باقر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے
ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جنگ جمل میں شریک کسی کو بھی شرک
اور نفاق کی طرف منسوب نہ کرتے تھے (یعنی کسی کو مشرک یا منافق نہ
سمجھتے تھے) بلکہ آپ فرماتے تھے ہمارے بھائیوں نے ہی ہمارے
خلاف بغاوت کر دی تھی۔

روضۃ الصفاء :-

در روزے کہ آل واقعہ روئے نمود خلقی کثیر بقتل آمدند۔ عائشہ از وی
پرسید کہ طلحہ کجا است۔ جواب داد کہ مقتول گشت باز پرسید کہ حال زبیر
چوں است۔ گفت در اول ہنہار از لشکر گاہ بیرون رفت۔ و در آخر
روز خبر قتل او شیوع یافت۔ و دیگرے از اصحاب را پرسید۔ جواب

شنید کہ اونیز با یاران ملحق گردید صدیقہ گفت خدائی تعالیٰ برایشان رحمت کند۔ خالد گفت از یاران و ہواداران علی زید بن صوحان نیز کشتہ گشت۔ عائشہ گفت اونیز از جملہ مرحومان است۔ خالد پرسید کہ آیا خدائی تقدس و تعالیٰ ایں دو طائفہ را کہ خلاف یکدیگر ورزیدہ و شمشیر بروی ہم کشیدہ اند در یک مکان جمع کند عائشہ فرمود کہ رحمت باری سبحانہ و تعالیٰ از ہر چہ در بیان آید وسیع تر است۔ و ہچکس را در افعال او مجال چرون و چرانیت۔

در وصفہ الشفاء جلد دوم ذکر خلافت امیر المومنین

ص ۲۹۹۔ مطبوعہ نو کشور طبع قدیم

ترجمہ۔ خالد ابن دائر، حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک علم و فضل کی وجہ سے منفرد و ممتاز مقام رکھتا تھا۔ اس دن کہ جب جنگ قبل ہوئی خالد مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوا۔ بہت سے لوگ مارے جا چکے تھے۔ سیدہ صدیقہ نے خالد سے پوچھا۔ طلحہ کہاں ہیں؟ جواب دیا۔ قتل ہو گئے۔ پھر پوچھا۔ زبیر کا حال کیسا ہے؟ کہا۔ جنگ کے شروع میں لشکر گاہ سے وہ آ گئے۔ اور دن ڈھلے ان کے قتل کی خبر پھیل گئی۔ بعض اور ساتھیوں کے بارے میں پوچھا۔ تو کہا۔ وہ بھی اپنے دوستوں سے مل چکے ہیں۔ یعنی قتل ہو چکے ہیں، سیدہ صدیقہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان پر رحمت کرے۔ خالد نے پوچھا۔ حضرت علی کے نام لیواؤں اور خیر خواہوں میں سے زید بن صوحان بھی قتل ہو گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ وہ بھی اللہ کی رحمت میں ہے۔ خالد نے پوچھا۔ کہ کیا اللہ تعالیٰ ان دونوں لشکروں کو جنہوں نے ایک دوسرے کے خلاف

تواریس چلائیں۔ ایک ہی جگہ اکٹھا کرے گا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہر چیز سے وسیع ہے۔ اور کسی شخص کو اس اللہ کے افعال میں چون و چرا کرنے کی مجال نہیں ہے۔

مروج الذهب، قرب الاسناد اور روضۃ الصفاء سے

مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے

۱۔ جنگ مہل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مد مقابل کے شہداء کے بارے میں فرمایا کہ مجھے ان کی شہادت پر بہت افسوس ہے۔ یہاں تک کہ اپنے خاص پرستاروں سے فرمایا کہ "میں نے اپنی ناک خود کاٹ لی ہے" کیونکہ جو لوگ قتل ہو گئے۔ وہ نہ تو میرے دشمن تھے۔ اور نہ ہی ہم میں بیگانگی تھی۔ لہذا ان کا قتل ہو جانا گریہ اپنا ہی نقصان ہوا ہے۔

۲۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بالکل واضح الفاظ میں فرمایا کہ جنگ مہل میں میرے مد مقابل نہ تو کافر و مشرک تھے۔ اور نہ ہی منافق۔ ہماری لڑائی ان وجوہات کی بنا پر نہیں ہوئی۔ بلکہ ہم میں سے ہر ایک اپنے آپ کو حق پر سمجھ کر بڑباہتھا۔ یعنی میں اور میرے ساتھی یہ سمجھتے تھے کہ میری خلافت برحق ہے اور اس کی مخالفت، بغاوت کے مترادف ہے۔ اور میرے مد مقابل اس نظریہ پر لڑے تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص نہ لینے والے اسلام کے غیر خواہ نہیں۔

۳۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے خالد بن ولید کے استفسار میں فرمایا کہ جنگ جمل میں دونوں طرف کے کام آنے والے مسلمان شہید ہیں۔ اور وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کی رحمت میں داخل ہیں۔

الحاصل :-

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور سیدہ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہما کے ارشادات مقتولین جنگ جمل کے بارے میں آپ نے پڑھے۔ ان سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان دونوں حضرات کو مقتولین جمل کا گمراہ صدمہ ہوا اور حسن اعتقاد کی یہ نشانی تھی۔ کہ اس جنگ میں دونوں طرف سے کام آنے والے مسلمانوں کو یہ دونوں حضرات اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق اور حجتی قرار دیتے ہیں۔ بلکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے تو بات ہی صاف کر دی فرماید ان مقتولین میں سے کوئی کافر مشرک یا منافق نہ تھا۔ وہ تو میرے اپنے ہی تھے ان کی موت سے میرا اپنا نقصان ہوا۔ گویا میں نے اپنی ناک کاٹ لی۔ ان واضح ارشادات کے بعد بھی اگر کوئی بد ذات جنگ جمل میں دونوں گروہوں میں سے کسی ایک کو یاس کو کافر یا منافق کہے۔ تو قارئین کرام! آپ فیصلہ کر سکتے ہیں۔ کہ اس کا قول اور حضرت علی المرتضیٰ کا واضح ارشاد ان دونوں میں سے کونسا قابل قبول ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ یقیناً سچے ہیں۔ لہذا ان کی بات ہی قابل قبول ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مقتولین جمل کا انتہائی صدمہ ہوا۔ جو آپ کی زندگی کے آخری لمحات تک بھی نہ گیارا شیعہ مصنف حضرت علی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کے اس افسوس کو یوں نقل کرتا ہے۔

قَالَتْ وَاللَّهِ لَوَدِدْتُ آتَيْتُ مَيْتَ قَبْلِ هَذَا الْيَوْمِ
بِعِشْرَيْنَ سَنَةً. وَخَرَجَ مِنْ عِنْدِهَا قَاتَا عَلِيًّا فَقَالَ
لَهُ عَلِيٌّ وَاللَّهِ لَوَدِدْتُ آتَيْتُ مَيْتَ مِنْ قَبْلِ الْيَوْمِ
بِعِشْرَيْنَ سَنَةً.

اکامل ابن اثیر جلد ۲ ص ۲۵۲ ذکر میر علی الی البقرة.

مطبوعہ بیروت طبع جدید

جلد ۴۴

ترجمہ :- رقعاق ابن عمر جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوا تو دوران گفتگو آپ نے ازراہ افسوس فرمایا کہ خدا کی قسم! میں اگر اس دن (جنگ جمل کے دن) سے بیس سال پہلے دُنیا سے رخصت ہو چکی ہوتی تو بہت اچھا تھا، تاکہ میں یہ واقعہ نہ دیکھ پاتی، پھر رقعاق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا۔ تو اسی موضوع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُسے فرمایا میں تنہا کرتا تھا کہ اس دن کے آنے سے میں برس پہلے مجھے موت آجاتی۔ (تو بہت اچھا ہوتا) کابل ابن اشیر میں اسی مقام پر یہاں تک مذکور ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کسی مقتول کے پاس کھڑے ہوتے۔ تو بڑے دکھ درد کا اظہار فرماتے۔ حتیٰ کہ حبیب حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی میت پر تشریف لائے۔ تو ازراہ افسوس "انا اللہ وانا الیہ راجعون" پڑھا۔ اور حلفیہ فرمایا۔ اے ابو محمد! تمہارا ارادہ ہمارے ساتھ لڑنے کا نہ تھا۔ (یعنی قاتلان عثمان کے مکرو فریب نے ہمارے درمیان جنگ کروادی۔ ورنہ ہماری کوئی ذاتی دشمنی نہ تھی)۔

اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بصری اور کوفی مقتولین کو جمع کروایا۔ اپنے اور مخالف فریق دونوں کے مقتولین کی آپ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ وَصَلَّى عَلَى قَتْلَى أَهْلِ الْبَصْرَةِ وَالْكُوفَةِ وَصَلَّى عَلَى قَتْلَى هَلَوُ لَآئِهِ وَ هَلَوُ لَآئِهِ۔ یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بصری اور کوفی مقتولین کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اور ادھر ادھر دونوں طرف کے قریشی مقتولین کی بھی آپ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ نماز جنازہ دراصل میت کے لیے اللہ تعالیٰ سے طلب مغفرت ہوتی ہے۔ اب ہم اہل تشیع

سے پوچھتے ہیں کہ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھ نماز جنازہ میں اقتداء کرنے والوں کی ان مرنے والوں کے بارے میں استغفار قبول ہوئی۔ یا رد کر دی گئی؟ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو تم مستجاب الدعوات سمجھتے ہو یا کہ نہیں؟ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دعا کو تم اللہ کی بارگاہ میں مقبول و منظور سمجھتے ہو۔ تو تمہیں اس مقام پر دو باتیں لازماً ماننا پڑیں گی۔ اول یہ کہ حضرت علی نے جن کی نماز جنازہ پڑھائی۔ وہ کافر نہ تھے۔ شرک نہ تھے۔ منافق نہ تھے۔ وجہ یہ کہ خود حضرت علی نے ان کے بارے میں فرمادیا ہے۔ (دوسری یہ کہ اگر ان کے چھوٹے موٹے گناہ تھے بھی تو وہ ان حضرات کی دعا کے صدقہ معاف ہو گئے۔ اور وہ پکے مومن ہونے کے ساتھ مغفور بھی ہوئے۔

شہادت عثمان غنی رضی اللہ عنہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ملوث نہ تھے

شیعی مفروضہ :-

شیعوں کا یہ عقیدہ ہے کہ "سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ معاذ اللہ مسلمان نہ تھے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی بیعت با مر مجبوری اور تقیہ کے طور پر کی تھی کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کی خلافت کو ناجائز سمجھتے تھے۔ اور ان کے خلیفہ بننے میں قطعاً زامنی نہ تھے۔"

یہی وجہ ہے کہ جب سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر بلوایوں نے حملہ کیا۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان بلوایوں کے خلاف اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں کچھ بھی نہ کیا۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت عثمان کو بھرپور معاونت ہوتی۔

تو شہادت عثمان وقوع پذیر نہ ہوتی۔ بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ چوں کہ حضرت عثمان سے راہمی نہ تھے۔ اس لیے ان کی شہادت پر حضرت علی رضی اللہ عنہ خوش تھے۔ اور ان کی ہمدردیاں ان لوگوں کے ساتھ تھیں جنہوں نے حضرت عثمان کو جام شہادت نوش کرا دیا۔

اس مفروضہ کی حقیقت :-

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی محبت کے دعویٰ میں اگر ان لوگوں کے اس قسم کے خیالات و نظریات پر غور کیا جائے۔ تو انہیں ”مجان علی“ کی بجائے ”دشمنان علی“ کہنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہوتی۔ جو کہ حقیقت بھی ہے۔ کیونکہ ان کے بقول اگر صرف یہی بات ثابت ہو جائے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایمان سے ہوئی۔ تو پھر یہ بات تسلیم کرنا پڑے گی۔ کہ ہزاروں مسلمانوں کے قتل ناحق کے ذمہ دار حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس سے اپنی برأت کا ہمیشہ اظہار فرماتے رہے۔ اور بار بار آپ نے صاف صاف الفاظ میں فرمایا۔ ”ہم عثمان میں میرا کوئی ہاتھ نہیں۔“

لیکن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی محبت کے نام پر بغض عثمان ان کے کلیجوں کو چاٹے جا رہا ہے۔ اور اسی حد کی آگ میں کم نبت خود تو جل ہی رہے ہیں۔ لیکن اس آگ کے شعلوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف بھی پھیلانے کی انہوں نے ناپاک جسارت کی اس لیے ہم نے مناسب سمجھا۔ کہ ان کے ایسے باطل خیالات و نظریات کا بطلان واضح کیا جائے۔ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ذات پر جو ان کے خیالات کے مطابق داغ لگتا ہے۔ اُسے دور کر دیا جائے۔ کیونکہ جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ جنگ جمل اور جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر

تھے۔ اس وقت تک حضرت عثمان غنی کے دم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سچا ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔ لہذا شیعوہ کتب سے چند حوالہ جات پیش کئے جاتے ہیں جن میں معلوم ہو گا کہ دم عثمان رضی اللہ عنہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بالکل غیر متعلق تھے اور یو اینوں کو کسی طرح بھی حضرت علی کی ہمنوائی حاصل نہ تھی۔

تاریخ یعقوبی :-

سُقِّ قَدِيمَ اَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ الْبَصْرَةَ وَكَانَتْ
وَقَعَهُ الْجَمَلُ بِمَوْضِعٍ يُقَالُ لَهُ التَّحْرِيْبَةُ فِي جُمَادَى
الْأُولَى سَنَةِ ۳۴ وَخَرَجَ طَلْحَةُ وَالتَّرْبِيزُ فِيْهِمْ
مَعَهُمَا مَا قَوَّعُوْا عَلٰى مَصَافِيْهِمْ فَاَنْ سَلَ إِلَيْهِمْ
عَلِيٌّ مَا تَطْلُبُوْنَ وَمَا تُرِيْدُوْنَ ؟ قَالُوْا نَطْلُبُ
يَدَ اَمِيْرٍ عُسْمَانَ قَالَ عَلِيٌّ لَمَنْ اَللّٰهُ قَتَلَهُ
عُسْمَانَ -

تاریخ یعقوبی جلد دوم ص ۱۹۲ مطبوعہ بیروت

طبع جدید - خلافت امیر المؤمنین علی علیہ السلام

ترجمہ :- جمادی الاولیٰ ۳۴ ہجری میں مقام حریتہ پر جنگ قبل ہوئی جب حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما اپنے ساتھیوں کو لے کر اس مقام پر پہنچے تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا تمہارا کیا مطالبہ ہے۔ اور تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم دم عثمان کا مطالبہ کرتے ہیں (یعنی حضرت عثمان کے قانون سے قصاص چاہتے ہیں) یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا - اللہ تعالیٰ قاتلان عثمان پر لعنت بھیجے۔ لہذا جب میرے نزدیک

قاتلان عثمان لعنتی ہیں۔ تو پھر میرا تمہارا جھگڑا کس بات پر؟

تہذیب المتین :-

روضۃ الصقا میں ہے کہ آپ نے فرمایا بہتر ہے کہ ہم اس معاملہ میں مباحثہ کریں یعنی ہم سے جو اس کے قتل پر راضی ہوا۔ اور جس نے اس بارہ میں سنی کی ہر طرفین سے دعا کریں کہ وہ فی الفور غضب الہی میں گرفتار ہو جائے۔

تہذیب المتین فی تاریخ امیر المومنین جلد دوم
ذکر شروع قصہ جل۔ مطبوعہ یوسفی طبع قدیم

امالی طوسی :-

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ عَلَيْهِ بُنُ آجِي طَالِبٍ
عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ إِنْ شَاءَ الْمَسَامُ
قُمْتُ لَهُمْ خَلْفَ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ فَخَلَفْتُ
لَهُمْ يَا اللَّهُ مَا قَتَلْتُ عُثْمَانَ وَلَا أَمَرْتُ بِقَتْلِهِ
وَلَقَدْ نَهَيْتُهُمْ فَعَصَوْنِي -

(امالی شیخ طوسی جلد اول صفحہ ۱۲۵ الجزء العاشر)

مطبوعہ قم - ایران - طبع جدید

ترجمہ :- عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت علی الرضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر لوگ چاہیں تو میں مقام ابراہیم کے پیچھے کھڑا ہو کر اللہ کی قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ نہ تو میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا۔ اور نہ ہی ان کے قتل کا حکم دیا۔ میں نے تو ان قاتلان عثمان کو

روکا تھا۔ لیکن انہوں نے میری ایک نہ مانی۔

مروج الذہب :-

ثُمَّ نَادَى عَلَى رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ طَلْعَهُ حِينَ رَجَعَ
الرَّبِيبُ يَا أَبَا مُحَمَّدٍ مَا لَذِي أَخْرَجَكَ فَتَالَ
الْعَلَّابُ يَدِمَ عُثْمَانُ قَالَ عَلَى قَاتِلِ اللَّهِ أَوْلَانَا
يَدِمَ عُثْمَانُ -

ترجمہ :- جب حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جنگ سے روگرداں ہو گئے۔ تو حضرت
علی رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو آواز دے کر پوچھا۔ اے
ابو محمد! تمہیں کوئی بات نے جنگ پر آمادہ کیا۔ کہا۔ حضرت عثمان کے
قصاص نے یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ حضرت عثمان رضی
اللہ عنہ کے خون میں ہم میں سے جو بھی ملوث ہو۔ اللہ اس کو تباہ و برباد کرے۔

الحاصل :-

عبادات مذکورہ سے بالکل واضح ہو گیا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا
حضرت عثمان غنی کی شہادت میں قطعاً ہاتھ نہ تھا۔ اگر اس قسم کا کوئی آپ کا دخل ہوتا۔
تو قاتلان عثمان پر اللہ کی لعنت اور بھڑکار کیوں مانگتے۔ کیا کوئی ذی ہوش اپنے
یہ اللہ کی بھڑکار مانگتا ہے؟

بلکہ آپ نے تو حضرت عثمان غنی کے خون میں ملوث ہونے پر الزام دینے
والوں کو دعوتِ مبارکہ دی۔ اور یہاں تک بر ملا کہہ دیا۔ کہ آؤ دعا کرتے ہیں۔ جو
قاتل عثمان ہو۔ یا جس کے ایمان سے یہ فعل واقع ہوا۔ اللہ تعالیٰ اُسے تباہ و برباد

کر دے۔

اس سے بڑھ کر آپ نے تویہ بھی فرما دیا۔ کہ چلو۔ مجھے مقام ابراہیم پر لے چلو۔ خدا کے گھر میں اس کے خلیل کے مقام پر کھڑا ہو کر قسم اٹھا کر کتا ہوں۔ کہ میں نہ تو خود قتل عثمان میں شریک ہوں نہ قاتلان عثمان کو میری شہ بھتی۔ بلکہ میں تو انہیں روکنا رہا۔ لیکن ان کے کانوں پر جوں تک نہ رہیگی۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایثار

الشیعة فی التاریخ :-

الَّتِي هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الْمَاءَ إِلَى
عُثْمَانَ يَوْمَ شَدَّ دَعْيَاهُ الْخِصَارُ
وَعَارَضَهُ طَلْحَةُ بِكَلَامٍ شَدِيدٍ
أَرْسَلَ وَلَدَيْهِ الْحَسَنَيْنِ وَمَوْلَاهُ
قَنْبَرًا لِيَدْفَعَا عَنْ عُثْمَانَ حَتَّى جُرِحَ الْحَسَنُ
فِي سَبِيلِ عُثْمَانَ وَصُبَّغَ الدَّمُ وَشَجَّ
دَأْسُ قَنْبَرٍ فِي هَذَا السَّبِيلِ۔

(الشیعہ فی التاریخ مصنفہ محمد حسین الزین شیعہ فاضل)

مطبوعہ قاہرہ طبع جدید ۴۔

ترجمہ :- کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ وہی نہیں جنہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

کو پانی بھیجا جب کہ آپ پر بلوائیوں کا محاصرہ سخت ہو گیا تھا حالانکہ حضرت
 طلحہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو سخت کلام کے ساتھ روکنا چاہا۔ اور آپ نے اپنے
 صاحبزادوں حسین کریمین اور اپنے غلام قبر کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے
 دفاع کے لیے بھیجا۔ حتیٰ کہ اس کام میں حفاظت عثمان رضی اللہ عنہ، میں امام
 حسن رضی اللہ عنہ مجروح ہوئے اور خون آلودہ ہو گئے۔ اور حضرت قبر
 رضی اللہ عنہ کا سر زخمی ہو گیا۔

ناسخ التواریخ :-

ایں خبر بعلی علیہ السلام پر ہند علی غلام خویش قبر را بد و فرستاد و پیام
 داد کہ شنیدم مرا اندا کردی گوی حاجت چیست؟ گفت ای قوم آب
 از من باز گرفته اند و گروہی از فرزندان و عزیزان من تشنه اند اگر توانی مرا
 آب فرست علی علیہ السلام آنجا امت را خطاب کرو

فَقَالَ آيَتُهَا النَّاسُ إِنَّ الَّذِي تَفْعَلُونَ لَا يَسْبِقُ
 أَمْرًا مُؤْمِنِينَ وَلَا آثَرُ الْكَافِرِينَ

..... ای قوم! ابواشتند و رضائی و اندلا جرم علی علیہ السلام سر مشک
 آب بدست چند تن از بنی ہاشم بد و فرستاد تا ہمگان بخور وند و سیراب شدند
 و ناسخ التواریخ تاریخ خلفاء مصنف میرزا محمد تقی

پہر جلد سوم ص ۲۵۲ دوران خلافت عثمان بن عفان

مطبوعہ تہران طبع جدید

ترجمہ :- یہ خبر کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پکارا ہے
 حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہنچائی گئی۔ آپ نے اپنے غلام قبر کو یہ پیغام دے

کر بھیجا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ نے مجھے پکارا ہے۔ بتائیے کیا حاجت ہے؟ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس قوم (بلوائیوں) نے مجھ سے پانی روک لیا ہے۔ اور میرے فرزندوں اور عزیزوں کا گروہ پیاسا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اگر اس قوم کو خطاب کیا اور فرمایا اسے لوگو! تمہارا کرتوت مسلمانوں کی شان کے لائق ہے اور نہ کافر ایسا کرتے ہیں۔ بلوائیوں نے اس بات کا جواب انکار سے دیا اور رضامند نہ ہوئے آخر کار حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تین مشک پانی بنی ہاشم کے چند مردوں کے ہاتھ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بھیجا جو انہوں نے اور گھر کے سارے افراد نے خوب سیر ہو کر پیا۔

ایضاً :-

آنگاہ نوشت کہ چگونہ رضامے وحی کہ پسرم و پسر عمات رابے موجب
تقتل رسانند۔ علی علیہ السلام در پاسخ گفت عثمان ای سخن بصدق میگویی
سو گند با خدائے منی گزدام پسر حضرت میرہ اور ابا تیغ بگزارند۔

(تاریخ التواترین تاریخ خلفاء جلد سوم ص ۲۶)

دوران خلافت عثمان بن عفان مطبوعہ تہران

جمع جدید

ترجمہ :- اس وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو
لکھا کہ آپ کیا جانتے ہیں کہ آپ کے چچا اور چچی کے بیٹے حضرت عثمان
رضی اللہ عنہ کو ناحق قتل کر دیا جائے۔ اس کے جواب میں حضرت علی رضی
اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے صحیح کہا ہے قسم نبی

حضرت کے بیٹے
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر تیغ چلائے۔
کو ہرگز یہ اجازت نہیں دوں گا کہ

مروج الذهب :-

وَقَالَ لِابْنَيْهِ كَيْفَ قُتِلَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْتُمَا
عَلَى الْمَبَايِ وَلَطَمَ الْحَسَنَ وَضَرَبَ صَدْرَ الْحُسَيْنِ۔

مروج الذهب للمسعودی جلد دوم ص ۳۲۵ ذکر ذی النورین

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ مطبوعہ بیروت طبع جدید

ترجمہ :- امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تم دونوں کے دروازے پر موجود ہوتے
ہوئے کیسے شہید ہو گئے۔ یہ کہہ کر امام حسن کے منہ پر تلپا بچھا مارا۔ اور امام حسین
کی بچھاتی پر کھ مارا۔

ان مراحموں اور مضامین کے باوجود بھی کوئی ”محبت علی“ کا دعویدار یہی کہے کہ
حضرت علی رضی اللہ عنہ کی چونکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے مخالفت تھی۔ اس لیے
آپ کے قتل میں حضرت علی کا ہاتھ تھا۔ تو اس ”محبت علی“ کے رنگ میں ”دشمن علی“ اور
کون ہوگا۔ حضرت علی قسیدہ لاتعلقی فرمائی۔ قاتلوں کو لعنتی اور کافروں سے بدتر جانیں۔ اور
دعوت مباحہ کے ذریعہ اللہ کی پھسکا رہا ہیں۔ اور یہ بناوٹی ”محبت“ حضرت علی کو قاتلان
عثمان میں گروانے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی کی بد عقیدگی اور بے ایمانی کو آشکارا کرنا چاہتا
ہے۔ تو اس بد عقیدہ کی زبان سے نیک لوگ لعن و طعن سنتے ہیں۔

بچوں خدا خواہد کے پردہ کس درو۔ میلش اندر طعنہ پاکال کند۔

منج البلاغہ :-

وَمِنْ كِتَابٍ لَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ. كُتِبَ إِلَى أَهْلِ الْأَمْصَارِ
يَقُصُّ فِيهَا مَا جَرَى بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَهْلِ صَفَيْنَ -
وَكَانَ بَدْءُ أَمْرِنَا إِنَّا التَّقِيَّةَ وَالْعَوْمُ مِنْ أَهْلِ
الشَّامِ وَالظَّاهِرُ أَنَّ رَبَّنَا وَاحِدٌ وَنَبِيَّنَا
وَاحِدٌ وَدَعَوَتُنَا فِي الْإِسْلَامِ وَاحِدَةٌ وَلَا
نَسْتَزِيدُ هُمْ فِي الْإِيمَانِ يَا اللَّهُ وَالْقَصْدُ يَقِي رَسُولِهِ
وَلَا يَسْتَزِيدُ وَنَا الْأَمْرُ وَاحِدٌ إِلَّا مَا اخْتَلَفْنَا
فِيهِ مِنْ دِمِ عُمَانَ وَنَحْنُ مِنْهُ بَرَاءَةٌ -

(منج البلاغہ خطبہ ۵۸ ص ۲۴۹ چھٹا سا سائز مطبوعہ)

بیروت طبع جدید

ترجمہ :- اکثر شہروں کے معززین کو حضرت نے یہ خط تحریر فرمایا ہے۔ جس میں ماجرائے
جنگ صفین کا بیان ہے۔ ہماری اس ملاقات رلائی کی ابتداء جو اہل شام کے
ساتھ واقع ہوئی۔ کیا تھی۔ حالانکہ یہ بات ظاہر ہے کہ ہمارا اور ان کا خدا
ایک ہے۔ رسول ایک ہے۔ دعوت اسلام ایک ہے۔ جیسے وہ اسلام کی
طرف لوگوں کو بلاتے ہیں ویسے ہی ہم بھی اہم خدا پر ایمان لانے اس کے
رسول کی نصیحت کرنے میں ان پر کسی فضیلت کے خواہاں نہیں۔ نہ وہ ہم پر
فضل و زیادتی کے طلبگار ہیں۔ ہماری حالتیں بالکل یکساں ہیں۔ مگر وہ ابتداء
ہوئی کہ خون عثمان میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ حالانکہ ہم اس سے بری تھے
(نیز نگ فصاحت ترجمہ منج البلاغہ ص ۲۶)

مطبوعہ یوسفی دہلی طبع قدیم (۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مذکورہ کلام سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے۔

- ۱۔ جنگ صفین کے تمام شرکاء مسلمان تھے۔
 - ۲۔ حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں کا خدا ایک، رسول ایک قرآن ایک اور تبلیغ بھی ایک تھی۔
 - ۳۔ ان حضرات میں سے کوئی بھی ایک دوسرے پر فضیلت کا خواہاں نہ تھا۔
 - ۴۔ ان میں جو جنگ ہوئی۔ اس میں خونِ عثمان ہی ایک مرکزی نقطہ تھا۔ کیونکہ باقی جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں جا گئے تو اس سے اہل بصرہ و کوفہ کو یہ شک گذرا کہ قتلِ عثمان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی ہاتھ ہے۔ حالانکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس سے بالکل بری تھے۔
- حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا اس قسم کا اعلان کھرا کر مختلف شہروں میں تقسیم کروانا اس امر کی وضاحت کرتا ہے کہ حضرت علی اور امیر معاویہ کے درمیان کوئی فزائی عناد نہ تھا۔ نہ ہی یہ دونوں حضرات ایک دوسرے کو کافر سمجھتے تھے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ آپ نے اس امر کی بھی وضاحت فرمادی کہ قتلِ عثمان میں میرا کوئی ہاتھ نہ تھا۔ کیونکہ میرے اور ان کے درمیان بھی کوئی عناد و عدالت نہ تھی۔ دراصل اہل شام شک کرتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قتل عثمان میں کچھ دخل تھا۔
- اس قدر واضح الفاظ کے ہوتے ہوئے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلافات تھے۔ جن کی بنا پر حضرت علی، حضرت عثمان کی خلافت کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ لہذا اسی منصوبہ کو کامیاب کرنے کیلئے اپنے حضرت عثمان کو شہید کروا دیا۔ یہ ایک بہت بڑا بہتان ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس سے بالکل بری ہیں۔ جیسا کہ گذشتہ حوالہ جات میں گذر چکا ہے۔ کہ آپ مقامِ ابراہیم پر کھڑے ہو کر قسم کھانے کو تیار تھے کہ میرا قتل عثمان میں کوئی ہاتھ نہیں۔

طعن دوم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے امام حسنؑ کو روضہ رسول میں دفنانے نہ دیا۔ اور ان کی لاش پر تیر پھینکے تھے،

امام حسن رضی اللہ عنہ کا جب وقت وصال قریب آیا۔ تو انہوں نے اپنے غور و بجائی حضرت، امام حسین رضی اللہ عنہ کو بلایا اور وصیت فرمائی کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مقدسہ میں دفن کیا جائے اور اگر میری اس وصیت پر عمل کرنے میں لوگ رکاوٹ ڈالیں تو پھر جنت البقیع میں دفن کر دینا۔ اس وصیت کے بعد جب امام حسن رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا تو بنو امیہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کہا کہ حسن (رضی اللہ عنہ) کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ میں دفن نہ کرنے دیا جائے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی بات مان لی اور گدھے پر سوار ہو کر آگئیں اور امام حسن رضی اللہ عنہ کے جنازہ پر تیر پھینکے۔
(فتاویٰ الاعمال جلد اول ص ۲۴۴-۲۴۵)

در بیان وصیت نامہ امام حسنؑ

مندرجہ بالا مضمون سے معلوم ہوا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو چونکہ اہل بیت سے انتہائی دشمنی تھی جس کی بنا پر انہوں نے بنی امیہ کے کہنے پر امام حسن رضی اللہ عنہ کو روضہ رسول میں دفن کرنے کی اجازت دینے کے بجائے ان کی نفش پر تیر پھینکے۔

جواب۔ اعتراض اور طعن کرنے والوں کی ہمیشہ سے یہ عادت رہی ہے

اپنے مقصد کی عبارت ڈھونڈ کر مخالف پرافتراض دے مارا۔ اس کے سابق سابق کو دیکھا اور نہ واقعات کی صحیح ترجمانی کی۔ یہی کچھ اس اعتراض اور ضمن میں کیا گیا۔ مذکورہ واقعہ کی تفصیل یوں ہے۔

نبی امیرؐ کو اس بات کا شدید مدد ملتا تھا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے شہید کرنے کے بعد ان کی نعش کو تو جنت البقیع میں بھی نہ دفنایا گیا۔

بلکہ باغیوں کی شرارت کی وجہ سے جنت البقیع سے باہر دفن ہوئے۔ جب امام حسن وصال فرماتے ہیں تو انھوں نے اس بات پر بھی اصرار کیا کہ امام حسنؑ

کو روضہ رسولؐ میں ہرگز دفن نہ کیا جائے اور یہ حسب ہے کہ نبی امیرؐ اس وقت برسرِ امتداد تھے۔ امام حسن رضی اللہ عنہ کو اس بات کے کچھ اشارات معلوم تھے۔

کہ نبی امیرؐ بھی روضہ رسولؐ میں دفن نہیں ہوئے بلکہ اسی سے آپؐ وصیت فرمائی کہ مجھے وہیں دفنایا جائے اور اگر کوئی مزاحمت ہو یا مخالفت ہو تو

پھر مدفن کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ غمخوار نہ ہونے پائے۔ اور مجھے اپنی والدہ کے پہلو میں جنت البقیع کے اندر دفن کر دینا۔

واقعات بتلاتے ہیں کہ جب امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جدِ خاکی کو روضہ رسولؐ میں دفنانے کی غی ہاشم تیار کر رہے تھے تو مردانِ آبا اور اسی موضوع پر بات

چیت میں ملحق پیدا ہو گئی اور معاملہ مارکائی تک پہنچا نظر آیا۔ اسی دورانِ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور دونوں فریقوں میں جہلی گردن۔ اس کے بعد حضرت

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبوہاشم کو فرمایا کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کی وصیت کے دوسرے حصے کے مطابق ان کی والدہ ماجدہ کے قریب جنت البقیع میں دفن کر

دیا جائے۔ آپ نے واقعہ کی حقیقت پڑھی۔ اس میں کہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے

منع کرنے اور روضہ رسول میں دفنانے سے انکار کرنے کا کہیں نام روشن بھی نہیں ملتا۔ بلکہ اس کے برعکس ام المومنین رضی اللہ عنہ نے تو روضہ رسول میں دفنانے کی اجازت دے دی تھی مگر بنو امیہ کی مخالفت کی وجہ سے امام حسن رضی اللہ عنہ روضہ رسول میں دفن نہ ہو سکے۔ اس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا کیا قصور تھا جس پر ان کے خلاف آواز اٹھائی جا رہی ہے۔

مذکورہ حقیقت پر دونوں فریق (شیعہ، سنی) کی عبادات
اب۔ جنازہ امام حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق اہل سنت کی عبادات
الکامل فی التاریخ۔

فَاسْتَأْذَنَ الْحُسَيْنُ عَائِشَةَ فَأَذْنَتْ لَهُ
فَلَمَّا تَوَقَّى أَرَادَ وَادَعَتْهُ عِندَ النَّبِيِّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمَ يَمْرُؤَ مِنْ
إِبْنِهِ سَعِيدُ بْنُ الْعَاصِ وَهُوَ الْأَمِيرُ
فَقَامَ مَرَّوَانُ بْنُ الْحَكِيمِ وَجَمَعَ بَيْنَ أُمِّيَّةٍ
وَشَيْبَعَتِكُمْ وَامْتَنَعَ عَنْ ذَلِكَ فَسَأَلَ أَدَّ
الْحُسَيْنِ الْإِمِّيَّةَ فَنُصِّلَ لَهُ إِنَّ أَخَاكَ
قَالَ إِذَا خِشْتُمُ الْفِتْنَةَ فَهِيَ مَتَابِرُ
الْمُسْلِمِينَ وَهَذِهِ فِتْنَةٌ فَسَكَتَ
وَصَلَّى عَلَيْهِ سَعِيدُ بْنُ الْعَاصِ فَقَالَ
لَهُ الْحُسَيْنُ لَوْلَا أَنَّكَ سَأَلْتَهُ لَمَّا

تَرَكْنَاكَ تَسْلِي عَلَيَّهِ

الکمال فی التاریخ لابن اثیر جلد ۱ ص ۱۴۰

ذکر ذوات الحسن بن علی مطبوعہ بیروت

ترجمہ :- امام حسین رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اجازت

طلب کی کہ امام حسن کو بعد از سال روزہ رسول میں دفنانے دیا جائے

ام المؤمنین حضرت عائشہ سے دی۔ پھر جب حضرت امام حسن کا وصال

ہو گیا تو اجاب نے انھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دفنانے کا

ارادہ کیا۔ حضرت سعید بن عاص نے کوئی ۲۱ بار سے میں تعرض نہ کیا۔ حالانکہ

وہ امیر مدینہ تھے۔ یہ دیکھ کر مروان اٹھا۔ اس کے ساتھ بنی امیہ اور ان

کے ساتھیوں کی ایک بہت بڑی جماعت بھی کھڑی ہو گئی۔ ان سب نے

مل کر رکاوٹ ڈالی۔ اس کے بعد امام حسین رضی اللہ عنہ نے مقابلہ کرنے

کی صفائی۔ لیکن انہیں بتلایا گیا کہ آپ کے بھائی بزرگوار نے یہ بھی وصیت

کی تھی کہ اگر فتنہ و فساد کا خطرہ ہو تو جنت البقیع میں دفن کر دینا اور آپ

دیکھ رہے ہیں کہ حالات خطرناک ہو رہے ہیں۔ ان حالات میں امام حسین

رضی اللہ عنہ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ امام حسن رضی اللہ عنہ کا جنازہ حضرت

سعید بن عاص نے پڑھایا۔ انھیں امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

فرمایا کہ اگر طریقہ مسنونہ یہ نہ تھا کہ جنازہ کا امام حاکم و امیر وقت

ہو، تو میں آپ کو ان کا جنازہ نہ پڑھانے دیتا۔

البدایہ والنہایہ۔

اِنَّ الْمُسْلِمَ لَيَكُونُ قَدْرًا عَظِيمًا فِي ذَاكَ

فَاذِنْتُ لَهُ فَاَتَمَّامَاتٍ لِّسِنِ
 الْحُسَيْنِ السَّكَّاحِ وَ شَكَّاحِ بِسْرِ
 اُمِّهِ وَ قَانَا لَا تَدْعُهُ سِيْدُ مَنْ
 مَعَ رَسُولِ اللَّهِ (ص)، اَبِيْدُ فَنَ عَشْمَانُ
 بِالْبَتِيْعِ وَ مِيْدُ فَنَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ
 فِي الْحَجْبَةِ فَلَمَّا خَافَ الْمَاسُ
 وَ شَوْعَ الْفِتْنَةِ اَشَارَ سَعْدُ بْنُ اَبِي
 وَ قَانَا وَ اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَ جَابِرُ
 وَ ابْنُ عَمْرٍ عَلَى الْحُسَيْنِ اَلَا
 يُسَاطِلُ هَذَا مَشَقُّ وَ دُفْنِ اَنْثَاءِ
 فَكْرِيْبًا مِنْ قَتْلِ اُمِّهِ بِالْبَتِيْعِ
 رَضِيَ اللهُ عَنْهُ .

البدایہ والنہای لابن کثیر جلد ۱ ص ۱۱۱

سنہ تسع واربعین مہجور عمر بیرون ۱۱۰

ترجمہ: امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے ماسے میں رسول کے
 اندر دفنانے کی اجازت بخش کر مائتہ سولہ رضی اللہ عنہ سے
 مانگی۔ مائی صاحبہ نے اجازت دے دی۔ پھر جب ان انتقال
 ہو گیا۔ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہتھیار چھوڑ دیے۔ اور فرمایا
 بھی مسلح نہ ہو گئے، اور کہنے لگے، ہم امام حسن کو رسول میں
 گر کر دفن فرما کر رہے ہیں گے۔ کیا یہ انصاف ہے کہ عثمان غنی کو
 جنت البقیع میں مدفون ہوں اور میں بن عمر عجمی بارگاہ میں

دفنائے جایگی۔ لوگوں نے جب فتنہ فساد کے آثار دیکھے تو حضرت
 سعد بن ابی وقاص، ابوہریرہ، جابر اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم
 نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو اشارہ کیا کہ جگہ چھوڑو۔ امام حسین
 نے ان حضرات کی بات مان لی۔ ان کے بھائی امام حسن کو ان کی
 والدہ کے قریب جنت البقیع میں دفنایا گیا۔

تاریخ الخلفاء

فَلَمَّا مَاتَ آتَى الْحُسَيْنُ إِلَى أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ
 عَاشِرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا فَتَنَّتْ
 نَفْسَهُ وَكَرَّامَةً فَمَنْعَهُمْ مَرْوَانَ
 فَلَيْسَ الْحُسَيْنُ وَمَنْ مَعَهُ السَّلَاحُ
 حَتَّى رَدَّكَ أَبُو هُرَيْرَةَ ثُمَّ دُهِنَ
 بِالْبَقِيعِ إِلَى جَنْبِ أُمِّهِ رَضِيَ
 اللَّهُ عَنْهَا۔

(تاریخ الخلفاء للسیوطی ص ۱۹۳ وفات الحسن)

بن علی۔ مطبوعہ مصر)

ترجمہ: جب امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصال فرمایا تو ان کے بھائی حسین
 حضرت عائشہ صدیقہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر
 ہوئے اور روضہ رسول میں دفنانے کی اجازت طلب کی ام المؤمنین
 نے رغبت و رضا اجازت مرحمت فرمادی۔ مردان نے امام
 حسین کے اجباب کو وہاں دفنانے سے منع کیا۔ اس پر امام حسین

اور ان۔ یہ ساقیہ پرانے ہتھیار اٹھایا۔ تاکہ مقابلہ کیا جائے۔
لیکن حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) نے امام حسین کو سمجھایا
بجھایا۔ پھر انھیں امام حسن ان کی والدہ کے قریب جنت البقیع
میں دفنایا گیا۔

کتاب اہل سنت کی عبارات سے مندرجہ ذیل امور

ثابت ہوئے۔

- ۱۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو برضا و رغبت
اس بات کی اجازت دے دی کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کو رزہ نہ رسول
میں دفن کر سکتے ہیں بلکہ اس کو مبارک سمجھا۔
- ۲۔ مردانہ اور اس کے معادین نے یہ گواہی دے کیا کہ عثمان غنی، تو جنت البقیع
میں مدفون ہوں اور حسن بن علی روضہ رسول میں دفنائے جائیں۔
- ۳۔ امام حسن کی وصیت میں متبادل یہ وصیت بھی تھی کہ بصورت فتنہ و
فساد مجھے اپنی والدہ کے ساتھ جنت البقیع میں دفن کر دینا۔
- ۴۔ امام حسن رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ حضرت سعید بن العاص نے پڑھائی۔
اور یہ اجازت امام حسین ہوا۔ امام حسین نے اسی۔ یہ اس موقع پر کہا۔
چونکہ حاکم وقت ارشاد۔ نبی کے مطابق نماز کی امامت کا سب سے
زیادہ حقدار ہوتا ہے اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں تمہیں اپنے بھائی کی نماز
جنازہ کی امامت نہ کرنے دیتا۔

امام حسن رضی اللہ عنہ کے جنازہ کے متعلق کتب شیعہ
کی عبارات

الاخبار الطوال

شَمَّ قَالَ اذْ قُتُوْا فِیْ مَعَ جَدِّیْ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ
وَسَلَّمَ فَاِنْ مُنِعْتُمْ فَالْبَقِیْعُ شَمَّ
شَوْفِیْ فَتَمَعَ مَرَّوَانُ اَنْتَ سِیْدُ هُنَّ
مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَتَدْفِنُ
فِی الْبَقِیْعِ ۔

۱۔ الاخبار الطوال مصنفہ احمد بن داؤد الدیلمی

ص ۱۱۱ موت الحسن بن علی مطبوعہ بیروت

ترجمہ :- پھر امام حسن رضی اللہ عنہ نے وصیت کرتے ہوئے فرمایا، مجھے
اپنے نانا جان کے پہلو میں دفن کر دینا۔ پھر اگر تمہیں اس وصیت
پر عمل کرنے سے روک دیا جائے تو جنت البقیع میں دفن کر دینا۔
پھر جب امام حسن انتقال فرما گئے تو مروان نے حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کرنے سے منع کر دیا۔ لہذا انہیں جنت
البقیع میں دفنایا گیا۔

روضۃ الصفاء۔

قولی آنکہ عائشہ بو صیت حسن رضا دادہ اما سعید ابن العاص کہ

والی مدینہ بود و طائفہ از عثمانیہ بمع پیش آمدند صاحب مستقسی گوید
کہ در آن زمان حکومت مدینہ بمروان الحکم تعلق میداشت و او
نگذاشت کہ امام حسن را پیش رسول خداوند دفن کنند و ابوحنیفہ
دینوی نیز در تاریخ خویش ایں حرکت ناپسندیدہ را بہ مروان نسبت
کرده است۔

۱ در وصفہ الصفا جلد سوم ص ۵۴۱ ذکر

وفات امام حسن۔ مطبوعہ مکتبہ

ترجمہ :- ایک قول کے مطابق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے امام
حسن رضی اللہ عنہ کی وصیت پر عمل کرنے کی اجازت دے دی۔ لیکن
مدینہ کے حاکم معبد بن العاص بمعہ بہت سے ثنائیوں کے آگے بڑھے
صاحب مستقسی کہتا ہے کہ ان دونوں مدینہ کی حاکمیت۔ مروان بن
الحکم کے پاس تھی۔ اس نے یہ اجازت نہ دی کہ امام حسن کو روضہ
رسول میں دفن کیا جائے۔ اور ابوحنیفہ دینوری نے بھی اپنی تاریخ
میں لکھا کہ یہ ناپسندیدہ حرکت مروان کی تھی۔

مقاتل الطالبین

إِنَّ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ أَرْسَلَ إِلَى عَائِشَةَ
أَنْ تَأْذَنَ لَهُ أَنْ يُدْفَنَ مَعَ النَّبِيِّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ نَعَمْ
مَا كَانَ بَقِيٍّ إِلَّا مَوْجِعُ قَبْرِ قَاحِدٍ
فَلَمَّا سَمِعَتْ بِذَلِكَ بَنَتْ أُمِّيَّةً اسْتَمْلَأَتْ

بِالسَّلَاحِ هُمْ وَبَنُو هَاشِمٍ لِلْقِتَالِ وَ
قَالَتْ بَنُو أُمِّيَّةَ وَاللَّهِ لَوْ يَدْفَنُ مَعَ
النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ أَبَدًا قَبْلَ
ذَلِكَ الْحَسَنَ فَإِنَّ مَلَإِ إِلَى أَهْلِهِ أَمَّا
إِذَا كَانَ هَذَا فَلَا حَاجَةَ لِي فِيهِ
إِذْ فُتُونِي إِلَى جَانِبِ أُخِي فَاطِمَةَ
فَنَدُّنِي إِلَى جَنْبِ أُمِّي فَاطِمَةَ عَلَيْهَا
السَّلَامُ.

(مقابلہ الطاہرین لابی الفرج الاصفہانی)

۱۵، تذکرہ حسن بن علی مطبوعہ بیروت

ترجمہ :- امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس کسی کو بھیجا تاکہ انہیں روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں دفن کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔ تو انہوں نے یہ کہہ کر اجازت دے دی کہ وہاں صرف ایک قبر کی جگہ باقی ہے۔ وہ تم انہیں دے دو۔ جب بنو امیہ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے نبی مہتمم کے ساتھ دنگا فساد کی ٹھان لی اور ہتھیار اٹھائے بنو امیہ نے کہا۔ خدا کی قسم ہم امام حسن کو کبھی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ میں دفن نہیں ہونے دیں گے۔ جب یہ بات امام حسن کو پہنچی تو انہوں نے ایک آدمی کو اپنے اقارب و اصحاب کی طرف بھیجا اور کہل بھیجا۔ اگر معاملہ اس قدر پیچیدہ ہو گیا ہے تو مجھے وہاں نہ دفنائیں۔ بلکہ مجھے اپنی والدہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پہلو میں دفن کر دیں۔ لہذا انہیں

(جنت البقیع) والدہ کے قریب دفن کر دیا گیا۔

ابن حدید

قَالَ أَبُو النَّجَّارِ وَفَتَدَّ رَوْعُ
الزُّبَيْرِ بْنِ بَكَّارٍ أَنَّ الْحَسَنَ
عَلَيْهِ السَّلَامُ أَرْسَلَ إِلَى عَائِشَةَ أَنَّ
تَأْذَنَ لَهُ أَنْ يَدْخُلَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فَتَقَالَتْ نَعَمْ فَلَمَّا
سَمِعَتْ بَنُو أُمَيَّةَ بِذَلِكَ اسْتَلَّوْا
فِي السَّلَاحِ وَتَنَادَوْهُمْ وَبَنُو هَاشِمٍ
فِي التَّنَالِ فَبَكَعَ ذَلِكَ الْحَسَنَ
فَنَازَلَ إِلَى بَنِي هَاشِمٍ أَمَّا إِذَا
كَانَ هَذَا هَذَا حَاجَةً إِلَى فِيهِ
إِدْفِنُونِي إِلَى جَنْبِ أَرْحَى هَذَا فَنَزَلَ إِلَى
جَنْبِ فَطِيمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ

ابن حدید جلد چہارم ص ۱۸۱ فی ذکر ما مرث

لجہ الصلح بین معاویہ و الحسن مطبوعہ بیروت

ترجمہ: ابو الفرج نے کہا کہ زہیر بن بکار نے روایت کی ہے کہ امام حسن
رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا
کے ہاں بھیجا۔ تاکہ وہ اجازت دیں کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

ساتھ روضہ اندامیں دفن کیا جائے۔ تو جناب صدیقہ نے اجازت دے دی۔ جب بنو امیہ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے ہتھیار سنبھال لیے۔ ادھر بنی ہاشم بھی مقابلے کے لیے تیار ہو گئے۔ اس کا علم جب امام جن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہوا۔ تو انہوں نے کہلا بھیجا کہ اسے نبی ہاشم اگر معاملہ ایسا بن گیا ہے۔ تو مجھے میری والدہ کے پہلو میں دفن کر دیا جائے۔ مجھے وہیں منظور ہے۔ لہذا انہیں ان کی وصیت کے مطابق جنت البقیع میں ان کی والدہ کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا۔

ابن حدید

وَقَالَ وَقَدْ مَرَّ الْحُسَيْنُ عَلَيْهِ السَّلَامُ
لِلْمَسَلَةِ عَلَيْهِ سَعِيدَ بِنْتِ الْعَاصِ
وَهُوَ يَوْمَئِذٍ أَمِيرُ الْمَدِينَةِ
وَقَالَ تَقَدَّمُوا فَلَوْ لَا أَتَتْهَا سَنَةٌ
لَمَّا قَدَّمْتُكَ -

ابن حدید شرح نہج البلاغہ جلد چہارم

ص ۱۸ فی بعض مارا الحسن مطبوعہ بیروت

ترجمہ :- راوی کہتا ہے، کہ جب امام حسین رضی اللہ عنہ نے سعید بن عاص کو امام حسن کی ناز جنازہ کی امامت کرانے کے لیے آگے کیا۔ کیونکہ ان دنوں مدینہ کا امیر یہی تھا، تو فرمایا، چلو بھائی نماز پڑھاؤ۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنت قائم نہ کی ہوتی کہ نماز کی امامت امیر شہر کرے گا تو میں تمہیں آگے نہ کرتا۔

الحاصل

اہل سنت و جماعت کی کتب سے جو امور ثابت ہوئے۔ بدینہ وہی امور
اہل تشیع کی عبارات سے بھی ثابت ہیں۔ ان تمام عبارات میں یہ باتیں مشترکہ طور
پر موجود ہیں۔

۱۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے امام حسن رضی اللہ عنہ کو درودِ رسول میں
دفنانے کی اجازت دے دی تھی لیکن نبی امیہ نے مروان کی سرکردگی میں اسی
پر عمل درآمد نہ ہونے دیا۔ دونوں قسم کی کتب میں اس رکاوٹ کو مروان کی طرف
مسوب کیا گیا ہے۔

۲۔ اہل سنت اور اہل تشیع کی کتب میں سے کسی میں بھی امام حسن رضی اللہ عنہ کو
نہ دفنانے کی نسبت یا اس کا ذکر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو
نہیں ٹھہرایا۔ لہذا امام حسن رضی اللہ عنہ جو درودِ رسول میں دفنائے نہیں
گئے۔ اس کا بار حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا پر ڈالنا قطعاً ناانصافی ہے۔
طعن کا دوسرا حصہ یہ تھا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے نعشِ امام حسن رضی اللہ
عنہ پر تیر مارے تو اس بارے میں ہم معترض کے گھر کی گواہی پیش کر دیتے
ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

ابن حبیہ :-

قُلْتُ وَلَيْسَتْ فِي رِوَايَةِ يَحْيَى بْنِ
الْحُسَيْنِ مَا يُؤْخَذُ عَلَى عَائِشَةَ
بِإِثْنِهِ لَمْ يُرَوْ أَنَّهَا اسْتَنْقَرَتْ

التَّائِبِينَ لَمَّا رَكِبَتِ الْمَبْعَدَ وَاسْتَمَا
 الْمُسْتَمِيرُونَ هُمْ بَنُو أُمِّيَّةَ وَ
 يَجُوزُ أَنْ تَكُونَ عَائِشَةُ تَكَبُّثُ
 لِتَسْكِينِ الْفِتْنَةِ لَا سِيَّيَمَا وَ قَدْ
 رَوَى عَنْهَا آثَةً لَمَّا طَلَبَ مِنْهَا
 الدَّفْنَ قَالَتْ نَعَمْ فَلِهَذَا الْحَالُ وَ
 الْفِتْنَةُ مُنْقَبَهُ مِنْ مَنَاقِبِ عَائِشَةَ .

ابن حنیف شرح بیج البلاغہ علیہم

فی بعض مآثری بہ الحسن بطور عمودیت

ترجمہ :- میں کہتا ہوں کہ سبھی بن حسین کی روایت میں قطعاً وہ بات نہیں جو
 حضرت عائشہ پر بطور الزام لگائی جاتی ہے کیونکہ اس قسم کی کوئی روایت
 نہیں ملتی جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ
 آیا ہو کہ انہوں نے لوگوں کو بھگا دیا۔ حالانکہ بھگانے والے درحقیقت
 بنو امیہ تھے (باقی زاریہ معاملہ کی حضرت عائشہ فخر پر سوار کیوں ہوئیں !
 تو اس کا جواب لکھنا حد یہ دیتا ہے) اور یہ بھی بات درست ہے
 کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فخر پر سوار ہونا صرف فتنہ و فساد کی
 آگ کے بھٹکا کرنے کی خاطر ہو۔ خاص کر جب یہ اُن سے روایت
 نظر آتی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے امام حسن کے دفن کے
 مطالبہ کو مان لیا تھا۔ اور رسول میں جگہ دینے کی حامی بھر لی تھی
 تو یہ حال اور قصہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مناقب میں سے
 ایک منقبت ہے۔

ابن عدیشیمی نے اس مقام پر انصاف سے کام لے کر اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر یہ طعن کرنا کہ انھوں نے نفشِ حسن پر خنجر دوڑایا۔ بالکل غلط اور محض الزام ہے۔ الزام کی بجائے یہ واقعہ تو ان کے فضائل و مناقب بیان کرتا ہے کہ دنیا و آخرت میں سے بہترین جگہ و صنفِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اندر خالی جگہ میں امامِ حسن کو دفنانے کی اجازت دے رہی ہیں۔ حالانکہ اگر چاہتیں تو اپنی خاطر انکار بھی کر سکتی تھیں۔ لیکن انھوں نے اجازتِ مرحمت فرما کر دنیا کو دکھا دیا کہ ان کے دل میں عقیدت اور محبتِ اہل بیت کس قدر موجزن تھی۔ اگر کسی کے دل میں رائی بھر بھی ایمان ہو تو مذکور طعن کو وہ واقعی عبث و کالبدیہ ہی سمجھے گا۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار۔)

باب ششم: سیدہ عائشہ و طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم پر کیے گئے مطاعن طعن اول

انہوں نے خلیفہ وقت سے جنگ جمل میں بغاوت کی

جب سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین مقرر ہوئے۔ تو آپ کی خلافت پر جہاں دیگر موجود صحابہ کرام نے آپ سے بیعت کی۔ وہاں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے بھی بیعت کر لی۔ لیکن موقع پاکر حیب یہ دونوں صحابی بصرہ پہنچے۔ تو وہاں کے لوگوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بھڑکایا۔ اور اچھی خاصی تعداد کو اپنا ہمنوا بنا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ ایک لشکر عظیم لے کر آپ پر چڑھائی کر دی۔

ان دونوں حضرات کا یہ طریقہ اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے حضرت علی المرتضیٰ کی بیعت محض مجبوری کے عالم میں کی تھی۔ دل طور پر ان کی بیعت نہ تھی۔ مجبوری کی بیعت تھی تو جب موقع آیا۔ تو اُسے بھی توڑ دیا۔ اور پھر حضرت علی المرتضیٰ کے خلاف جو ان سے ہو سکتا تھا۔ کیا آپ کی خلافت کو درہم برہم کرنے کی ہر کوشش کی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اہل بیت کے سخت ترین دشمن تھے۔ کیونکہ اول تو انہوں نے حضرت علی کی خلافت کو روکنے کی انتہائی کوشش کی۔ جب اس میں خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی۔ اور آپ خلیفہ بن گئے۔ تو پھر خلافت کو ناکام کرنے کے لیے بغاوت تک سے باز نہ آئے۔

جواب :-

حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کی وفات پر یہ طعن یا الزام دینا کہ

انہیں اہل بیت کے ساتھ حسد و بغض تھا۔ اس لیے انہوں نے بیعت توڑ دی۔ لہذا وہ (معاذ اللہ) جہنمی ہیں۔ یہ سراسر باطل اور لغو الزام ہے۔ یہ دونوں حضرات وہ جلیل القدر صحابی ہیں جن کا شمار ان دس مخصوص صحابہ کرام میں ہوتا ہے جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ظاہری دنیا میں ہی جنتی ہونے کی بشارت دے دی تھی جنہیں عشرہ مبشرہ کہتے ہیں۔ ان میں سے یہ دونوں ہیں۔ انشاء اللہ عنقریب کتب شیعہ سے آپ ان کے بارے میں یہی خصوصیت حوالہ جات کے ساتھ ملاحظہ کریں گے۔

باقی ہمارے انہوں نے اول تو بیعت کی۔ پھر اُسے توڑا۔ تو یہ کیوں کیا؟ دراصل ان دونوں حضرات کا پہلے بیعت کر لینا اور پھر اس کے بعد توڑ کر بغاوت تک کر لینا "اجتہادِ خطا" تھی۔ حسد و بغض کی وجہ سے ایسا نہ ہوا۔ اس کی بھی عنقریب انشاء اللہ وضاحت آرہی ہے۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ ہم اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ حضرت طلحہ، زبیر اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم نے جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مخالفت رکھی۔ اور پھر ابن سبأ، یہودی اور اس کی پارٹی کی سازشوں کی بنا پر ان حضرات کے درمیان جو لڑائیاں ہوئیں۔ ان میں حضرت علی حق پر تھے۔ اور ان حضرات کا حضرت علی سے لڑنا خطا تھا لیکن یہ خطا چونکہ اجتہادی تھی۔ اس لیے خطا اجتہادی پر ملامت اور لعن طعن جائز نہیں۔ اس خطا کے اجتہادی ہونے پر اور لعن طعن کا مقام نہ ہونے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جنگ جمل کے اختتام پر افسوس کرنا ایک واضح دلیل ہے۔ آپ نے حضرت علی نے ان حضرات کے بارے میں جنتی ہونے کی پیشین گوئی فرمائی۔ اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بڑے احترام و عزت کے ساتھ واپس بھیجا۔

جنگ جمل کا تاریخی پس منظر

شیعہ حضرات اس طعن کو بڑا طول طویل کر کے پیش کرتے ہیں۔ اور ادھر ادھر کی ادھوری نامکمل اور من گھڑت کڑیاں ملا کر عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کا ان تمام باتوں سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ حضرت طلحہ، زبیر اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہم کو چونکہ اہل بیت سے بغض و عناد تھا۔ اس لیے جب دیکھا کہ ابھی ہماری دال نہ گلے گی۔ تو بیعت کر لی۔ اور جب قوت جمع ہو گئی۔ تو بیعت توڑ کر بغاوت کر دی۔ پھر لڑنے کے لیے میدان میں اتر آئے۔

لہذا میں مناسبت سمجھتا ہوں کہ سب سے پہلے ”جنگ جمل کا پس منظر“ بیان کر دیا جائے تاکہ اس سے قارئین کرام اور صاحب انصاف یہ جان سکیں کہ ان حضرات کی مخالفت کیسی تھی۔ یعنی کیا وہ از روئے دشمنی تھی۔ یا اس وجہ سے کہ وہ کسی غلط فہمی کی بنا پر اختلاف میں پڑ گئے۔

خلیفہ ثالث سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حج پر تشریف لے گئیں۔ جب آپ مکہ المکرمہ میں تھیں۔ تو پیچھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے۔ شہادت عثمان کے بعد لوگوں نے خلافت کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی۔ جب حضرت علی المرتضیٰ خلیفہ بن گئے۔ تو بعض صحابہ کرام جن میں سے حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما سرفہرست ہیں نے حضرت علی المرتضیٰ سے حضرت عثمان کا قصاص لینے پر زور دیا۔ چونکہ مدینہ منورہ میں شہادت عثمان اور خلافت علی کے ابتدائی دور میں ان لوگوں کی کثرت تھی۔ جنہوں نے ہوا کر کے حضرت عثمان کو شہید کروایا تھا۔ اس کے پیش نظر حضرت علی نے حضرت عثمان کے قصاص کو کچھ دیر تک کے لیے موقوف رکھا پسند فرمایا

تاکہ اس خلافت مستحکم ہو جائے۔ اور میرے پاؤں مضبوط ہو جائیں۔

ادھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت مسلمانوں کے لیے ایک عظیم صدمہ بن کر آئی۔ اس بنا پر مسلمان یہ نہیں چاہتے تھے کہ اتنی مظلومیت سے شدید ہونے والے صحابی رسول کا قصاص بہت دیر بعد لیا جائے۔ ادھر قاتلان عثمان مدینہ منورہ میں بے خوف و دندنا تے پھر رہے تھے۔ یہ حالات دیکھ کر حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما نے نتیجہ نکالا کہ حضرت عثمان کا خون رائیگاں جہاں نظر آتا ہے اور قصاص لینے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

ان دونوں حضرات نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے عمرہ پر جانے کی اجازت مانگی۔ آپ نے انہیں اجازت دے دی۔ مدینہ منورہ سے عمرہ کی غرض سے یہ دونوں چلنے والے حضرات مکہ المکرمہ پہنچے۔ وہاں حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو شہادت عثمان رضی اللہ عنہ، خلافت حضرت علی اور دیگر حالات سے مطلع کر دیا۔ پھر مکہ شریف میں کچھ صحابہ کرام کا ایک اجتماع ہوا۔ جس میں شہادت عثمان کے بارے میں غور و خوض کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ مدینہ منورہ میں حالات کے خراب ہونے سے بات یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ قاتلان عثمان سے قصاص لینا ناممکن نظر آتا ہے۔ اور خلیفہ وقت حضرت علیؑ بھی حالات سے مجبور دکھائی دیتے ہیں۔ وہ بھی قصاص لینے سے عاجز ہیں۔ لہذا اس کی صورت یوں ہو سکتی ہے کہ بصرہ جائیں۔ اور اگر وہاں کچھ معاونین و مددگار بنانے میں کامیابی ہو جائے۔ تو پھر قصاص کی کوئی صورت نکل سکے گی۔ اسی پروگرام کو کامیاب بنانے کی خاطر حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما نے سیدہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے درخواست کی کہ اگر آپ ہمارے ساتھ بصرہ تشریف لے چلیں۔ تو مبینوں کا کام دنوں اور دنوں

کا کام منٹوں میں طے ہو جائے گا۔

بصرہ کے لوگ آپ پر جانیں قربان کر دیں گے۔ اس لیے آپ کی تشریف آوری سے اُمت کو ایک عظیم فائدہ حاصل ہوگا۔ اگر ہمارے مقابلہ میں بلوائی مارے گئے۔ تو اُمت میں پیدا شدہ فتنہ کا قلع قمع ہو جائے گا۔ اور ملت اسلامیہ پھر سے ایک مضبوط اور مستحکم بنیاد پر کھڑی ہو جائے گی۔ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنی خلافت کو درپیش خطرات سے نجات مل جائے گی۔ امور خلافت بخیر و خوبی سرانجام پائیں گے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ فیصلہ کرنے میں کوئی روکاٹ محسوس نہ کریں گے۔ یوں پھر سے قوت و شوکت اسلام کا بھرپور مظاہرہ ہوگا۔

یہ تو ان حضرات کا فیصلہ تھا۔ اور ایک طرح کی قاتلان عثمان سے قصاص لینے کی ترکیب تھی لیکن تقدیر اس تدبیر پر خندہ تھی۔ حالات نے ایسا رخ بدلا۔ جس کا ان حضرات کو وہم و گمان بھی نہ تھا۔

دوسری طرف حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنی مجبور یوں پر قابو پانے کی سوچ و سچا میں مصروف تھے۔ انہوں نے جب یہ دیکھا کہ مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے ان بلوائیوں پر قابو پانا بہت مشکل ہے۔ اور شریعت اسلامیہ کے قواعد کے مطابق خلافت کے امور سرانجام دینا بھی بہت مشکل ہے۔ لہذا کیوں نہ ہو۔ کہ مسند خلافت کو مدینہ منورہ کی بجائے کوفہ میں منتقل کر لوں۔ تاکہ وہاں ٹھنڈے دل سے ان حالات پر گرفت مضبوط کرنے کی ترکیب سرچی جائے۔ آخر آپ نے حتمی فیصلہ کر لیا کہ اب مسند خلافت کوفہ ہی منتقل کرنی چاہیے۔ اس ارادہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے جب آپ نے مدینہ منورہ کو چھوڑنا چاہا۔ تو بڑے بڑے صحابہ کرام نے اس کی مخالفت کی۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ ایک ایسا فیصلہ ہے جس میں مسلمانوں کے

مستقل گردید تھے شفا رب سے ملی اور خدا عز و جہ سے انہیں مانہ نہ تھی شک و جہل انہیں بچ رہا ہے۔

لیکن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ میں کسی کی بات نہ مانی۔ اور کوفہ جانے کی مکمل تیاری میں تھے کہ ایک جاسوس آیا۔ اور اس نے بتایا۔ اسے خلیفہ المسلمین حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم مکہ سے بصرہ روانہ ہو چکے ہیں تاکہ وہاں سے ایک بہت بڑا لشکر ساتھ لائیں۔ اور مدینہ پر حملہ کریں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب یہ خبر سنی۔ تو آپ نے سوچا۔ بہتر ہے کہ کوفہ کی بجائے سیدھا بصرہ جاؤں۔ اگر جاسوس کی اطلاع کے مطابق وہ حضرات راستے میں کہیں مل گئے۔ تو انہیں روکنے کی کوشش کروں گا۔ اور اگر میرے بصرہ پہنچنے تک وہ وہیں رہے۔ تو پھر ان سے ملاقات کر کے افہام و تفہیم کی کوئی راہ نکالوں گا۔ لیکن اطلاع کے مطابق یہ بھی احتمال تھا۔ کہ وہ اپنے ساتھ کچھ فوج لے کر آئیں۔ تو اس بنا پر حضرت علی نے بھی حفظاً مقدم کے تحت اپنا لشکر ساتھ لے لیا تاکہ شاید اس کی وجہ سے وہ مصالحت پر آمادہ ہو جائیں۔

مختصر یہ کہ جب آپ نے لشکر کو نیا رہنے کا حکم دیا۔ تو آپ کے مخصوص غلام حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے۔ اور اگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے چند باتیں کی۔ جن کو ایک شیعہ مصنف علامہ دینوری کتاب "الاخبار الطوال" میں یوں نقل کرتا ہے۔

قَالَ إِنَّ أَسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ دَخَلَ كَفَّالًا عَقُوبِي
مِنَ النَّحْرُودِجِ مَعَكَ فِي هَذَا الرَّجُلِ صَانِيًا
حَاوَدَتْهُ اللَّهُ إِلَّا أَتَانِي مَنْ يَشَبُّهُ أَنْ لَا
إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

الاخبار الطوال ص ۱۴۳ مطبوعہ بیروت طبع جدید۔

بیعت علی بن ابی طالب،

ترجمہ :- حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ داخل ہوئے۔ اور عرض کی۔ حضور! مجھے آپ اپنے ساتھ اس معاملہ میں چلنے کی ممانی دے دیں۔ کیونکہ میں نے اللہ رب العزت سے یہ وعدہ کر لیا ہوا ہے کہ کسی کلمہ گو کے خلاف لڑائی نہیں کروں گا۔

اسی طرح ان کے بعد حضرت عقبہ بن عامر بدری رضی اللہ عنہ بھی حاضر خدمت ہوئے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کی۔

وَلَقَاهُمْ عَلَى رَضَى اللَّهِ عَنْهُ يَا الْمَسِيرِ إِلَى
الْعِرَاقِ اجْتَمَعَ أَكْثَرُ أَهْلِ الْأَنْبَارِ فَأَقْبَلُوا حَتَّى دَخَلُوا
عَلَى عَلِيٍّ فَتَكَلَّمَ عَقِبَةُ بْنُ عَامِرٍ وَكَانَ مَبْدَرِيًّا
فَقَالَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِنَّكَ الَّذِي يُنَوِّتُكَ مَنْ
الْمَسْكُونَةِ فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ وَالشَّعْبُ بَيْنَ قَبْرِهِ وَمَنْبَرِهِ أَكْثَرُ
مِمَّا تَرْجُو مِنَ الْعِرَاقِ۔

(الاخبار الطوال ص ۱۴۳)

ترجمہ :- جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عراق کی طرف روانگی کا قصد کیا۔

تو بہت سے معزز انصار آپ کے پاس حاضر ہوئے۔ حضرت عقبہ بن عامر بدری رضی اللہ عنہ نے گفتگو کرتے ہوئے کہا۔ اے امیر المؤمنین! مسجد نبوی میں آپ کی نماز ادا ہونا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اور منبر شریف کے درمیان آنا جانا جو مدینہ رہ کر آپ کی میسر تھا۔ اس کا

جھوٹ جانا اس سے کہیں عظیم ہے جس کی آپ عراق جاکر امید کئے بیٹھے ہیں۔

اس کے بعد کے واقعات کا خلاصہ از الاخبار الطوال

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ صحابہ کرام کی اکثریت میرے ارادہ کے خلاف ہے۔ لہذا آپ نے اپنا عراق جانا ملتوی فرما دیا۔ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ و حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو کوفہ بھیجا۔ جب یہ دونوں حضرات وارد کوفہ ہوئے تو گورنر کوفہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ لوگوں سے خطاب فرما رہے تھے۔ آپ ارشاد فرما رہے تھے: "لوگو! اس وقت امت مسلمہ میں سخت فتنہ پیدا ہو چکا ہے۔ لہذا ہمیں اس بارے میں کسی گروہ کا ساتھ نہیں دینا چاہیئے۔ بلکہ ہمیں اپنی تلواریں توڑ کر خاموشی سے گھروں میں بیٹھ جانا چاہیئے تاکہ ایک مسلمان کا ہاتھ دوسرے مسلمان کے خون سے رنگنے نہ پائے۔"

دورانِ خطبہ یہ دونوں حضرات وہاں پہنچ گئے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری کو خطبہ سے روک کر ایک طرف کر دیا۔ اور خود تمام حاضرین کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شمولیت کی دعوت دی۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے اس کی پرزور تائید کی جس پر لوگوں نے ان کے ساتھ چلنے کو ترجیح دی۔ اور نو ہزار چھ سو ^{۶۵۰} سوار اس کے ساتھ کوفہ سے چل پڑے۔ جب یہ لشکر بصرہ کے قریب پہنچا۔ تو ادھر سے حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی جس لشکر کو لے کر آ رہے تھے۔ مقامِ ذیقاد جو بصرہ کے بالکل قریب تھا۔ وہاں پہنچ گئے۔ دونوں لشکر اکٹھے ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوچ کا اعلان فرمایا۔ امام حسن نے عرصہ کی آبا جان! میں نے آپ سے تین باتیں عرض کی تھیں۔ لیکن آپ نے ایک بھی نہ مانی۔ فرمایا۔ بیٹا۔ وہ باتیں کوئی ہیں؟

امام حسن رضی اللہ عنہ کی وہ تین باتیں جو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کیں

- ۱۔ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کے بعد لوگ آپ کے پاس صبح و شام آ جا رہے تھے۔ اور آپ سے یہ کہہ رہے تھے کہ آپ ہمارے خلیفہ بن جائیں۔ ہم آپ کے ہاتھوں پر بیعت کرتے ہیں۔ تو اباجان! میں نے اس وقت عرض کیا تھا کہ لَا تَسْبِدْهُ حَتَّى يَأْتِيَهُ حُكْمُهُ تَجْمِيعَ النَّاسِ فِي الْأَحْزَاقِ یعنی خلیفہ بننا منظور کریں اور ان کی بیعت نہ لیں۔ جب تک مملکت اسلامیہ کی تمام جوانب و اطراف سے آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا پیغام نہ آجائے۔
- ۲۔ جب آپ معلوم ہوا تھا کہ حضرت سیدہ عائشہؓ طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم مکہ سے بصرہ روانہ ہو چکے ہیں۔ تو اس وقت بھی میں نے آپ کے حضور درخواست کی تھی۔ اَنْ تَرْجِعَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَتَقِيْمَ فِي بَيْتِكَ۔ یعنی آپ مدینہ واپس تشریف لے چلیں۔ اور اپنے گھر قیام فرمائیں۔ لے کیونکہ آپ کے واپس نہ جانے میں مسلمانوں کا باہمی خون خرابہ نظر آتا ہے۔
- ۳۔ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو گھیر لیا گیا تھا۔ تو میں نے عرض کی تھی۔ اَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْمَدِيْنَةِ هَاۤ اَنْ قَتَلَ قَتَلَ وَاَنْتَ غَائِبٌ لَمْ تُعْبَدْ رَاۤ اِیْ بِشَيْءٍ مِّنْ ذٰلِكَ یعنی آپ مدینہ سے کہیں باہر چلے جائیں۔ آپ کی عدم موجودگی میں اگر حضرت عثمان قتل کر دیئے گئے۔ تو ٹھیک ہے شہید ہو گئے (لیکن آپ کو اس قتل میں کوئی ملوث نہ کر سکے گا) لیکن افسوس ہے اباجان! آپ نے ان باتوں میں سے میری ایک بات بھی نہ مانی۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ان تین باتوں

کے متعلق جوابات

- ۱۔ جب حرین شریفین کے تمام مہاجرین و انصار نے میری بیعت کر لی ہے اور جس کے لیے یہ حضرات امر خلافت سپرد کرنے میں راضی ہو جائیں۔ اس کا ماتنا تمام لوگوں پر واجب ہو جاتا ہے۔ لہذا مجھے تمام اطراف و جوانب سے اطاعت کے پیغامات کا انتظار کرنے کی کیا پڑی تھی؟
- ۲۔ جب میں مدینہ سے باہر نکل چکا تھا۔ اور اس کے باوجود مجھے اس بات کا بھی علم تھا کہ امت عنقریب ایک بہت بڑے فتنے سے دوچار ہونے والی ہے۔ تو ایسی صورت میں خاموشی کے ساتھ مدینہ منورہ واپسی دراصل اُمت سے بہت بڑی غداری تھی۔ اس سے اُمت میں اتفاق کی بجائے انتشار بڑھ جاتا۔

- ۳۔ جب حضرت عثمان غنی کا لوگوں نے گھیراؤ کر لیا تھا۔ تو تم نے مجھے یہ مشورہ دیا۔ اس سے قبل اگر کوئی بات ہوتی۔ تو شاید اس پر عمل کرنا آسان ہوتا۔ لیکن گھیراؤ کے بعد۔ فَكَيْفَ اَمْسَكَتَنِي ذٰلِكَ وَحَدَّثَ كَانِ النَّاسُ اَحَاطُوا بِئِيْ كَمَا اَحَاطُوا بِعُمَانَ ايسے وقت میں میرے لیے مدینہ سے نکل جانا کیونکر ممکن تھا۔ جبکہ لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرح میرا بھی گھیراؤ کر لیا تھا۔ میں خود محصور ہو چکا تھا۔

الانخبار الطوال ص ۱۴۳-۱۴۶ فی بیعت علی ابن

ابی طالب (مطبوع بیروت طبع جدید)

صلح کے بعد یہ جنگ قاتلان عثمان کی شرانگیزی کے سبب بلا ارادہ چھڑ گئی تھی

حضرت علی رضی اللہ عنہ بصرہ میں پہنچے۔ تو جانین میں مسلمان ہونے اور اسلام کا در در کھسنے کی وجہ سے گفتگو شروع ہو گئی تاکہ صلح کی کوئی صورت نکل آئے۔ جنگ جبل کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے حمد و ثنا کے بعد جہالت کی بد نخبی اور اسلام کی سعادت کا ذکر کیا۔ اور اُمت کے اتفاق پر اللہ تعالیٰ کے اس انعام کو ذکر فرمایا۔ اور یاد دلایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تین خلفاء کے ذریعہ اُمت کو متفق رکھا۔ اور فرمایا۔ آج ہم جس حادثے سے دوچار ہیں۔ اسے ایک ایسے گروہ نے اُمت پر مسلط کیا ہے۔ جس کا مطلب ہی دنیا طلبی ہے۔ اس اُمت پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کا اس گروہ نے حسد کیا! اسلام کو ختم کرتے کی ٹھانی۔ یہ لوگ زمانہ جاہلیت کو واپس لانا چاہتے ہیں۔ اللہ ہی ہر کام کی انتہا جانتے والا ہے۔

سنو! میں کل مدینہ منورہ واپس جا رہا ہوں تم بھی میرے ساتھ کوہج کرو۔ وہ لوگ میرے ساتھ ہرگز نہ چلیں۔ جنہوں نے حضرت عثمان پر طعن کرنے یا قتل کرنے میں کسی قسم کی اعانت کی۔ ایسے بے وقوفوں کو اپنے نفس پر ملامت کرنی چاہیے۔ جب عبداللہ بن سبار کی پارٹی نے یہ سنا۔ تو ان کے پاؤں سے زمین نکل گئی۔ اور ان کو یقین ہو گیا۔ کہ صلح کا وبال انہی پر ہے۔ اگر یہ صلح تمام ہو گئی۔ تو ان کے قتل پر منتج ہوگی۔ کیونکہ علی قصاص طلب کرنے والوں سے زیادہ عالم ہے اور وہ کتاب اللہ پر عمل کرنے میں بھی ان سے قریب ہے لہذا وہ جلد کتاب اللہ پر عمل کرے گا۔ چنانچہ اس مصالحت کو ختم کرنے کے لیے انہوں نے آپس میں ایک میٹنگ کی۔ جس میں اشتر علیاء بن ہیشتم عدی بن حاتم

سالم ابن عبد شریح ابن اونی شامل تھے عبد اللہ بن سباد نے ہر ایک کا مشورہ سن کر کہا
 "بئس الراعی" تمہاری رائے بُری ہے۔ اور آخر میں اپنا مشورہ دیتے ہوئے یوں
 کہا "اے میری قوم! تمہاری کامیابی اسی میں ہے کہ لوگوں میں مل کر رہو۔ جب لوگ
 ایک دوسرے سے ملیں تو لڑائی برپا کر دو۔ اور ان کو سوچنے کی مہلت ہی نہ دو۔
 تم جس کے ساتھ ہو گے۔ وہ رُک نہیں سکے گا۔ اور یوں اللہ تعالیٰ ظہورِ زبیر علی اور
 ان کے ساتھیوں کو جنگ میں الجھا کر صلح سے غافل کر دے گا۔ اپنی رائے پختہ کر
 لو۔ اور لوگوں کو اس بات کا علم نہ ہونے دو۔

دکال ابن اثیر جلد ۲ ص ۲۳۶ ۲۳۷ مطبوعہ

بیروت ذکر مسیرۃ

تفسیر قرطبی ۱۔

وَقَالَ حُكَّةٌ مِّنْ أَهْلِ الْعِلْمِ إِنَّ الْوَقْعَةَ بِأَبْعَدِ
 بَيْنَهُمْ كَانَتْ عَلَى غَيْرِ عَزِيمَةٍ مِنْهُمْ
 عَلَى الْحَرْبِ بَلْ فُجَاءَةٌ وَقَالَ سَيْبِدٌ دَفَعَ كُلِّ
 وَاحِدٍ مِّنَ الْفَرِيقَيْنِ عَلَى أَنْفُسِهِمْ يَظُنُّونَ
 أَنَّ الْفَرِيقَ الْأَخَرَ قَدْ عَزَدَ بِهِ لَكَ الْأَمْرَ
 كَانَ قَدْ انْتَفَلَ بِبَيْنِهِمْ وَتَمَّ الشُّلُوحُ وَ
 التَّفَرُّقُ عَلَى التَّيْمَانِ فَخَافَ فَتَنَّهُ عِشْمَانُ
 رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مِنَ التَّمَكُّينِ مِنْهُمْ وَالْإِحَاطَةِ
 بِهِمْ فَاجْتَمَعُوا وَتَشَاوَرُوا وَاخْتَفَوْا ثُمَّ
 اتَّفَقَتْ أَرَأَتْهُمْ أَنْ يَنْتَرِفُوا فَرِيقَيْنِ وَ

يَبْدُوْا بِالْحَرْبِ سَحْرَةً فِي الْعَسْكَرَيْنِ وَتَحْتَلِفُ
 اَتِيْلَهُمْ بَيْنَهُمْ وَيُصَيِّحُ الْفَرِيقُ الَّذِي فِي عَسْكَرِ عَلِيٍّ عَدَرَ
 طَلْحَةَ وَالزُّبَيْرُ وَالْفَرِيقُ الَّذِي فِي عَسْكَرِ طَلْحَةَ وَ
 الزُّبَيْرِ عَدَرَ عَلِيٌّ فَتَمَّ لَهُمْ ذَلِكَ عَلَى مَا دَبَّرُوْهُ
 وَكَثَبَتِ الْحَرْبُ فَكَانَ كُلُّ فَرِيقٍ دَاوِعًا لِمَكْرَمَتِهِ عِنْدَ
 نَفْسِهِ وَمَا يَغَايِرُ اِلَّا شَاطِلَةً يَكْدُمُهَا وَهَذَا صَوَابٌ مِنَ
 الْفَرِيقَيْنِ وَطَاعَةٌ لِلَّهِ تَعَالَى اِذْ وَقَعَ الْقِتَالُ وَالْاِيْمَتَانِ مِنْهُمَا
 عَلَى هَذِهِ السَّبِيلِ وَهَذَا هُوَ الصَّحِيْحُ الْمَشْهُورُ وَاللَّهُ اَعْلَمُ

تفسیر قرطبی جلد ۱۰ اسوۃ حجرات ص ۳۱۸ تا ۳۱۹

مطبوعہ قاہرہ طبع مجدد

ترجمہ: اہل علم کے اچھے خاصے طبقہ نے کہا کہ بصرہ میں جنگ غیر ارادی تھی یہ
 تو اپنا ٹک چھڑ گئی۔ اور باوجود اس کے کہ ہر ایک فریق یہ چاہتا تھا کہ
 اپنا دفاع کرے۔ اس نلن پر کہ دوسرے فریق نے دھوکہ کیا ہے۔ کیونکہ
 معاملہ ان دونوں فریقوں کے درمیان سلجھ چکا تھا۔ اور صلح مکمل ہو چکی
 تھی اور یہ کہ رضا مندی کے ساتھ ہر فریق منتشر ہو جائے۔

حضرت عثمان کے قاتلین کو خوف ہوا۔ کہ اس طرح یہ قابو میں آجائیں
 گے۔ اور گھیرے جائیں گے۔ تو یہ اکٹھے ہوئے۔ مشورہ کیا۔ اختلاف
 رائے ہوا۔ پھر اس بات پر سبھی متفق ہو گئے۔ کہ ہم دو حصوں میں بٹ جاتے
 ہیں۔ اور دونوں فوجوں کے درمیان جادوانہ انداز میں لڑائی شروع کر دیتے
 ہیں۔ اور دھڑ دھڑ تیر چلیں گے۔ (لہذا وہ دو حصوں میں منقسم ہو گئے۔ ایک
 فریق حضرت علی کی فوج میں اور دوسرا حضرت طلحہ کی فوج میں جا گھا)

حضرت علی کے لشکر میں گھسنے والے فریق نے شور مچایا کہ طلحہ اور مذہیر وعدہ سے پھر گئے ہیں۔ اور دوسرے فریق نے جو حضرت طلحہ کے لشکر میں تھا۔ شور مچایا کہ حضرت علی نے معاہدہ توڑ دیا ہے۔ اس طرح انہوں نے اپنا داؤ مکمل کیا۔ اور لڑائی بھڑک اٹھی۔ ہر فریق اس مکر کا اپنی طرف سے دفاع کرتا اور اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنے سے ممانعت کرتا رہا۔ اور فریقین کا یہ رویہ صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور باہمی بھلائی کی خاطر تھا۔ اس جنگ کی ابتدا دیوں ہوئی۔ اور ان دونوں گروہوں کا جنگ ذکر کرنے کا اصل یہ تھا اور جنگ کی صورت جو بیان ہوئی۔ یہی مشہور اور صحیح ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

شیعہ تاریخ روضۃ الصفاء سے تفسیر قرطبی اور کامل ابن اثیر کے مضمون کی تائید و توثیق

روضۃ الصفاء :-

دراں چند روز کہ ہر دو فریق در برابر ہم فشتہ بودند از ہر دو جانب اہل صلاح و سداد تردد نموده در اصلاح سعی و اہتمام بنمودند۔ چون قریب بآن شد کہ ہم مصالحت تمثیت پذیرفتہ مادہ وحشت و نزاع بر طرف گردید۔ قتلہ عثمان در شبی کہ روز دیگر اتفاق مقاتلہ افتاد قریب بنا شیر صبح صادق بر باد پایاں عربی سوار شدند۔ و بجانب معسکہ عائشہ تافقن کردند۔ و چون بکفار لشکر گاہ رسیدند دست بتیر انداختن بردند و ازیں حرکت شورش در میان سپاہ پیدا شدہ تصور کردند کہ عساکر نصرت قریب بہ فرمان امیر المومنین بر شجون اقدام نموده اند۔ طلحہ و زبیر چوں بر ایں حال مطلع شدہ گفتند

مادانستہ ایم کہ ابن ابی طالب ہرگز دوست از جنگ باز نہ ارد و خاطر او از خون
 ریختن متبرم و ملول نگردد۔ آنگاہ بہ ترتیب و تجہیز سپاہ پرداختہ ہوج
 عائشہ را کہ بصقارح حدید استحکام دادہ بودند بر شتری قوی سبکی کہ یعلی بن
 امیہ برسم تحفہ جہت او آوردہ بود بار کردند۔ و طائفہ از دیران لشکر بدفع قتلہ
 عثمان مشغول شدہ برایشان حملہ پرورند۔ و آل جماعت بعد از آنکہ جمعہ را گشتند
 و برخی را مجروح ساختند۔ روئی بہزیمیت آوردند۔ و سپاہ عائشہ ارباب
 مکر و حیلہ را تعاقب نمودہ ایشان خود را در میان معسکر ظفر انجام افکندند و آوازہ
 در انداختند۔ کہ ایک طلحہ و زبر شخون آوردند غوغا در میان لشکر ظفر
 افتاب پیدا کردہ گفتند کہ ما را معلوم است۔ کہ از ابن عبداللہ و سپہ عوام جز
 غدر و نقض چمان امرے دیگر توقع نتوان داشت۔ و امیر المومنین علی نیز دل
 بر حرب نہادہ بقسویہ مصفوف و تعبیر لشکر پر داختہ و در میان لشکر نصرت
 انساب حضرت ولایت مآب ہفت علم بود و ہر علمی از آل تعلق با امیرے
 گرفتہ بود۔

(تاریخ روضۃ الصفا، جلد دوم ص ۴۸۴-۴۸۵)

جلد دوم ذکر خلافت امیر المومنین۔ مطبوعہ نوکشتور
 طبع قدیم،

ترجمہ ۱۔ ان چند دنوں میں جبکہ دونوں لشکر آمنے سامنے پڑاؤ ڈالے بیٹھے تھے
 دونوں طرف کے امن پسند اور صلح جو حضرات نے حالات سنوارنے
 میں انتہائی کوششیں کی۔ جب ان کی صلح کی کوششیں بار آور ہوتی نظر
 آئیں۔ اور باہمی جھگڑا اور اجنبیت ختم ہوتے دکھائی دینے لگے حضرت
 عثمان غنی کے قاتلین اس رات جس کے ختم ہونیکے بعد دن میں لڑائی

شروع ہوئی۔ صبح سویرے تیز رفتار عربی گھوڑوں پر سوار ہوئے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لشکر کی طرف تباہی پھیلاتے ہوئے پہنچے۔ جب لشکر کے قریب پہنچے تو تیر اندازی بند کر دی۔ ان کی اس حرکت سے بہت ہنگامہ مچا ہو گیا۔ فوج نے گمان کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فوجیوں نے ان کے حکم سے ہم پر شبنون مارا۔ جب حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہ کو اس حالت کا علم ہوا کہ کہنے لگے۔ ہم جانتے ہیں کہ ابوطالب کے بیٹے حضرت علی نے جنگ سے ہاتھ نہیں اٹھایا۔ اور ان کا دل با ہم خون ریزی سے پریشانی محسوس نہیں کرتا۔ اس کے بعد اپنی افواج کی تیاری میں مصروف ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہودج جو لوہے کی پتروں کے ساتھ مضبوطی سے جڑا ہوا تھا۔ اسے ایک مضبوط اور باریک اونٹ پر رکھ دیا۔ یہ اونٹ مائی صاحبہ کو علی بن امیہ نے بطور تحفہ دیا تھا۔ مائی صاحبہ اونٹ پر بیٹھ گئیں۔ اور فوجیوں میں سے ایک بہادر دستہ حضرت عثمان کے قاتلوں کے خلاف حرکت میں آیا۔ ان پر حملہ کر کے بہت سے آدمیوں کو جان سے مار ڈالا۔ اور کچھ زخمی ہو گئے۔ انہوں نے شکست اٹھائی۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فوج نے ان مکار اور حیلہ بازوں کا تعاقب کیا۔ یہ بھاگتے بھاگتے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں جا گئے۔ اور وہاں جا کر شور مچا دیا کہ دیکھو۔ طلحہ اور زبیر شبنون مار رہے ہیں۔ حضرت علی کے لشکر میں شور مچ گیا۔ لوگوں نے کہا۔ ہمیں معلوم تھا کہ عبد اللہ کا بیٹا (طلحہ) اور عوام کا بیٹا (زبیر) غدر اور وعدہ خلافی کریں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی جنگ کے لیے آمادہ ہو گئے۔ یصفوں کو درست کرنے لگے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں سات آدمی جھنڈا بردار تھے۔ اور ہر جھنڈا

ایک سالہ کے ماتحت تھا۔

اخبار الطوال اور روضۃ الصفا کی عبارات سے

درج ذیل امور ثابت ہوئے

۱۔ جنگ جبل میں شریک دونوں فریق مسلمان تھے۔ ان میں کوئی بھی غیر مسلم نہ تھا۔ اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے عرض کی تھی۔ میں کسی کلمہ گو کے خلاف لڑنے سے معذرت چاہتا ہوں۔ اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔ کہ آپ جس مقصد کے لیے عراق کا رخ کر رہے ہیں۔ اس سے کہیں بہتر مسجد نبوی میں نماز پڑھنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ و منبر سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کرنا ہے۔ کیونکہ وہاں جا کر مسلمانوں کی باہمی خونریزی ہوگی۔ جو کسی صورت بھی اچھی بات نہیں۔

۲۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے جو تین باتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے۔ ابا جان! آپ سمجھتے تھے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت میں ہمارا ہاتھ نہیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم امام حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو حضرت عثمان کی حفاظت پر مامور کیا تھا اور شہادت کی خبر ملنے پر حضرت علی نے ان کے منہ پر طمانچے بھی لگائے تھے۔ مروج الذهب جلد دوم ص ۲۴۵ مگر ان باغیوں سے جب قصاص لینا مشکل ہو گیا۔ تو لوگ یہیں بھی قتل عثمان میں ملوث کرنے لگے۔ حضرت علی نے جواباً فرمایا۔ کہ تم مدینہ چھوڑ کر یہاں سے بھاگ جانے کا مشورہ دیتے تھے۔ میں کیسے بھاگ سکتا تھا۔ جبکہ میں بھی حضرت عثمان کی طرح گھیرے میں لیا گیا تھا۔

۳۔ بصرہ میں دونوں گروہوں میں تقریباً صلح و صفائی ہو گئی تھی۔ لیکن قاتلانِ عثمان نے جب یہ بھانپ لیا کہ اگر آج کی رات بخیر و عافیت گزر گئی تو صبح ہماری نصیر نہیں۔ لہذا انہوں نے ایک سکیم کے تحت دونوں گروہوں میں جنگ کرادی۔ اس جنگ کے لیے کوئی بھی گروہ نہ راضی تھا۔ اور نہ تیار تھا۔ یہ سب کچھ عبداللہ بن سبا کی ناپاک کوششوں کا نتیجہ تھا۔ کامل ابن اثیر نے اس کی وضاحت کر دی۔ اس کے ساتھ ابن اثیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ قاتلانِ عثمان غنی یہ جانتے تھے کہ حضرت علی ہم سے قصاص صرف اس وجہ سے نہیں لے رہے۔ کہ ان کی خلافت کے پاؤں ابھی اتنے مضبوط نہیں۔ جو نئی استحکام ہوا۔ ہماری گروہیں قصاص میں مضور اڑانی جائیں گی۔ کتاب اللہ پر عمل کرنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اولین پروردگار ہے۔

الحاصل :-

جنگِ جمل کا دونوں گروہوں میں سے کسی ایک کا بھی ارادہ نہ تھا۔ بلکہ ایک یہودی (عبداللہ بن سبا) کی سازش تھی۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں میں غلط فہمی ہو گئی۔ حالانکہ دونوں گروہ ایک دوسرے کو مسلمان و مومن سمجھتے ہوئے صلح کے قریب پہنچ چکے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس جنگ میں یہ آیت سنائی تھی۔

وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَفْضَلُ
بَيْنَهُمَا الْحَيَّةُ

و مناقب ابن شراح شرب فی حرب الجمل جلد سوم

۱۵۵ مطبوعہ قم جدیدہ

جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ جس طرح حضرت علی اپنے لشکر و گروہ کو مومن سمجھتے

تھے۔ اسی طرح حضرت طلحہ و زبیر اور ام المومنین حضرت عائشہ کے گروہ کو بھی سون
 سمجھتے تھے۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ آیت مذکورہ کے بارے
 میں آپ کیا فرماتے ہیں۔ فرمایا یہ آیت روان طائفتان من المومنین (۱)
 جنگ جمل کے بارے میں ایک پیشین گوئی تھی۔

(فروع کافی جلد ہشتم ص ۱۸ مطبوعہ تتران طبع جدید)

(الذین خرجوا يوم البصرہ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلاوت آیت اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا اسے
 جنگ جمل کی پیش گوئی فرمانا دونوں اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ جنگ جمل کے
 فریقین مسلمان تھے۔ اور غلط فہمی کی بنا پر جنگ پر اترے۔ ایک دوسرے کو عمدہ شہید
 سمجھتا تھا۔ دوسرا پہلے کو عمدہ خلافت سمجھ رہا تھا۔ لیکن وعدہ خلافت اور نفقہ وعدہ کسی
 جانب سے بھی نہ تھا۔ بلکہ قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ کی چال تھی۔ جس سے رضائی چھڑ گئی
 لہذا یہ جنگ بطور باہمی عداوت و حسد و بغض نہ ہوئی۔ بلکہ خطا و اجتہاد کی وجہ سے
 یہ فوبت آئی۔

(وقاعتہ وایا اولی الابصار)

خطا و اجتہاد کی پرچند کارآمد حوالہ جات از کتب شیعہ۔
 جنگ جمل میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ حضرت طلحہ
 اور حضرت زبیر کی شمولیت اجتہادی خطا کی وجہ سے تھی
 حوالہ نمبر ۱۱ الاخیار الطوال :-

غلط فہمی کی بنا پر جب جنگ چھڑ گئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر
 رضی اللہ عنہ کو بلوا کر یاد دلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری موجودگی میں تم سے
 پوچھا تھا کہ تمہیں علی رضی اللہ عنہ اسے محبت ہے یا تم نے کہا تھا۔ ہاں مجھے علی سے
 محبت ہے۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا۔ ایک دن تیری علی کے ساتھ
 لڑائی ہوگی۔ اور تو غلطی پر ہوگا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ ہاں مجھے یاد آگیا
 اس کے بعد حضرت علی اپنے لشکر کی طرف چلے گئے۔ تو جنگ زور کھڑی ہو گئی۔ پھر اس
 کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سمجھانے پر اپنی اجتہادی
 غلطی کا یوں ازالہ کیا۔

فَقَالَ يَا بَنِيَّ أَنَا مُنْصَرِفٌ قَالَ وَكَيْفَ يَا أَبَتِ قَالَ
 مَا لِي فِي هَذَا الْأَمْرِ مِنْ بَعِيرَةٍ وَقَدْ ذَكَرْتُ فِي
 عَلَيْهِ أَمْرًا قَدْ كُنْتُ عَقَلْتُ عَنْهُ فَإِنْصَرِفْ
 يَا بَنِيَّ مَعِيَ فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ وَاللَّهِ لَا أَرْجِعُ
 أَوْ يَحْكُمُ اللَّهُ بَيْنَنَا فَتَرَكَهُ الزُّبَيْرُ وَمَضَى
 نَحْوَ الْبَصَرَةِ لِيَتَحَمَّلَ مِنْهَا وَيَمْضَى نَحْوَ

الْحَبَّازِ - وَ يُقَالُ إِنَّ طَلْحَةَ لَمَّا عَلِمَ
بِالْغِيَرَةِ: التَّبَيُّرِ هَمَّ أَنْ يَنْصَرِفَ
فَعَلِمَ مَرُّوَانُ ابْنُ الْحَكَمِ مَا
يُرِيدُهُ فَرَمَاهُ بِسَهْمٍ فَوَقَعَ فِي رُكْبَتِهِ
فَتَوَفَّ حَتَّى مَاتَ -

(الانخبار المطول ص ۱۱۰ وقوعہ اجل مطبوعہ بیروت)

طبع جدید

ترجمہ: حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو کہا، بیٹا، میں جنگ لڑنا چھوڑ
کر جا رہا ہوں۔ بیٹا بولا۔ ابا جان! کیونکر؟ کہ مجھے یہ کام نہیں آتا۔ بے شک
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھے ایک بات یاد دلائی۔ جس سے میں ناپل
ہو گیا تھا۔ تو اسے بیٹے! تو بھی میرے ساتھ چل۔ عبد اللہ نے کہا۔ خدا کی
قسم! میں نہیں جاؤں گا۔ یا اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ کرے۔ حضرت
زبیر نے اُسے چھوڑا اور بصرہ کی طرف چل دیئے۔ تاکہ وہاں سے کوئی
سواری مل جائے۔ اور پھر حجاز پہلے جائیں۔

بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو حضرت زبیر کے
جبانے کا علم ہوا۔ تو انہوں نے بھی واپسی کا ارادہ کیا۔ لیکن اس کا حکم
مروان بن حکم کو ہو گیا۔ تو اُس نے ان کے گھٹنے میں تیر مار دیا۔ جو جھجھ گیا۔
اور اتنا خون بہہ نکلا۔ کہ آپ فوت ہو گئے۔

حوالہ نمبر ۲ کشف الغمہ :-

جنگ جمل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زور سے آواز دی۔ زبیر کہاں ہے؟

اسے چاہیے کہ میری طرف آئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آواز میں کر لوگوں نے کہا۔
اے امیر المؤمنین! آپ بغیر صلح ہونے کے زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف جارہے ہیں جبکہ
وہ لوہے سے مسلح ہے (ابن سعد نے مزید نقل کرتے ہوئے لکھا کہ لوگوں نے یہ بھی
کہا۔ وَ اَمَّتْ تَعْرِيفُ شَجَاعَتِهِ قَالَ اِنَّهُ لَيَسَّرُ لِقَاءَ اَيُّهَا۔ یعنی آپ
زبیر کی بہادری کو جانتے ہیں۔ فرمایا۔ وہ میرا قاتل نہیں ہو سکتا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ
نے فرمایا۔ لَيَسَّرَ عَلَيَّ مِثْلَهُ مَا سُرِّيَ یعنی مجھے زبیر رضی اللہ عنہ اسے کوئی
خوف نہیں۔ تو جب حضرت زبیر سسرت علی کے پاس آئے۔ تو آپ نے فرمایا۔ اے
زبیر! تجھے وہ دن یاد ہے۔ جبکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے فرمایا تھا کہ آیا
تجھے علی سے پیار ہے؟ تو نے جواب دیا تھا۔ وَمَا يَنْفَعُنِي مِنْ حُبِّهِ
اَنْفُو اَبْنِ خَسَالَتِي۔ کوئی چیز مجھے ان کی محبت سے روک سکتی ہے۔ جبکہ
وہ میرے ماموں کے بیٹے ہیں۔ تو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے فرمایا۔

وَلَمَّا خُرُجَتْ عَلَيْهِ مَيِّمًا وَ اَنْتَ ظَالِمٌ لَّهٗ؛ فَقَالَ
الرَّبِّيُّ اَللّٰهُمَّ بَلِّغْ وَلٰكِنْ اَنْشَيْتُ قَامًا اِذَا دُكِّرْتُ
لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ فَتَصَدَّقْ عَنْكَ وَ كَوَدَّ كُرْتُ ذَالِكَ
لَمَّا خُرُجْتُ عَلَيْكَ۔

(کشف الغم فی معرفۃ اللہ جلد اول ص ۲۲۱ فی شجاعت)

علیہ السلام مطبوعہ تبریز طبع جدید)

(شرح شیخ البلاغۃ ابن سعد جلد اول ص ۷۷ قول)

فی ذباب طلحہ والذبیح الی المکہ مطبوعہ بیروت

طبع جدید)

(تاریخ یعقوبی جلد دوم ص ۸۲ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

زوجہ تو ضرور ایک دن اس پر خروج کرے گا۔ اور تو اس پر زیادتی کرنے والا ہوگا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا۔ ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں یہ باتیں ہوئی تھیں۔ لیکن مجھے یاد نہ رہا۔ اب جبکہ تم نے مجھے یاد دلادی۔ تو میں آپ کے سامنے سے دروائی کرنے سے واپس جا رہا ہوں۔ کاش کہ آپ نے پہلے یاد دلایا ہوتا۔ تو میں آپ پر خروج ہی نہ کرتا۔

حوالہ نمبر ۳ مروج الذہب :-

جنگ قبل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بنفس نفیس غیر مسلح ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر شریف پر سوار ہو کر نکلے۔ تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو آواز دی۔ میری طرف آئیے۔ حضرت زبیرؓ حضرت علیؓ کے پاس آئے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو پیار و محبت کی نگاہ سے دیکھا۔ اور ایک دوسرے کو گلے لگا لیا۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے فرمایا۔ زبیر! تمہیں وہ دن یاد ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے بنی بیاض میں ملاقات کی۔ آپ گدھے پر سوار تھے۔ تو آپ میرا چہرہ دیکھ کر مسکرائے۔ اور میں آپ کا چہرہ انور دیکھ کر مسکرایا۔ اس وقت تزاریر آپ کے ساتھ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے دریافت کیا تھا۔ تجھے علیؓ سے محبت ہے؟ تو تو نے کہا تھا۔ خدا کی قسم! میں ان سے بہت محبت کرتا ہوں۔ تو آپ نے فرمایا۔ ایک دن تو علیؓ پر چڑھائی کرے گا۔ اور زیادتی تیری ہوگی۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بولے۔ استغفر اللہ! خدا کی قسم اگر تم مجھے پہلے بتا دیتے۔ تو میں کبھی چڑھائی نہ کرتا۔ اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا۔ زبیر! جنگ چھوڑ کر چلا جا۔ جناب! میرے کہا۔ اب جبکہ جنگ چھڑ چکی ہے۔ تمہاری آپس میں تل چکی ہیں۔ ایسے میں نکل کر جانا بڑی شرم کی بات ہے۔ حضرت علیؓ نے کہا۔ پہلے جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ شرم اور آگ تمہارے لیے دونوں اکٹھی ہو جائیں۔ اس پر حضرت زبیرؓ جنگ چھوڑ کر چلے گئے۔ جب ان

کے بیٹے عبداللہ نے پلٹ کر دیکھا تو پوچھا: ابا جان! انہیں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟
فرمایا: بیٹے! حضرت علی نے مجھے وہ بات یاد دلادی جو میں بھول چکا تھا۔ یہ سن کر
آپ کے بیٹے عبداللہ نے بطور طعنہ کہا: بات یہ نہیں۔ بلکہ آپ نبی عبدالمطلب کا نامور
سے ڈر گئے ہیں۔ تو اس بات کا حضرت زبیر نے یوں جواب دیا۔

لَا وَاللّٰهِ وَلَيْكُنِّيْ ذِكْرُتَ مَا اَنْشَأَ نَبِيَّ الدَّهْرِ فَكَاخْتَرْتِ الْعَارَ
عَلَيَّ النَّارِ۔ خدا کی قسم بات وہ نہیں جو تم نے کہی۔ ہاں مجھے ایک بھولی پسری
بات یاد دلائی گئی۔ تمہیں نے شرم کو آگ کے بدلہ پسند کرتے ہوئے جنگ سے
منہ موڑ لیا ہے۔

امرو ج الذهب لمسعودی جلد دوم ص ۳۶۲-۳۶۳

مطبوعہ بیروت طبع جدید۔ ذکر بن علی والذہیر

اشرح منہج البلاغہ ابن حدید جلد اول ص ۷۷

القول فی فرہاب طلحہ مطبوعہ بیروت طبع جدید

”ابن حدید نے یوں لکھا ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اَتَحْتِجُّبُنِيْ
عَلَيَّ حَرْبِهِ اَمَّا عَتِيْ هَذِهِ اَلَا اَحَارِبُہٗ۔ یعنی تو مجھے
حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ پر اکساتا ہے۔ لیکن میں تم کھا چکا ہوں
کہ ان سے نہیں لڑوں گا۔

حوالہ نمبر ۴۴ کامل ابن اثیر:-

قَالُوْا يٰ اَيُّهَا عَرِيْثَةُ هَلْ لَكَ دَلِيْلٌ

بِالتَّقْرِیْبِ؟ قَالَتْ اَنَا مِنْ اَدَلِ النَّاسِ سَالُوْا

مَنْ مَعَنَا فَسِرْتُ مَعَهُمْ فَلَا اَمْرٌ عَلَيَّ

وَادِ إِلَّا سَارَفْنَا عَنْهُ حَتَّى طَرَفْنَا الْحَوَابَّ وَهَرَمَاءَ
 فَتَبَعْتَنَا كِلَابُهُ فَقَالُوا أَيْ مَاءٍ هَذَا؟ فَقُلْتُ
 هَذَا مَاءُ الْحَوَابِّ فَصَرَخَتْ عَائِشَةُ يَا عَلِيُّ
 صَوِّتْهَا وَقَالَتْ إِنَّا لِلَّهِ قَاتِلُ الْبَيْتِ زَجِعُونَ -
 إِنِّي لَهَيْبَتُهُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ يَقُولُ وَعِنْدَهُ نِسَاءٌ كَيْتٌ شَعْرِي
 أَتَيْتُكُمْ تَنْبِسُهَا كِلَابُ الْحَوَابِّ ثُمَّ ضَرَبَتْ
 عَصَاهُ بَعِيرَهَا فَأَنَاخَتْهُ وَقَالَتْ رُدُّوْنِي
 أَنَا وَاللَّهِ صَاحِبَةُ مَاءِ الْحَوَابِّ فَأَنَاخُوا
 حَوْلَهَا يَوْمًا فَلَيْكَةً فَقَالَ لَهَا عَبْدُ اللَّهِ
 ابْنُ التَّرْبِيزِ إِنَّهُ كَذِبٌ وَلَمْ يَزَلْ بِهَا وَهِيَ
 تَمْتَنِعُ فَقَالَ لَهَا النَّجَّاءُ النَّجَّاءُ قَدْ أَدْرَكَكُمْ
 عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ فَادْرُكُوا نَحْنُ الْبَصَرَةُ -

والکامل فی التاریخ لابن الاثیر جلد سوم ص ۲۱

ذکر ابتدا و قضاہ الجبل مطبوعہ بیروت جدید

ترجمہ: حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم جب
 مکہ سے روانہ ہوئے تو قبیلہ عریضہ کا ایک آدمی بلا۔ اس سے پوچھا گیا
 کہ تمہیں یہ راستہ آتا ہے۔ وہ بولا میں نے کہا۔ مجھ سے بڑھ کر اس راستہ
 کا جاننے والا کون ہو گا؟ ان سب نے کہا۔ پھر ہمارے ساتھ چلو۔ میں
 چل پڑا۔ راستے میں جس وادی سے گذرتے۔ مجھے اس کے متعلق پوچھتے
 میں بتا دیتا یہاں تک کہ ہم "حواب" پہنچے۔ یہ ایک پانی کا چشمہ تھا۔ تو

وہاں کے کتوں نے ہم پر بھونکنا شروع کر دیا۔ پوچھا یہ کونسا پانی ہے۔
 میں نے کہا۔ حواب کا چشمہ ہے۔ یہ سن کر حضرت عائشہ نے زوردار چیخ ماری۔
 اور انا اللہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ اور فرمانے لگیں۔ میں آگے نہیں جاؤں گی
 کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کتے سنا تھا۔ اس وقت
 دوسری ازواج مطہرات بھی موجود تھیں۔ کاش میں جان بٹا کر تم میں سے
 کس پر حواب کے کتے بھونکیں گے۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے
 اپنے اونٹ کے پاؤں باندھ کر بٹھا دیا۔ اور فرمایا۔ مجھے واپس بھیج دو۔
 خدا کی قسم! میں ہی صاحب حواب ہوں۔ لوگوں نے ان کے ارد گرد
 اونٹ بٹھا دیئے۔ ایک دن رات گزر گیا۔ تو عبداللہ بن زبیر نے کہا۔
 راستہ بتانے والے نے نام غلط بتایا ہے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا سے یہی
 کتے رہے۔ اور وہ منع کرتی رہیں۔ حضرت عبداللہ نے کہا۔ جلدی کیجئے
 ایسا نہ ہو کہ کہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ تمہیں آلیں۔ اس کے بعد انہوں
 نے کوچ کیا۔ اور جانب بصرہ روانہ ہو گئے۔

حوالہ نمبرہ مناقب آل ابی طالب :-

فَتَقَدَّمَ تَحَايَشَةً إِلَى الْحَوِثِ وَهُوَ مَاءٌ نَسِيبٌ
 إِلَى الْحَوِثِ يَنْتِ تَحْكِيْبُ بْنُ وَبَرَةَ فَصَاَتَ يَلَا بَهَا
 فَقَالَتْ إِنَّا بِلَيْهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ رُدُّوْنِي - ذَكَرَ
 الْأَعْمَشُ فِي الْقُشُوحِ وَالْمَأْوِزِ فِي أَعْلَامِ
 التَّبَوُّةِ وَشِيرِ وَيْهِ فِي الْمَرْدَرِ وَأَبُو يَعْفَى
 فِي الْمُسْتَدْرِ وَابْنُ مَرْدَوِيَّةٍ فِي فَضَائِلِ أُمَيْرِ

الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ فِي الْأَرْبَابِينَ وَالشَّعْبِ وَالشَّعْبِ
وَسَالِمِينَ إِلَى الْجَدِيدِ فِي أَحَادِيثِهِمْ وَأَبْلَدَ دَرَجَاتِهِ
وَالطُّبْرِ فِي تَارِيخِهَا أَنْ عَاقِبَتَهُ لَعَنَ سَمِعَتْ
نَبَاحَ الْكِلَابِ قَالَتْ أَيْ مَا هَذَا فَقَالُوا الْحَرْبُ
قَالَتْ إِنَّا نَأْتِيهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ إِنِّي كَلِمَتُهُ فَدَدَ
سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدَهُ
يَسَاءٌ لَا يَقُولُ كَيْتَ شَعْرَةٍ أَتَيْتُكَ تَنْبَحُهَا كِلَابُ الْحَوْثِ
وَفِي رِوَايَةِ الْمَاوَرِدِيِّ أَتَيْتُكَ صَالِحَةً الْجَدِيدِ
الْأَرِيْبِ تَخْرُجُ فَتَنْبَحُهَا كِلَابُ الْحَوْثِ يُقْتَلُ مِنْ
بَيْنِهَا وَيَسَارُهَا قَتْلَى كَثِيرٌ وَتَنْجُو بَعْدَ مَا كَادَ تَلْتَدُ

مناقب آل ابی طالب جلد سوم ص ۴۹۹ فی حرب اہل

مطبوعہ قم طبع جدید

مروج الذهب للمسعودی جلد دوم ص ۳۵

ذکر الاخبار عن یوم الجمل مطبوعہ بیروت طبع جدید

ترجمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا "حرب" پی پی پی سیہ حرب بنت کعب بن
دبرہ نامی لڑکی کی طرف منسوب ہے۔ اس کے کہنے ان پر بھونکے تو حضرت

عائشہ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ اور فرمایا۔ مجھے واپس بھیج دو۔

اعظم نے فتوح میں، ماوردی نے اعلام النبوة میں، شیرویه نے فردوس

میں، ابویعلیٰ نے مسند میں، ابن مردودیه نے فضائل امیر المؤمنین میں، موثق

نے اربعین میں، شعبی، شعبی اور سالم بن ابی جعد نے اپنی اپنی احادیث میں

اور بلاذری و طبری نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا۔ کہ جب حضرت عائشہ رضی

اللہ عنہما نے وہاں کتوں کے بھونکنے کی آواز سنی تو پوچھا کونسا پانی ہے؛
لوگوں نے کہا حوثب۔ مائی صاحبہ نے اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ اور
کہا میں بھول گئی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا۔ اس
وقت دیگر ازواج مطہرات بھی بیٹھی تھیں۔ فرمایا کاش مجھے پتہ چل
جائے کہ تم میں سے کس پر حوثب کے کتے بھونکیں گے؟ ماوردی کی
روایت میں ہے کہ حضور نے فرمایا۔ کاش مجھے پتہ ہوتا۔ کہ تم میں سے کون
ہے جو بہترین اونٹ پر سوار ہو کر نکلے گی۔ پھر اسی پر حوثب کے کتے
بھونکیں گے۔ اس کے دائیں بائیں کثیر تعداد میں مقتول ہوں گے۔ اور
قتل ہوتے ہوتے وہ پنج جانے گی۔

حوالہ نمبر ۲ تاریخ یعقوبی:

وَمَرَقَوْمٌ فِي اللَّيْلِ يَمَاءٍ يُقَالُ لَهُ مَاءُ الْحَوَابِ
فَبَرَحَتْهُمْ كِلَابٌ فَقَالَتْ عَائِشَةُ مَا هَذَا
الْمَاءُ؟ قَالَ بَعْضُهُمْ مَاءُ الْحَوَابِ قَالَتْ
إِنِّي لَأَبْلُغُ وَإِنِّي إِلَيْهِ رَاجِعُونَ. رَدُّوْهُ! هَذَا
الْمَاءُ الَّذِي قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لَتَمُرَّ فِي السَّيِّءِ بَرَحْتُكَ كِلَابُ الْحَوَابِ فَاتَّاهَا
الْقَوْمُ يَا زَبْعَيْنَ رَجُلًا فَاقْسَمُوا يَا اللَّهُ إِنَّهُ لَيْسَ
بِمَاءٍ الْحَوَابِ

(تاریخ یعقوبی مصنفہ محمد بن ابی یعقوب شیعہ
جلد دوم ص ۱۸۱ خلافت امیر المومنین علی ابن ابیطالب

مطبوعہ بیروت طبع جدید

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا گروہ رات کے وقت "ماد الحواب" نامی جگہ سے گذرا۔ تو وہاں کے کتے بھونکے۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے پوچھا۔ یہ پانی کونسا ہے؟ بعض نے کہا اسے "ماد الحواب" کہتے ہیں۔ تو کہنے لگیں۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ مجھے واپس بھیج دو۔ یہ وہ پانی (جگہ) ہے جس کے بارے میں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ تو وہ عورت نہ بننا۔ جس پر حواب کے کتے بھونکیں گے۔ پھر اس گروہ میں سے چالیس مرد اللہ کی قسمیں اٹھاتے ہوئے کہنے لگے۔ یہ ماد الحواب نہیں ہے۔

مذکورہ عبارات سے چند امور واضح ہوئے:

- ۱۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے درمیان خاندانی نسبت بھی تھی۔ (ایک دوسرے کے ماموں زاد اور چھوچی زاد بھائی تھے) اسی طرح ان کی باہمی محبت بھی ایک حقیقت تھی۔ یہی وجہ تھی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت زبیر سے پوچھا۔ کچھ علی سے پیار ہے۔ تو انہوں نے جواباً عرض کیا۔ کیوں نہیں۔ وہ تو میرے ماموں زاد بھائی ہیں۔
- ۲۔ ان دونوں کی محبت وقتی نہ تھی۔ اور نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک محدود تھی۔ بلکہ تادمِ آخر ان کی محبت ایمانی قائم تھی۔ جنگِ جمل میں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر کو گولیا دیا۔ تو دونوں کا ایک دوسرے کو محبت کی نظر سے دیکھنا اور معاف کرنا اسی دائمی محبت کی علامت تھی۔
- ۳۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ قاتلانِ عثمان کے بارے میں ایک سخت گیر رویہ پر

قائم تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر ان سے قصاص نہ لیا گیا تو ایک بہت بڑا شرعی جرم ہوگا۔ لہذا حضرت علی رضی اللہ عنہ اگرچہ وقتی طور پر اس کے لیے تیار نہیں۔ مگر ان قانون کو ڈھیل دینا بہت بڑا نقصان ہو سکتا ہے۔ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا قانون ڈھیل پڑ جائے گا۔ آپ نے سخت رائے کی وجہ سے بصرہ کا سفر کیا لیکن جب جنگ جمل کے دوران حضرت علی المرتضیٰ نے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بات یاد دلانی۔ تو انہوں نے اپنی اجتماعی غلطی سے رجوع کر لیا۔ اور میدان جنگ سے چلے گئے۔ گویا اپنی رائے کے مقابلہ میں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اہمیت دی۔ حتیٰ کہ اپنے حقیقی بیٹے عبداللہ کی باتوں کی بھی پرواہ نہ کی۔

۴۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت علی المرتضیٰ سے حدیث رسول سنی۔ تو استغفار پڑھی۔ اور قسمیہ کہا۔ کہ اگر مجھے یہ حدیث یاد ہوتی تو میں لڑائی کے لیے ہرگز نہ نکلتا۔

۵۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جب میدان جنگ سے جانے لگے۔ تو بیٹے عبداللہ نے پوچھا۔ میں چھوڑ کر کدھر جا رہے ہیں؟ فرمایا۔ حضرت علی نے مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث یاد دلادی۔ اس سے میں اب لڑ نہیں سکتا۔ بیٹے نے ذرا جذبات کو ابھارتے کی خاطر طنزاً کہا۔ بنی عبدالمطلب کی تلواریں آپ کو ڈرا رہی ہیں۔ اس لیے بھاگے جا رہے ہیں۔ فرمایا۔ یہ بات نہیں۔ مجھے اس شرم سے کہ لوگ کہیں زبیر بھاگ گیا۔ اُس آگ کا زیادہ خطرہ ہے۔ جو دوزخ میں تپ رہی ہے۔

۶۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اجتماع فرمایا۔ کہ ممکن ہے میں بصرہ جاؤں۔ اور وہاں سے رسول اللہ کی نسبت کی وجہ سے مجھے بھاری

مکمل مل جائے تاکہ میں قاتلانِ عثمان سے قصاص لینے پر قادر ہو جاؤں۔ لیکن آپ نے جب دورانِ سفر ”ماہِ الحواب“ پر کتوں کے بھونکنے کی آواز کی سنیں۔ تو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اور اتنا اللہ و اتنا الیہ راجعون پڑھا۔ شیعہ سنی دونوں کی کتب میں مذکور ہے کہ مائی صاجر نے کہا۔ میں بھول گئی۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ازواجِ مطہرات کی موجودگی میں جوبات کہی تھی۔ آج مجھے وہ حقیقت بن کر سامنے نظر آرہی ہے۔ لہذا حضرت عائشہؓ نے بھی اپنی اجتہادی غلطی سے رجوع کر لیا۔ اور واپسی کا مکمل ارادہ کر لیا۔ لیکن چالیس آدمیوں کے قسیمہ بیان سے کہ یہ جگہ حواب نہیں۔ آپ نے قصدِ سفر کر لیا۔

الحاصل؛

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت ابھی مستحکم نہ ہوئی تھی۔ جس کی وجہ سے قاتلانِ عثمان غنی سے قصاص لینے میں آپ نے کچھ دیر انتظار کرنے کو کہا۔ ادھر حضرت طلحہ اور زبیر اسی بارے میں سخت راسخ رکھتے تھے۔ نگہ گئے۔ وہاں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کو تمام واقعات سے باخبر کیا۔ یہ تینوں ایک نیک ارادہ سے کہ بصرہ روانہ ہونے تاکہ وہاں سے کچھ افرادی قوت جمع کر سکیں۔ اور حضرت علی کی خلافت کی کمزوری جس امر میں اڑے آرہی ہے۔ اُسے پورا کر دیا جائے۔ گویا ان تینوں کا سفر نیک تھا۔ اور حضرت علی کی امداد کی خاطر تھا۔ لیکن ان کو دورانِ سفر جب اپنی اپنی اجتہادی غلطی کا احساس ہوا تو فوراً رجوع کر لیا۔ لہذا معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ابتداء ہی حق پر تھے۔ اور یہ تینوں حضرات شروع میں اپنے اجتہاد کے پابند تھے جب انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ تو فوراً استغفار پڑھ لی۔ اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان تین حضرات کے مابین کوئی عناد و عداوت نہ تھی۔ محض ایک فکری اختلاف

تھا۔ جس سے رجوع کر لیا گیا۔ اور اجتہادی غلطی قابل مواخذہ نہیں ہوتی۔ یہی شیعوں سب کا متفقہ عقیدہ ہے۔ اس لیے جنگ جمل میں شریک ہونے والے دونوں گروہ مسلمان تھے۔ اور جنتی تھے۔ ماسوا ان کم بختوں کے جنہوں نے حضرت عثمان کو شہید کیا۔ اور پھر جہاد کی سب سے جنگ جمل میں بھی اپنا گھناؤنا کردار ادا کر کے دو مسلمان جماعتوں کو باہم عکرا دیا۔

شہادت طلحہ و زبیر (رضی اللہ عنہما) پر حضرت علی المرتضیٰ
کا ان کے بارے میں حسن ظن و حسن اعتقاد
الانخبار الطوال وغیرہ :-

وَقَامَ الزُّبَيْرُ فِي الصَّلَاةِ فَلَمَّا سَجَدَ حَمَلَ
عَلَيْهِ عُمَرُ وَبِالسَّيْفِ فَضْرَبَهُ حَتَّى قَتَلَهُ
وَأَخَذَ دُرْعَتَهُ وَسَيْفَهُ وَخَرَسَتُهُ وَأَقْبَلَ حَتَّى
آتَى عَلِيًّا وَهُوَ وَاقِفٌ وَالنَّاسُ يَجْتَلِدُونَ بِالسَّيْفِ
فَنَالَتْنِي السَّلَاحَ بَيْنَ يَدَيْهِ فَلَمَّا نَظَرَ عَلِيٌّ رَضِيَ
اللَّهُ عَنْهُ إِلَى السَّيْفِ قَالَ إِنَّ هَذَا السَّيْفَ
طَالَمَا خَرَجَ بِهِ صَاحِبُهُ الْكَرْبَ عَنْ وَجْهِهِ
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبَشَّرَ بِيَا
فَنَاتِلُ ابْنِ صَفِيَّةَ بِالنَّارِ فَقَالَ عُمَرُ وَنَقُتِلُ
أَعْدَاءَكُمْ وَتُبَشِّرُونَنَا بِالنَّارِ -

(الانخبار الطوال مصنف احمد بن داؤد و بیہقی ص ۱۴۹)

مطبوعہ بیروت طبع جدید

تاریخ دروغۃ الصفاء جلد دوم ص ۳۹۷ مطبوعہ

لو کشور کھنڈ۔ طبع قدیم

ابن حدید شرح نہج البلاغہ جلد اول ص ۹۷

فی قتل زبیر۔ مطبوعہ بیروت طبع جدید

مروج الذهب للمسعودی جلد ۲ ص ۳۰۲

مطبوعہ بیروت طبع جدید

ترجمہ: حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نماز پڑھنے کھڑے ہوئے۔ جب سجدہ میں گئے۔ تو عمرو نے تلوار کے ذریعہ آپ پر حملہ کر دیا۔ حتیٰ کہ آپ کو شہید کر دیا اور آپ کی زبرد، تلوار اور گھوڑا لے کر حضرت علی کے پاس آگیا۔ حضرت علی اس وقت کھڑے تھے۔ اور جنگ جاری تھی۔ حضرت زبیر کے ہتھیار حضرت علی کے سامنے لاٹاے۔ جب حضرت علی نے حضرت زبیر کی تلوار دیکھی۔ تو کہا۔ یہ وہ تلوار ہے جس کے ذریعہ اس تلوار والے نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی تکالیف دور فرمائیں۔ اس کے بعد حضرت علی نے اس قاتل عمرو کو مخاطب کر کے فرمایا۔ تجھے جہنم کی آگ مبارک ہو۔ کہنے لگا۔ حضور۔ ہم آپ کے دشمنوں کا صفایا کریں۔ اور آپ ہمارے حق میں جہنم کی آگ کی بشارت دیں۔

ابن حدید:-

قَالَ وَاللَّهِ مَا كَانَ ابْنُ صَفِيَّةَ بَعْبًا نَا وَلَا لَيْثِيًّا ۔
ابن حدید شرح نہج البلاغہ جلد اول ص ۹۷

مطبوعہ بیروت طبع جدید

ترجمہ: جب قاتل نے حضرت زبیر کا سر انور لاکر حضرت علی کے سامنے رکھا۔ تو آپ نے فرمایا: بخدا کی قسم! ابن صفیہ (زبیر) نہ تو بزدل تھا۔ اور نہ ہی ملعون تھا۔

روضۃ الصفاء :-

نقل است کہ چون طلحہ از رفتن زبیر آگاہ شد او نیز آہنگ ال کرد کہ از موافقت عائشہ تخلص نموده بگوشہ رود۔ مروان بن الحکم برای حال مطلع شد و این قضیہ علاوہ بکینیہ ویرینہ او کہ از قتل عثمان در خاطر داشت گردید و برمی سہمی پائے او در رکاب بدوخت و از زخم طلحہ چندال خون رفت کہ سست شد۔ و بنا بر آنکہ خود را بر بالائے اسپ محافظت نموانست نمود غلامی را فرمود تا روایت او گشتہ نشست اورا در کنر گرفته و صفت بر طلحہ استیلا دیافہ غلام را گفت مرا بشہر بزرگ من ازین زخم جان نخواہم برد غلام بواسطہ ناتوانی طلحہ پیش از آنکہ او را بشہر رساند بخرابہ فرو د آورد۔ و مقدار این حال چشم طلحہ سواری افتاد اورا پیش خود طلبیدہ و پرسید کہ از کدام فریقے آن سوار جواب داد کہ لشکر علی بن ابی طالب طلحہ گفت دست خویش بدست من دہ تا بیعت امیر المؤمنین علی علیہ السلام مجدد سازم آن شخص طلحہ مبذول داشت۔ تا بیعت کرد۔ بعد از انقضائے مدت پیمان مرغ روح طلحہ بکنگرہ عرش پرواز نمود و چون لشکر صورت واقعہ را معلوم رائے مقدس امیر المؤمنین علی گردانیدند۔ فرمود باری سبحانہ و تعالیٰ انخواست کہ طلحہ را از بیعت من معزایہ بہشت در آورد۔

(تاریخ روضۃ الصفاء۔ جلد دوم ص ۶۷ ذکر خلافت)

امیر المومنین۔ مطبوعہ نو کشور لکھنؤ۔ طبع قدیم)

ترجمہ: منقول ہے کہ جب حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے چلے جانے کی خبر ملی تو وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ساتھ دینے سے علیحدگی اختیار کر کے ایک طرف ہو گئے۔ جب مروان بن الحکم کو اس بات کا علم ہوا تو اس واقعہ کے علاوہ ایک دیرینہ کینہ جو کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قتل کے سلسلہ میں تھا اس کی بنا پر اس نے حضرت طلحہ کے پاؤں پر تیر مار کر گھوڑے کی رکاب کے ساتھ پاؤں کو ہسی دیا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے زخم سے بہت زیادہ خون بہنے کی وجہ سے آپ کمزور ہو گئے۔ اس وجہ سے کہ آپ گھوڑے کی پشت پر خوجم کرتے بیٹھ سکتے تھے آپ نے اپنے غلام کو اپنے پیچھے گھوڑے پر بٹھایا تاکہ اس کے ساتھ اپنی پشت کو سہارا دے سکیں۔ جب کمزوری اور بڑھ گئی تو غلام کو فرمایا مجھے شرے چلو۔ میں اس زخم سے جانبر نہ ہو سکوں گا۔ غلام نے آپ کی زیادہ کمزوری کی بنا پر بجائے شر کے ایک ویرانے میں اتار دیا۔ اسی حالت میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی نظر ایک سوار پر پڑی۔ اُسے اپنے پاس طلب کیا۔ اور پوچھا کس گروہ سے تمہارا متعلق ہے؟ اُس سوار نے کہا حضرت علی بن ابی طالب کے لشکر سے متعلق ہوں۔ جناب طلحہ نے اُسے کہا اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دو۔ تاکہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں تمہارے ہاتھ پر تجدید بیعت کروں۔ اس شخص نے حضرت طلحہ کی درخواست منظور کر لی۔ اور انہوں نے بیعت کر لی۔ کچھ وقت گزرنے پر حضرت طلحہ کی روح عرش کی بندہ یوں کو پرواز کر گئی۔ اور جب لشکر نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سامنے یہ واقعہ پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ

نہ چاہا کہ طلحہ کو میری بیعت کے بغیر جنت میں داخل کرے۔

مروج الذهب :-

فَقَالَ اَسَدٌ تَغْفِرُ اللّٰهُ شَكَرَ رَجَعَ فَقَالَ مَرْوَانُ بَنُ
الْحَكَمِ رَجَعَ الزُّبَيْرُ وَيَرْجِعُ طَلْحَةُ مَا اَبَا بِي رَمِيَتْ
هَاهُنَا اُمُّ هَيْبَةَ قَوْمَاهُ فِي الْخَلِيفَةِ فَقَتَلَهُ فَمَرَّ بِهِ
عَلَيْهِ بَعْدَ الْوُقْعَةِ فِي مَوْضِعِهِ فِي قَنْطَرَةٍ قَوَّةٍ
فَوَقَفَ عَلَيْهِ فَقَالَ اِنَّا بِلَهُ وَارِنَا اِلَيْهِ رَا جُحُونَ - وَ
اللّٰهُ لَتَدُ كُنْتَ كَارِهًا لِهَذَا اَنْتَ وَذَكَرَ
اَنَّهُ طَلْحَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَمَّا وَلِيَ سَمِعَ وَهُوَ يَقُولُ
تَدَامَةً مَّا كُنْتُ مِنْتُ وَصَلْتُ خُلُمِي وَكَفَعْنِي شَقَّ
لَهْفًا اِنِّي وَ اُنْتِي - وَهُوَ يَمْسَحُ بَحَنَ بَجُونِهِ
اُنْتَبَارَ وَ يَقُولُ (وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا اَمْتَدُوْا)

امروج الذهب مسعودی جلد دوم ص ۳۶۵ ذکر

موقعة الجمل بطبوع مبروت طبع جدید

ترجمہ :- جنگ جمل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر کو سمجھایا۔ تو انہوں
نے دلائی سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ پھر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو حدیث
رسول صلی اللہ علیہ وسلم یاد دلائی۔ تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو اپنی غلطی کا
احساس ہو گیا۔ اور فرمایا، میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور
یہ کہہ کر میدان جنگ سے پلٹ آئے۔ اس پر مروان بن الحکم نے کہا زبیر
چلا گیا۔ اور طلحہ بھی جا رہا ہے۔ مجھے کچھ پرواہ نہیں کہ میں جہاں چاہوں اُسے

اختیار کر لی۔ جس پر مروان بن حکم نے انہیں تیر مار کر شہید کر دیا۔ پھر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے واسطے ان کے لشکر کے ایک سپاہی کے ہاتھ پر حضرت طلحہ نے شہید ہونے سے قبل تجدید بیعت کی۔ تو حضرت علی نے اس واقعہ کی اطلاع کے بعد فرمایا کہ اللہ نے حضرت طلحہ کو جنت میں داخل کرنے میں ایک سعادت انہیں یہ بھی عطا کر دی کہ وہ میری بیعت کر کے جنت میں داخل ہوئے۔ یعنی وہ جنتی ہیں۔ ۳۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جناب طلحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں صفا فرمایا کہ طلحہ ارادہ جنگ سے نہیں آیا تھا۔ بلکہ قاتلان عثمان سے قصاص لینے کا مطالبہ انہیں اس طرف سے آیا تھا۔

۴۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے آخری لمحات اپنے اور پندامت کے اُنسو بہائے اور اپنی دانائی و بے صبری کا رونا روایا۔ لیکن تقدیر خداوندی کے سامنے کسی کا کوئی بس نہیں چلتا۔ لہذا جبر ہوتا تھا۔ وہ ہو کر رہا۔

الحاصل:

عبارات مذکورہ سے یہ ثابت ہوا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما یکے مسلمان اور جنتی تھے۔ اور ان حضرات کے درمیان اختلاف کوئی ذاتی نہ تھا۔ بلکہ ایک اجتماعی اختلاف تھا۔ اور اس اختلاف کے نتیجہ میں جو کچھ رونما ہوا۔ وہ تقدیر الہی تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے قاتل کو جو جہنمی ہونے کی بشارت دی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ایک مومن کا قاتل (عدا ہی جہنمی ہوتا ہے۔ اور یہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس قاتل کے بارے میں پیش گوئی تھی۔ اور جو بعد میں حرف بھرن پوری ہوئی۔ صاحب "روضۃ العفا" نے لکھا ہے۔

”دور یعنی تواریخ بنظر رسیدہ کہ چوں حضرت امیر المومنین علیؑ، عمرو ابنا الجمیم
تو عید نمود، عمرو از غایت جہن و غضب شمشیر بر شکم خود نواہ زور کرد تا از
پشت بیرون آمد۔“

یعنی جب حضرت علی رضی اللہ عنہ قاتل زبیرؓ عمرو کو دوزخ کی آگ کا ڈر ادا دیا تو انسانی
بزدلی اور غصہ میں اگر مذکور عمرو نے تلوار کو اپنے پیٹ پر رکھ کر اس زور سے دمایا کہ وہ
پشت سے باہر نکل گئی۔ (اور مر گیا) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پھر خود بھی حضرت طلحہ
رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ فرمانا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں میری بیعت سے مشرف
بنا کر جنت میں داخل فرمایا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے جنتی ہونے کا صاف اقرار ہے
لہذا معلوم ہوا کہ حضرت زبیر و طلحہ رضی اللہ عنہما دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک
جنتی تھے۔

حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما بالاتفاق جنتی ہیں

گذشتہ اوراق میں آپ نے جنگ جمل کا پس منظر دیکھا۔ اس جنگ میں جہاں
ایک طرف حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے سردار تھے۔ وہاں دوسری
طرف حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما اپنے لشکر کے سردار تھے۔ جس طرح حضرت علی
رضی اللہ عنہ بلا شک جنتی ہیں۔ اسی طرح حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کے جنتی ہونے
میں کوئی شک نہیں۔ اور جو شخص ان کے جنتی ہونے میں شک کرتا ہے۔ وہ خود جنتی
نہ ہوگا۔ کیونکہ ان حضرات کی اسلام میں اس قدر گراں قدر خدمات ہیں۔ کہ ان میں سے
ہر ایک خدمت کا صلہ جنت ہو سکتی ہے۔ یہی وہ حضرات ہیں۔ کہ جن کے بارے
میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیتے جاگتے انہیں جنتی فرما دیا تھا۔ عشرہ مبشرہ
میں یہ دونوں بھی داخل ہیں۔ آئیے خود شیخ مصنف سے اس کی وضاحت سنیں۔

طَنَهُ أَحَدَ الْعَشْرَةِ الْمَشْهُورِ لَهُمْ بِالْبَغَاةِ وَ
 أَحَدًا صَحَابِ الشُّورَى وَكَانَ لَهُ فِي الدِّفَاعِ
 عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ أُحُدٍ أَشْرٌ
 يُدْعَى وَتَسَلَّتْ بَعْضُ أَصَابِعِهِ يَوْمَئِذٍ وَفِي رَسُولِ
 اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَئِذٍ مِنْ سَيِّئِ الْمَشْرِكِينَ
 وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَئِذٍ
 الْيَوْمَ أَوْجِبَ طَمَعَةُ الْجَنَّةِ -

وَالزَّيْبِيُّ هُوَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ الزَّيْبِيُّ بْنُ الْعَوَّامِ بْنِ
 أَسَدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ قَسِيٍّ أُمِّيَّةٌ صَفِيَّةٌ بَيْتُ
 عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ هَاشِمٍ بْنِ عَبْدِ مَنَافٍ عَلَيْهِ رَسُوْلُ
 اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ أَحَدُ الْعَشْرَةِ أَيْضًا
 وَأَحَدُ السِّبْغَةِ وَتَبَّتْ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ أُحُدٍ وَآبِلَى بِلَاءً حَسَنًا وَقَالَ
 النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَئِذٍ حَارِيٌّ
 وَكَوَارِيٌّ الزَّيْبِيُّ -

ابن ابی حدید شرح شیخ البلاغۃ جلد اول صفحہ القول

فی نسب طلحہ وزیر بطولہ بیروت طبع جدید

ترجمہ: حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ان دس خوش قسمت صحابہ کرام میں سے ایک ہیں۔

جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں ہی جنتی ہونے کی بشارت

دی تھی۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب مشورہ بھی تھے۔ غزوہ اُحد

میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع میں ان کی نمایاں خدمات ہیں۔

مشرکین کی تلواروں کو حضور پر پڑنے سے روکتے ہوئے ان کے ہاتھوں کی کچھ انگلیاں اُس دن بے کار ہو گئی تھیں۔ اور غزوہ اُحد کے دن ان کے بارے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا تھا۔ آج طلحہ پر جنت واجب ہو گئی۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ۔ ابو عبد اللہ الزبیر بن العوام بن خویلد بن اسد بن عبد العزی بن قصی ہیں۔ ان کی والدہ کا نام صفیہ بنت عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف تھا۔ یہ (ان کی والدہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی بھینسی تھیں۔ حضرت زبیر بھی ان دس خوش نصیب حضرات میں سے ایک تھے۔ جنہیں ظاہری زندگی میں جنتی ہونے کی حضور نے بشارت دے دی تھی۔ اور غزوہ اُحد میں بھی شدت کے وقت حضور کے ساتھ رہے۔ اور عظیم تکلیفیں برداشت کیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہر نبی کا حواری ہوتا ہے۔ اور میرا حواری ازبیر ہے۔



باب ہفتم

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر کیے گئے تشیعہ مطاعن

طعن اول

امام ابراہیم حقینیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جنگ کرنے کی وجہ سے
امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) باغی ٹھہرے۔

تمام اہل سنت و جماعت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفۃ المسلمین اور اپنا
امام برحق مانتے ہیں۔ حالانکہ یہی وہ شخص ہیں جنہوں نے امام برحق اور خلیفۃ المؤمنین حضرت
علی کرم اللہ وجہہ کی بلا وجہ مخالفت کی تھی۔ صرف مخالفت پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ ان کے خلاف
صحت آرا بھی ہوئے اور جنگ بھی کی۔ اور اسلامی نظام حکومت کا ایک مسلمہ قانون یہ ہے
کہ ہر شخص بھی امام برحق کی مخالفت کرے وہ باغی ہے اور بغاوت کی وجہ سے دائرۃ اسلام
سے خارج ہے۔ اس مسلمہ اصول کو مد نظر رکھا جائے اور امیر معاویہ کے معاملہ کو اس پر پرکھا
جائے تو بالکل صاف طور پر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جناب امیر معاویہ نے خلیفہ و امام برحق کی
مخالفت کر کے دین اسلام کی مخالفت مول لی۔ ایسے باغی اور مخالفت اسلام شخص کو جو
بھی اپنا امام سمجھتا ہے وہ یوں تصور کیا جائے گا کہ اس شخص کا نہ تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ
سے کوئی تعلق ہے اور نہ ہی حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے کوئی واسطہ
بلکہ وہ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کوئی بھی تعلق نہیں رکھتا۔

جواب :

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امامت کے بارے میں اہل سنت و جماعت کا

کا عقیدہ یہ ہے کہ جس دور میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ منہ خلافت پر بطورہ افرورہ تھے۔ اس دور میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امامت برحق نہ تھی۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب امام حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو بھی امیر معاویہ امام برحق نہیں تھے لیکن جب سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ منصب خلافت سے دست بردار ہوئے اور خلافت کے لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہی امام برحق تھے اور پھر تادم آخر آپ بلا شرکت غیر سے امت مسلمہ کے خلیفہ رہے۔ انہوں نے اپنی خلافت کے دور میں حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے ساتھ عمدہ سلوک کیا اور آخری دم تک حسن سلوک میں کمی نہ آنے دی اور متسل ابی منافص صلی علیہ وسلم نبوت کے مطابق جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان حضرات کو ہر سال مختلف اجناس خوردنی وغیرہ کے علاوہ دس لاکھ سونے کے دینار ارسال کرتے رہے اور امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما ان تحائف اور ہدایا کو بخوشی قبول کرتے رہے اور اس رقم کثیر سے حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما اپنے خاندانی اخراجات کو پورا کرتے کے علاوہ اپنے قرضہ جات بھی ادا کرتے رہے اور مزید یہ کہ انہی دیناروں سے اپنے شیعوں کی برجہ غربت مالی مدد بھی فرماتے رہے۔

(جلد العیون جلد اول)

یہ تو تھا وہ عقیدہ جو اہل سنت و جماعت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت و امامت کے بارے میں رکھتے ہیں۔ عقیدہ کی وضاحت کے بعد طعن میں مذکور دوسری باتوں کی وضاحت کرتے ہوئے مختصر طور پر یوں کہا جاسکتا ہے کہ پورے طعن میں بطور خلاصہ دو ہی باتیں ہیں جو معترض کا سہارا بنتی ہیں۔

۱۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلاف جنگ

کیوں لڑی ؟

۲۔ جب اس جنگ کی وجہ سے امیر معاویہ امام برحق کے باغی ٹھہرے جس کی بناء پر وہ دائرۃ اسلام سے خارج ہو گئے تو پھر ایسے باغی اور دائرۃ اسلام سے خارج شخص کو امت مسلمہ کا خلیفہ ماننا کیوں کر جائز ہو سکتا ہے ؟ چرچا کیا کہ ان کو خلیفہ مان لیا جاتا ہے ؟

جنگ صفین کا پس منظر از کتب شیعہ :

عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر جب شام پہنچی تو امیر معاویہ نے چاہا کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو ذرا سزا ملنی چاہیے تو اس پر اہل شام نے جب امیر معاویہ کی مدد کا ارادہ کیا۔ ابو سلمہ خولانی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا جو کہ اہل شام کے ویدار لوگوں میں سے تھا اور اس کے ساتھ ویداروں کی ایک جماعت بھی تھی۔ اس نے امیر معاویہ سے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ تم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کا ارادہ رکھتے ہو۔ تم کیسے ان سے جنگ کر سکتے ہو جبکہ تمہارے لیے ان پر کوئی فضیلت نہیں۔ اس کا امیر معاویہ نے یوں جواب دیا :

”لَسْتُ أَدْرِي آتَى مِثْلُهُ فِي الْفَضْلِ وَلَكِنْ هَلْ تَعْلَمُونَ أَنَّ عِثْمَانَ قُتِلَ مَظْلُومًا؟ قَالُوا نَعَمْ قَالَ فَلَيْدَفَعْنَا قَتَلْتَهُ حَقًّا نُسَلِّعَ إِلَيْهِ هَذَا الْأَمْرَ“

یعنی میں دعویٰ نہیں کرتا کہ میں مثل علی ہوں لیکن تم جانتے ہو کہ عثمان غنی کو ظلماً شہید کیا گیا۔ انہوں نے کہا بالکل صحیح ہے۔ امیر معاویہ نے فرمایا کہ حضرت علی کو چاہیے کہ عثمان غنی کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کر دیں تو ہم امر خلافت ان کے سپرد کر کے ان کو خلیفہ برحق تسلیم کر لیں گے۔

ابو سلمہ نے امیر معاویہ سے یہ سوال آپ مجھے لکھ دیں تو میں خود حضرت علی کے پاس

نے کر جاتا ہوں۔ لہذا امیر معاویہ نے یوں خط لکھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مِنْ مَعَاوِیَۃِ ابْنِ اَبِی سَفِیَانَ اِلٰی
 عَلِیِّ بْنِ اَبِی طَالِبٍ۔ السلام علیکم یعنی یہ خط امیر معاویہ کی طرف سے علی بن ابی
 طالب کی طرف ہے۔ میں حمد کرتا ہوں اس ذات کی جس کا کوئی شریک نہیں۔ بعد ازیں عرض
 ہے کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت تمہارے مہل میں ہوئی۔ جب کہ تم نے ان کی جرح
 کی آواز سنی۔ تم نے ان کی مذکور سے ممانعت کی نہ فعل سے۔ قسم بخدا! اگر تم مجھے
 دل سے عثمان غنی کے مسئلہ میں کھڑے ہو جاتے تو لوگوں کو ان سے دور کر سکتے تھے۔
 اور اس کے برخلاف تم نے عثمان غنی کے قاتلین کو جگہ دی اور وہ تمہارے ہاتھ اور بازو
 اور مددگار اور دیرینہ دوست بن گئے اور یہیں یہ بات پہنچی ہے کہ تم عثمان غنی کے خون
 کو حلال جانتے ہو۔ اور اگر تم اس بات میں سمجھو کہ تمہارا عثمان کے قتل میں کوئی ہاتھ
 نہیں۔ "فَاَمْسِكَا مَنْ قَتَلَهُ نَقْتُلْهُم بِهٖ وَنَحْنُ اَمْرُؤُ الشَّامِ
 اِلَیْكَ" یعنی عثمان غنی کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کر دو تو ہم ان کو قتل کر دیں تو رب
 سے پہلے ہم تمہاری بیعت کر لیں گے۔ ورنہ تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے لیے
 ہمارے پاس سوائے تلوار کے کوئی فیصلہ نہیں ہوگا۔ قسم بخدا ہم عثمان کے قاتلوں کو
 سمندر وں اور جزیروں میں تلاش کریں گے۔ یہاں تک کہ ان کو قتل کر دیں یا ہماری
 روئیں اللہ کے پاس پہنچ جائیں۔ والسلام

امیر معاویہ کا یہ خط ابوسلم خولانی کو فہ کو لے کر روانہ ہوا۔ یہاں تک کہ حضرت علی
 کے پاس پہنچا اور ان کو خط دیا۔ جب حضرت علی نے خط پڑھ لیا تو ابوسلم خولانی نے
 حضرت علی سے عرض کیا۔

يَا اَبَا الْحَسَنِ اِنَّكَ وَتَدَّ قُضِمْتَ بِاَمْرِ وَّوَلِيَّتُهُ وَاللّٰهِ
 مَا نَحِبُّ اِنَّهُ لَغَيْرُكَ اِنْ اَعْطَيْتَ الْحَقَّ مِنْ

نَفْسِكَ إِنَّ عَثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَتَلَ مَظْلُومًا
فَادْفَعْ إِلَيْنَا قَتْلَكَ وَأَنْتَ أَمِيرُنَا فَإِنْ خَلَفَكَ
أَحَدٌ مِنَ النَّاسِ كَانَتْ أَيْدِيُنَا لَكَ نَاصِرَةً
وَأَلَيْسُنَا لَكَ شَاهِدَةً وَكُنْتَ ذَا عُدٍّ وَفُحْجَةٍ
فَقَالَ لَهُ عَلِيٌّ اأَعِدْ عَلَيَّ بِالْعَدَاةِ وَأَمْرِي بِهِ
هَازِلٌ وَأُكْرِمُ.

یعنی اے ابوالحسن! آپ بیشک خلیفہ بن چکے ہیں اور قسم ہے اللہ تعالیٰ کی
ہم آپ کے عدادہ کسی غیر کے خلیفہ بننے کو پسند نہیں کرتے بشرطیکہ آپ اپنی
طرف سے عثمان کے قتل کا حق فیصلہ کر دو۔ کیوں کہ اس میں کوئی شک نہیں
کہ عثمان غنی ظلم قتل ہوئے ہیں۔ لہذا آپ ان کے قاتلوں کو ہمارے حوالہ
کر دیں تو ہم آپ کو اپنا خلیفہ تسلیم کر لیتے ہیں اور اگر کوئی آدمی اس مسئلہ میں
آپ کی مخالفت کرے تو ہمارے ہاتھ آپ کے مددگار اور ہماری زبانیں
آپ کی گواہ ہوں گی اور آپ کے لیے اس مسئلہ میں غدر ہوگا اور آپ کے
لیے دلیل ہوگی۔ حضرت علی نے ابومسلم غولانی سے فرمایا کہ تم کل تک میرے
پاس ٹھرو۔ لہذا حضرت علی کے حکم سے ابومسلم غولانی کو معزز مہمانوں کی
طرح ٹھہرایا گیا اور ان کی عزت کی گئی۔

جب دوسری صبح ہوئی ابومسلم غولانی حضرت علی کے پاس اس وقت مسجد میں پہنچا
کہ جس وقت ان کے پاس دس ہزار آدمی مسلح ہو کر آفازیں سے رہے تھے کہ ہم سب
قاتلان عثمان ہیں۔ ابومسلم نے حضرت علی سے عرض کیا کہ میں ایسی قوم کو دیکھتا ہوں کہ جس
پر آپ کو کوئی تسلط نہیں ہے مجھے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو معلوم ہو چکا ہے جس مطالبہ
کے لیے میں آیا ہوں اور ان لوگوں نے جو حرکت کی ہے یہ صرف اس لیے کی ہے کہ

انہیں خوف ہے کہ ایسا نہ ہو کہ آپ ان کو ہمارے حوالے کر دیں۔

اس کے جواب میں حضرت علی نے یوں فرمایا :

إِنِّي صَرَبْتُ أَنْتَ هَذَا الْأَمْرَ وَعَيْنُهُ فَلَمَّا أَرَيْتَنِي
دَفَعْتَهُ إِلَيْكَ وَلَا إِلَيَّ غَيْرُهُ فَاجْلِسْ حَتَّى أَكْتُبَ
جَوَابَكَ۔

میں نے آپ کے سوال پر خوب غور و فکر کیا۔ میں نے یہی سمجھا ہے کہ عثمان کے قاتلوں کو ذمہ ہمارے حوالہ کرنا مناسب ہے اور نہ تمہارے غیر کے لہذا تم بیٹھو میں تمہیں معاویہ کے نام خط لکھ کر دیتا ہوں۔

تو آپ نے لکھا :

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ مِنْ عَبْدِ اللَّهِ عَلَى أُمِيرِ
الْمُؤْمِنِينَ إِلَى مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سَفْيَانَ

یہ خط عبداللہ علی بن ابی طالب کی طرف سے معاویہ کے نام ہے ۔ کہ میرے پاس ابو مسلم خولانی تمہارا خط لے کر آیا جس میں تم نے ذکر کیا ہے کہ میں نے عثمان کے رحم کو قطع کیا اور لوگوں کو ان کے خلاف برا بھلا کہنا تو میں نے ان میں سے کوئی کام نہیں کیا ۔ اللہ عثمان پر رحم کرے ۔ عثمان پر لوگ ناراض تھے ۔ لہذا انہوں نے عثمان پر جربہ جو ہم کیا تو میں نے عثمان کے معاملہ کو چھوڑ کر اپنے گھر میں علیحدگی اختیار کر لی ۔

لیکن تم نے سوال کیا ہے کہ عثمان کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کر دو تو میں اس کو یہ سمجھا ہوں کہ تم اسی کے ذریعہ سے اپنی مراد حاصل کرنا چاہتے ہو اور تمہارا ارادہ حقیقت میں عثمان کے خون کا مطالبہ نہیں اور مجھے قسم ہے اپنی عمر کی اگر تم اس سرکش سے باز نہ آئے تو تمہارے ساتھ وہی سلوک

کیا جائے گا جو باغیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ والسلام
 اخبار الطوال مصنف احمد بن داؤد دینوری شیعی ۱۳۱ ۱۳۲
 تذکرہ واقعہ صفین مطبوعہ بغداد طبع جدید
 ”اخبار الطوال“ کی ذکر کردہ عبارت سے مندرجہ ذیل چھ امور ثابت
 ہوتے ہیں :

- ۱۔ حضرت علی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان تنازع کا اصل اور واسع سبب
 خون عثمان رضی اللہ عنہ تھا
- ۲۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ علم و فضل میں حضرت علی کرم
 اللہ وجہہ ان سے بڑھ کر ہیں لیکن بات علم و فضل کی زیادتی کی نہ تھی بلکہ ”خون عثمان
 رضی اللہ عنہ“ جھگڑے کی بنیاد تھا۔
- ۳۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے صاف صاف لکھ بھیجا کہ حضرت علی رضی اللہ
 عنہ اگر عثمان غنی کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کر دیں تو ہم فدا حضرت علی کرم اللہ
 وجہہ کی بیعت کر لیں گے۔
- ۴۔ جناب ابوسعلم غزالی جو ایک دیندار اور صاحب تقویٰ آدمی تھے۔ انہوں نے حضرت
 علی رضی اللہ عنہ سے قہمہ کہا کہ ہم آپ کے علاوہ کسی دوسرے کو خلیفہ ہرگز مانتے
 کے لیے تیار نہیں لیکن شرط یہ ہے کہ آپ قاتلان عثمان غنی کو ہمارے سپرد کر دیں
 اگر آپ ہماری اس شرط کو پورا کر دیتے ہیں تو پھر ہمارے باند آپ کے
 معاون اور ہماری زبانیں آپ کی گواہ ہوں گی۔
- ۵۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاں قاتلان عثمان اس کثیر تعداد میں تھے کہ دس ہزار
 کے لگ بھگ مسلح ہو کر موجود تھے اور ان مسلح افراد نے بیابانگ دہل کہا ”ہم
 عثمان غنی کے قاتل ہیں“

۴۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہ تو ان قاتلانِ عثمان پر قابو تھا اور نہ ہی دوسرے باقیوں پر آپ کو مکمل دسترس تھی۔ اسی کمزوری کی وجہ سے انہوں نے ان سرکشوں کو امیر معاویہ کے سپرداری میں دینے سے انکار کر دیا۔

حاصل کلام :

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور شامیوں کو اس بات کا شک تھا کہ قتلِ عثمان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کسی حدودِ طرث میں اور اسی بناء پر ان لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور بار بار اپنا یہ مطالبہ دہراتے رہے کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ قاتلانِ عثمان کو ہمارے حوالے کر دیں تو ہم ان کی نفیّت اور پھر بیعت سے متفق ہو جائیں گے۔ صرف اتفاق ہی میں بلکہ پھر جو شخص بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس بارے میں مخالفت کرے گا ہم اس کے مقابلہ میں حضرت علی کے مکمل طور پر ساتھ ہوں گے۔

اس کا واضح مفہوم یہی نکلتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے دیگر رفقاء نے کار کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کوئی ذاتی عناد و دشمنی نہ تھی اور نہ ہی علم و فضل میں ان کی انضلیت کے منکر تھے بلکہ بات صرف اور صرف یہ تھی کہ قتلِ عثمان میں یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کسی طور دشمنیت کا شبہ رکھتے تھے اور اس شبہ کی بناء پر وہ خونِ عثمان کے بدلہ کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اس بات کی تاریخ گواہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ حضرت عثمان کے چچا زاد بھائی تھے۔ اس فیسی رشتہ کی بناء پر انہیں یہ حق پہنچتا تھا کہ وہ یہ مطالبہ کرتے اس لیے یہ مطالبہ کرنے میں حق بجانب تھے۔

یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے
تردید امر اول جنگ کیوں لڑی؟ اخبار الطوال کی مذکورہ عبارت پڑھنے سے معلوم ہو جائیگا

کلہا ابو داؤد دینوری شیعی نے امر اول کو خود واضح کر دیا کہ ان دونوں حضرات کے مابین تنازع کا اصل محرک کیا تھا اور بنیادی کیا وجہ تھی وہ صرف ایک اجتماعی معاملہ تھا باہم بغض و عناد پر مبنی نہ تھا۔ عبارت مذکورہ میں صاف موجود ہے کہ قتل عثمان کے ضمن میں متعلقان عثمان کی سپرداری کا معاملہ اور مطالبہ صرف حضرت امیر معاویہ کا تہنا نہ تھا بلکہ اہل شام کے صاحبان فہم و فراست اور حضرات اہل حل و عقد بھی کا یہ مطالبہ تھا۔ انتہا یہ کہ جناب ابوسلمہ خولانی ایسے عابد و زاہد اور صاحب تقویٰ بھی اس مطالبہ کے حق میں تھے جو دلی طور پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا انتہائی احترام اور ان کے محب خاص تھے۔ انہوں نے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اللہ کی قسم اٹھا کر کہہ دیا کہ آپ اگر ہمارے اس مطالبہ کو مان کر قاتلان عثمان کو ہمارے حوالہ کیے دینے ہیں تو ہم آپ کے علاوہ کسی دوسرے کو خلیفہ بنانا اور ماننا ہرگز پسند نہ کریں گے اور ہم آپ کی خلافت و امامت کے تحفظ کی خاطر ہر طرح سے تعاون کریں گے۔

اگر اہل شام کے صاحبان بصیرت یہ مطالبہ نہ بھی کرتے صرف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ مطالبہ ہوتا تو بھی کوئی بُری بات نہ تھی کیوں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ رشتہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی لگتے تھے تو اپنے چچا زاد بھائی کے خونِ ناحق کا بدلہ لینے کا انہیں حق پہنچتا تھا لیکن اس میں جنگ تک ذرت پہنچ گئی کیوں کہ ایک طرف جو آپ مطالبہ کر رہے تھے وہ حق تھا اور شریعت نے مقتول کے وراثہ کو یہ حق تفویض کیا ہے تو خونِ عثمان کے مطالبہ میں حق بجانب ہو رہے ہوتے ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ نہ کرنی چاہیے تھی کیوں کہ جب مہاجرین و انصار نے مرکزِ اسلام میں انہیں خلیفہ تسلیم کر لیا تھا تو دوسرے علاقہ جات کے رہنے والے مسلمانوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو تسلیم کر کے بیعت کر لینی چاہیے تھی اسی طرح ہر معاملہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی بیعت کر لینی چاہیے تھی۔ بعد ازیں وہ خونِ عثمان کا

مطابہ کر سکتے تھے لیکن انہوں نے خیر عثمان کے مطالبہ کو اولیت دی اور اس سے حیات کی خاطر دستبرداری روانہ رکھی۔ لہذا یوں وہ ایک اجتہادی خطا کر بیٹھے جس کا نتیجہ جنگ کی صورت میں رونما ہوا۔

جمہور اہل سنت کا یہی مسلک ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور ان کے خلاف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو جنگ لڑی یہ ان کی اجتہادی خطا پر مبنی تھی۔ اور امت مسلمہ کا قانون ہے کہ مجتہد اجتہادی خطا و سرزد ہونے سے فاسق و ناجبر نہیں ہوتا بلکہ نیت کی درستگی اور تلاش حق کی بنا پر اسے اس کو کشش کا بھی اجر و ثواب ملتا ہے۔ جو کسی دوسرے کو خطا نظر آئے۔

یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بغاوت کی اور خلیفہ برحق کی بغاوت
تردید امر دوم کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے تو جب بوجہ بغاوت
 امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خارج از اسلام ٹھہرے تو پھر انہیں خلیفہ ماننا کیوں کر صحیح ہے؟
 سو اس بارے میں عرض ہے کہ ”باغی“ کو کافر و مشرک کے معنی میں نہ تو کسی لغت نے
 ذکر کیا اور نہ ہی آیات قرآنیہ میں اس لفظ کو اس مفہوم میں کہیں بیان کیا گیا۔ لہذا باغی کا معنی
 دائرہ اسلام سے خارج قرار دینا بالکل لغو اور سراسر باطل ہے۔ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ لفظ
 باغی (اور بغاوت) کا مفہوم پہلے عربی لغت کی کتب سے پیش کروں اور پھر آیات قرآنیہ سے
 اس کی ترمیم کروں اور آخر میں ائمہ اہل بیت کے اقوال و ارشادات سے اس کا فیصلہ کروں
 تاکہ قارئین کرام اس سے مکمل استفادہ کر سکیں اور اس مشکل و دقیق بحث کو سمجھنے میں دقت
 محسوس نہ کریں۔

لُغَتِ عَرَبٍ مِّنْ بَٰغِيٍّ كَاِسْتِعْمَالِ

لَا ان العرب | وَ الْبَٰغِيُّ التَّعَدِي وَ بَٰغِيٍّ الزَّجَلُ

عَلَيْنَا بَغْيًا عَدَلَ عَنِ الْحَقِّ وَاصْلُ الْبَغْيِ مُجَاوِزُهُ
الْحَدِّ وَفِي حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لِرَجُلٍ أَنَا أَبْغَضُكَ
قَالَ لِمَ؟ قَالَ لِأَنَّكَ تَبْغِي فِي أَذَانِكَ - أَرَادَ التَّطْرِيبَ
فِيهِ وَالتَّمْدِيدَ مِنْ تَجَاوُزِ الْحَدِّ -

(سان العرب لابن الفضل جمال الدين محمد بن مكرم جلد ۱۲ صفحہ ۸۷ مطبوعہ

بیروت)

ترجمہ:

بغاوت کا اصل (لغوی معنی) زیادتی ہے اور محاورہ ہے کہ آدمی نے ہم پر
بغاوت کی بغاوت کرنا۔ یہ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی شخص حق سے
پھر جائے۔ اور ”بغی“ کا اصلی مفہوم حد سے بڑھنا ہے۔ ابن عمر رضی اللہ
عنہما سے ایک حدیث میں ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو کہا میں تجھ
سے ناراض ہوں۔ آدمی بولا۔ کیوں؟ فرمایا میں وجہ کہ تو اذان میں بغاوت
کرتا ہے۔ اس سے آپ کی مراد یہ تھی کہ وہ شخص اذان میں سرود ادا کرے جا
الفاظ کو کیسیج کر ادا کیا کرتا تھا۔

عرب کی اس مستند اور مشہور لغت سے یہ ثابت ہو گیا کہ ”البغی“ کا معنی کفر و
شرک نہیں اور نہ ہی دائرۃ اسلام سے خروج ہے بلکہ اس کا معنی زیادتی کرنا ہے، اور
اگر بقول معترض یہ مان لیا جائے کہ باغی کافر و مشرک کہتے ہیں تو پھر صاحب لسان العز
نے جو اذان میں الفاظ اذان کو لمبا کرنے اور ان کو سر سے ادا کرنے کو بغاوت ذکر
کیا ہے۔ اس سے مراد کیا ہوگی؟ کیا اس طرح سے اذان دینے والا دائرۃ اسلام خارج
اور کافر و مشرک — ہوگا؟ لہذا معلوم ہوا کہ ”البغی“ کا معنی کفر و مشرک کرنا لغت
عرب کے خلاف ہے اور بالکل باطل ہے۔

لفظ ”تبغی“ قرآنی آیات میں

آیت نمبر ۱

وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا
فَإِنْ بَغْتُمْ أَحَدُكُمَا عَلَى الْآخَرِ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبَغَى
حَتَّى تَفِيضَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا
بِالْعَدْلِ وَأَقِصُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ -

(پ - سورۃ الحجرات)

ترجمہ:

اور اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں تو ان کے مابین صلح کرادو پھر اگر
ان میں سے ایک، دوسرے پر زیادتی کرے۔ تو اس سے جو زیادتی کرتا
ہے لڑو تا آنکہ وہ اللہ کے فیصلے کی طرف رجوع کرے تو انصاف سے
ان دونوں کے مابین اصلاح کر دو اور عدالت برتو۔ بے شک اللہ عدالت
برتنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

(ترجمہ مقبول شیعہ)

قرآن پاک کے اس مقام پر فَاِنْ بَغْتُمْ أَحَدُكُمَا عَلَى الْآخَرِ تَبَغَى کا ترجمہ خود شیعہ مترجم،
”زیادتی کرنا“ کر رہا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اس لفظ کا یہی معنی اصل ہے۔ اور تمام
مفسرین و اہل لغت کا تسلیم شدہ یہی معنی ہے اور ہرگز نہ ہرگز اس لفظ کا معنی کفر و شرک
اور اسلام سے خروج نہیں ہے۔ مزید تسلی و وضاحت کے لیے ہم شیعہ تفسیر کی اس
مقام پر چند عبارات نقل کیے دیتے ہیں تاکہ قارئین کرام اور معترضین پر بات بالکل ظاہر
و باہر ہو جائے اور تاثر و شکوت کی طرح اعتراض کے تانے بانے اور ادھر ادھر کھربائیں۔

تفسیر صافی :

فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ أَيْ تَعَدَّتْ عَلَيْهَا

ترجمہ : ایک اگر وہ اگر دوسرے پر بغاوت یعنی زیادتی کرے ۔

فروع کافی :

إِنَّمَا جَاءَ تَأْوِيلُ هَذِهِ الْآيَةِ يَوْمَ الْبَصَرَةِ وَهُمْ
أَهْلُ هَذِهِ الْآيَةِ وَهُمْ الَّذِينَ بَغَوْا عَلَى أَمِيرِ
الْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِ السَّلَامُ ۔

فروع کافی جلد ۸ صفحہ ۸۰ کتاب الروضۃ الذین

خرجوا يوم البصرة هم الباغون مطبوعہ

ترانہ طبع جدید

ترجمہ : جب تک اس آیت کریمہ کی تفسیر پر ہم بصرہ کے متعلق ہے اور وہی لوگ

اس آیت کے مصداق بنتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے امیر المؤمنین

حضرت علی علیہ السلام سے بغاوت کی ۔

آیت مذکورہ کی تفسیر کرتے ہوئے جو شیعی مفسر "ملا کلینی رازی" نے لکھا کہ ان دونوں

گروہوں سے مراد بصرہ کے رہنے والے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی ہیں ۔

قلع نظر اس کے کریمہ کہاں تک درست ہے کیوں کہ اس آیت کا اہل بصرہ کو مصداق

بنانا اور انہیں بڑی ترکان کی زبان سے باغی ثابت کرنا اور ان کے مقابل لڑنے والے

گروہ کو "شیعہ علی" اور انہما سے مفسر کی اپنی مذہبی عصبیت صاف نظر آرہی ہے

بہر حال دسے انداز میں یا بے خبری کے عالم میں یہ بھی مانا جا رہا ہے کہ یہ دونوں گروہ

”مومن“ فتنے کیوں کہ قرآن پاک نے ان دونوں گروہوں کے باہمی قتال کو ذکر کرتے ہوئے یوں فرمایا ”طَلَا نَفَقَاتِ اِنْ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ“ یعنی مومنین کے دو گروہ۔ تو اگر بغاوت بمعنی قتال کو ذکر کرتے ہیں۔ تو اس مقام پر بغاوت کرنے والوں کو مومن ہی کہا جائے گا۔ لطف یہ ہے کہ شیعہ مفسر کی تفسیر کے مطابق اس آیت کریمہ میں باغی بھی نہیں کہا گیا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابل لڑنے والے تھے۔ اگر یہ لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلاف لڑ کر بھی مومن ہی رہے کافر و مشرک نہ ہوئے اور دائرہ اسلام سے ان کو اللہ تعالیٰ نے خارج نہ کیا۔ تو پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے وہ ساتھی جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابلہ پر جنگ صفین میں آئے وہ کافر و مشرک کس طرح ہو گئے۔

۵ الجھاپے پاؤں یا رکاز اعلیٰ دراز میں

لو آپ اپنے دام میں مستیاد آگیا

آیت نمبر ۲ :

فَاِنْ اَطَعَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ۝ (پ۔ ۵، ع۔ ۱)

ترجمہ: پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کر لیں تو ان پر کسی طرح بے جا زیادتی نہ کرو۔

(ترجمہ مقبول شیعہ صفحہ ۹۹)

آیت نمبر ۳ :

وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهِ شَوْءٌ بَغِيٌّ عَلَيْهِ

لَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ ۝ اِنَّ اللَّهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝ (پ۔ ۵، ع۔ ۱)

ترجمہ: اور جو شخص کسی کو اتنی ہی ایذا دے جتنی اس کو ایذا دی گئی پھر اس پر زیادتی

کی جائے تو خدا اس کی مدد کرے گا بے شک اللہ معاف کرنے والا اور

بخشنے والا ہے۔

الحاصل : قرآن مجید کی آیات سے بھی اس امر کی توثیق و تصدیق ہو گئی کہ ”البغی“ کا معنی زیادتی ہی ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ لغت عرب اور قرآن مجید کی نص میں سے بالاجماع ثابت ہے کہ ”البغی“ زیادتی کرنے والے کو کہتے ہیں اور یہی مسلک ہم اہل سنت و جماعت کا ہے کیوں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو جنگ کی۔ اس میں وہ اپنے اجتہاد کی رو سے سخی پر تھے لیکن حقیقت یہ تھی کہ جب مہاجرین و انصار تمام نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی تو اس عمومی بیعت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت ”خلافت حقہ“ قرار پانے لگی۔ لہذا اس حقیقت کے مقابلہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے غلطی کی وجہ سے زیادتی کا ارتکاب ہو گیا۔ کیونکہ خلافت حقہ کے بعد اس کے خلاف بغاوت کرنا کسی طرح بھی نزدیک نہیں دیتا۔ لہذا بایں وجہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بغاوت بمعنی زیادتی ہو گئی۔ اور اس سے کسی اہل سنت کو انکار نہیں۔ اسی لیے امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک قول یوں نقل کیا ہے۔

تفسیر قرطبی ۱۔

”فَقَالَ لَهُمْ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ادْخُلُوا فِي الْبَيْعَةِ...
وَاطْلُبُوا الْحَقَّ تَمْلِكُوا إِلَيْهِ“

(تفسیر قرطبی جلد ۳ ص ۲۱۸ مطبوعہ تہران)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان اشخاص سے کہا۔ میری بیعت کر لو اور
دخول بیعت کے بعد اپنا حق طلب کرو۔ تمہیں اس میں کامیابی ہو جائے
گی۔

اس لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے بہتر یہ تھا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر کے ان کی خلافت کو تسلیم کر لیتے۔ پھر اپنا مطالبہ (یعنی خون عثمان کا بدلہ) بھی پیش کر دیتے۔ لیکن انہوں نے اپنے مطالبے سے اس لیے دست برداری نہ کی۔ کیونکہ وہ اس میں اپنے آپ کو حق پر سمجھتے تھے۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ اس وجہ سے نہیں کی۔ کہ وہ انہیں خلافت سے دست برداری پر مجبور کرنا چاہتے تھے۔ اور خود خلیفہ بننے کی راہ ہموار کرنا چاہتے تھے۔ نہیں انہیں بلکہ صرف اپنے آپ کو حق پر سمجھنے والے اس حق کی وصولی کے لیے یہ سب کچھ ہوا۔ اسے ہی ”اجتہادِ غلطی“ کہتے ہیں۔ اور اس حق کی خاطر حیران سے زیادتی ہو گئی۔ وہ ایسی زیادتی نہیں۔ کہ جس کی وجہ سے انہیں دائرہ اسلام سے ہی نکال باہر پھینکا جائے۔ بلکہ از روئے قاعدہ در اجتہادِ غلطی ابھی ثواب واجرا کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

نتیجہ:-

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے واقع خطا و اجتہاد کی صورت میں جو ان کی حکومت قائم ہوئی۔ اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک حصہ وہ جس کی انتہاء حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت سے سبکدوشی تک ہے۔ اور دوسرا حصہ اس سے آگے شروع ہو کر تا اختتامِ خلافتِ معاویہ ہے۔ جہاں تک پہلے حصہ کا تعلق ہے۔ تو اس دور کی خلافت ”خلافتِ حق“ تھی۔ لیکن جب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت سے دست برداری فرمائی۔ اور دونوں بھائیوں وغیرہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔ تو ان چند سالوں کی خلافت اور حکومت حق پر تھی۔ اور آپ ہی خلیفہ برحق تھے۔ خلافت کے اس دور کی حقانیت کی سب سے بڑی دلیل حسین کریمین رضی اللہ عنہما کا بیعت کر لینا تھی۔ اور اس امر کی تائید و تصدیق شیعوں کا مذہب

کی کتاب میں بھی کرتی ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

رجال کشی :-

فَقَالَ يَا حَسَنُ قُمْ فَبَايِعْ فَقَامَ فَبَايَعَ ثُمَّ قَالَ
لِلْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قُمْ فَبَايِعْ فَقَامَ فَبَايَعَ ثُمَّ
قَالَ يَا قَيْسُ قُمْ فَبَايِعْ فَالْتَفَتَ لِلْحُسَيْنِ عَلَيْهِ
السَّلَامُ يَنْظُرُ مَا يَأْمُرُهُ فَقَالَ يَا
قَيْسُ إِنَّهُ إِمَامِي يَعْنِي الْحَسَنَ عَلَيْهِ
السَّلَامُ -

(رجال کشی ص ۱۰۲ تذکرہ قیس بن سعد بن

عبادہ مطبوعہ کربلا)

ترجمہ :- حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک خطیب نے امام حسن رضی اللہ عنہ
کو خطاب کرتے ہوئے کہا اے حسن! اٹھیے۔ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
کی بیعت کیجئے۔ یہ سُن کر امام موصوف اٹھے۔ اور بیعت کر لی۔ پھر یہی بات
خطیب نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے کہی۔ چنانچہ وہ بھی اٹھے۔ اور بیعت
کر لی۔ اس کے بعد خطیب مذکور نے کہا۔ اے قیس! اب تم بھی اٹھو۔ اور بیعت
کر لو۔ یہ سُن کر قیس نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرف اس غرض سے
دیکھا۔ کہ وہ اس بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ چنانچہ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ
نے فرمایا۔ اے قیس! امام حسن رضی اللہ عنہ میرے امام ہیں۔ اس لیے جب
وہ بیعت کر چکے۔ اور ان کی اتباع میں میں نے بھی بیعت کر لی۔ تو پھر تمہیں
بیعت کرنے میں کیا عذر ہو سکتا ہے اور کس قسم کی اجازت چاہیئے۔ اٹھو

اور فوراً بیعت کر لو۔

اور جہاں کشی، کی مذکورہ عبارت سے بالکل واضح طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ حسین کریمین رضی اللہ عنہما نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔ اور بیعت کر کے یہ ثابت کر دیا۔ کہ یہ دونوں حضرات انہیں خلیفہ برحق اور امام صادق مانتے تھے۔ میدانِ کربلا میں امام علی مقام نے یزید کی بیعت نہ کی۔ اور بموہر دیگر احباب کے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ یہ سب کچھ اسی لیے تھا۔ کہ یزید کی خلافت و امامت کو امام موصوف برحق نہ سمجھتے تھے۔ تو جس طرح یہاں ناحق خلافت و امامت کے وقت بیعت نہ کی۔ اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت و امامت ناحق ہوتی۔ تو کبھی بھی یہ حضرات اپنا ہاتھ بیعت کی خاطر امیر معاویہ کے ہاتھوں میں نہ دیتے۔ لہذا جب حسین کریمین نے حضرت امیر معاویہ کو امام عادل اور خلیفہ برحق سمجھ کر بیعت کر لی۔ تو پھر کسی ایرے غیرے کی کیا گنجائش کہ وہ یہ کہے کہ امیر معاویہ کی خلافت ناحق تھی اور ان کی امامت ناجائز تھی۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے رفقاء کے

متعلق ائمہ اہل بیت کے ارشادات

قرب الاسناد:-

عَنْ جَعْفَرٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ عَلِيًّا عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ
يَكُنْ يَنْسِبُ أَحَدًا مِنْ أَهْلِ حَرْبِهِ إِلَى
الشِّرْكِ وَلَا إِلَى الْبَغَاثِ وَلَكِنْ يَقُولُ هُمْ

اِخْوَانُنَا بَعُّوْا عَلَيْنَا۔

(قرب الاسناد لابن العباس عبد اللہ بن جعفر)

القلمی ص ۴۵ مطبوعہ تہران

ترجمہ: حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے والد بزرگوار سے روایت فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ جنگ کرنے والوں میں سے کسی کو بھی شرک و کفر کی طرف منسوب نہ کرتے تھے۔ اور نہ ہی کسی کو ان میں سے آپ نے کبھی منافق کہا۔ لیکن جب کبھی ان کا ذکر ہوتا۔ تو فرماتے۔ وہ ہمارے ہی بھائی ہیں۔ انہوں نے ہم سے بغاوت (زیادتی) کی۔

وضاحت:-

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث سے صاف ظاہر ہے۔ کہ آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے دیگر ساتھیوں کو کہ جنہوں نے جنگ صفین میں حصہ لیا۔ نہ تو مشرک و کافر کہتے اور نہ ہی ان میں سے کسی کو منافق تسلیم کیا۔ بلکہ اپنے دینی بھائی فرما کر یہ ثابت کر دکھایا۔ کہ وہ قطعاً مومن اور بچے دیندار تھے۔ ورنہ انہیں اپنے بھائی نہ فرماتے۔ اور پھر آخر میں ان کے ایمان کی پختگی ذکر کرنے کے بعد فرمایا۔ کہ ان سے کچھ ہم پر زیادتی ہو گئی۔ دراصل یہی زیادتی وہ ہے۔ جسے مقرر فی البدعاوت کے لفظ سے بہت دور لے گیا۔ حالانکہ اگر بغاوت سے کفر و شرک لازم آتا۔ تو پھر انہیں بھائی کہنا کماں درست ہو سکتا ہے۔ اس لیے یہ فیصلہ کرنا پڑے گا۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی درست ہے۔ یا مقرر فی البدعاوت اور بغض و عداوت؟ اگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ارشاد برحق ہے۔ اور یقیناً برحق ہے۔ تو پھر ماننا پڑے گا۔ کہ جنگ صفین اور جنگ جمل کے سب شرکاء مومن اور بچے دیندار تھے۔ (و باللہ التوفیق)

قرب الانسداد۔

عَنْ جَعْفَرٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ عَدِيًّا عَلَيْهِ السَّلَامُ
كَانَ يَقُولُ لَا هُلَ حَرْبِهِ إِنَّا لَمُ
نُقَاتِلُهُمْ عَنِ التَّكْوِينِ وَلَمْ نُقَاتِلْهُمْ
عَلَى التَّكْوِينِ لَنَا وَلِكَيْفَا دَأْيُنَا أَنَا عَلَى حَقِّ
وَرَأَوْا أَنَّهُمْ عَلَى حَقِّ.

(قرب الانسداد ۲۵ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ :- امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے والد بزرگوار سے روایت کرتے ہوئے
فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے ساتھ لڑنے والوں کا اس انداز
سے ذکر کرتے تھے کہ ہم نے ان سے اس وجہ سے لڑائی نہیں کی کہ
وہ ہمیں کافر کہتے تھے۔ اور نہ ہی ہم انہیں کافر قرار دے کر لڑے۔ بلکہ ہوائیں
کہ انہوں نے خود کو حق پر جانا اور ہم نے اپنے آپ کو حق پر سمجھا۔ دونوں ذوق
حق کی خاطر اور حق پر ہوتے ہوئے ٹکرائے۔ کفر و اسلام کی جنگ نہ تھی۔

توضیح :-

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس کلام سے دو باتیں بالکل ظاہر و باہر ہو گئیں۔
اول یہ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی لڑائی (اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ
عنها کے ساتھ محاصرت) اور ان کے رزق دار کے ساتھ ان کی لڑائی اس بنا پر نہ تھی کہ حضرت
علی رضی اللہ عنہ ان کو معاذ اللہ کافر سمجھتے تھے۔ بلکہ صرف اس وجہ سے ہوئی کہ حضرت
امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بعد اپنے رزق دار کے حضرت عثمان غنی کے قصاص کے مقابلہ میں

اپنے آپ کو حق پر سمجھتے تھے۔ اور میدان علی المرتضیٰ اپنے طور پر اپنے آپ کو حق پر گردانتے تھے۔ دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ امیر معاویہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ حق کی خاطر لڑائی مول لی۔ اور قطعاً وہ اپنے آپ کو باطل پر نہ سمجھتے تھے۔ لہذا جب کوئی شخص اپنے آپ کو حق پر جانتے ہوئے کوئی ایسا فعل یا کوئی ایسی بات کر ڈالتا ہے۔ جو اس حق کو حاصل کرنے کی خاطر سرانجام دیتا ہے۔ تو نیت کے خلوص کی وجہ سے وہ اجرو ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ اور اگر وہی قول و فعل حقیقت میں حق کے مطابق نہ ہو۔ تو پھر ایسے میں یہ خطائے اجتہادی، اکہلا تا ہے۔

لہذا معلوم ہوا۔ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ کے مابین جنگ کسی باہمی عناد اور اختلافِ دین کی وجہ سے نہ تھی۔ بلکہ اجتہادی غلطی کی وجہ سے واقع ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے باوجود اس کے کہ وہ حق پر تھے۔ اور اپنی رائے میں اسکی کو حق سمجھتے تھے۔ پھر بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو باطل پر لڑنے والا نہ فرمایا۔ بلکہ انہیں ان کی اپنی رائے کے مطابق حق پر ہی گردانے چونکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ انفرادی تک اپنی رائے پر قائم رہے۔ جو بقول علی المرتضیٰ حق تھی۔ اس لیے آپ کو باقی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ یعنی وہ باطنی جو ضعیف برحق کے خلاف ناحق بلوہ کھڑا کر دے۔ اور راستہ میں انتشار کا باعث بنے۔ لیکن بعد میں تاریخی اور واقعاتی شواہد سے یہ پتہ چلا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے صائب اور درست نہ تھی، اس لیے علمائے اہل سنت نے اس بارے میں یہ عقیدہ رکھا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے خطا و اجتہادی سرزد ہوئی۔ جسے وہ خود خطا نہ سمجھتے تھے۔ اگر وہ خود کو خطا پر سمجھتے۔ تو اس سے رجوع فرما لیتے اسی عقیدہ کی تائید حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس مندرجہ بالا ارشاد گہبی ہوتی ہے۔

جنگ صفین کے انتقام کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ
کا وہ فیصلہ جو آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے
رفقاء کار کے متعلق مختلف ممالک اسلامیہ کو روانہ کیا۔

ہجج البلاغہ:-

وَمِنْ كِتَابٍ لَكَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَتَبَهُ إِلَى أَهْلِ
الْأَمْصَارِ يَقُصُّ فِيهِ مَا جَرَى بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَهْلِ
صِفِّينَ وَكَانَ بَدْءُ مَا مَرِنَا أَنَا التَّقِيَّةُ وَالْقَوْمُ
مِنْ أَهْلِ الشَّامِ وَالْقَاهِرُ أَنَّ دَبَّتَا وَاحِدٌ وَ
نَبِيَّتَا وَاحِدٌ دَعَوْتَنَا فِي الْإِسْلَامِ وَاحِدَةٌ وَ
لَا نَسْتَزِيدُ هُمْ فِي الْإِيمَانِ بِاللَّهِ وَالْمُصَدِّيقِ
بِرِسُولِهِ وَلَا يَسْتَزِيدُ وَنَا الْأَمْرُ
وَاحِدٌ إِلَّا مَا اخْتَلَفْنَا فِيهِ مِنْ دِمِ عُثْمَانَ
وَنَحْنُ مِنْهُ بَرَاءَةٌ

(نیز جنگ فصاحت ترجمہ ہجج البلاغہ ص ۴۶)

(مطبوعہ روپوشی دہلی)

ترجمہ اکثر شہروں کے معززین کو حضرت نے یہ خط تحریر فرمایا ہے جس میں
ماجرائے جنگ صفین کا بیان ہے ہماری اس ملاقات (دہلی) کی ابتداء

جواہلِ شام کے ساتھ واقع ہوئی۔ یہ تھی۔؟ حالانکہ یہ بات ظاہر ہے کہ ہمارا
اور ان کا خدا ایک ہے۔ رسول ایک ہے۔ دعوتِ اسلام ایک ہے۔ دجیے
وہ اسلام کی طرف لوگوں کو بلا تے ہیں۔ ویسے ہی ہم بھی (ہم خدا پر ایمان
لانے، اس کے رسول کی تصدیق کرنے میں ان پر کسی فضیلت کے خواہاں نہیں
نزدہ ہم پر فضل و زیادتی کے طلب گار ہیں ہماری مانتیں بالکل یکساں ہیں۔
مگر وہ ابتداریہ ہوئی۔ کہ خونِ عثمان میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ حالانکہ ہم
اس سے بری تھے۔

لَحَہ فکریہ:-

قارئینِ کرام! حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ اور تحریر اس وقت برسرِ
عام آئی جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مابین
ہونے والی جنگ سرورِ پیکہ تھی۔ اور حالت امن قائم ہو گئی تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ
نے امتِ مسلمہ کی بھلائی اور انہیں باہمی خلفشار سے بچانے کے لیے ایک عظیم کارنامہ انجام دیا۔
اس خط کے ذریعہ آپ مملکتِ اسلامیہ کے تمام بڑے بڑے شہروں کے حکمرانوں کے
ذریعہ پوری امتِ مسلمہ کو یہ بتلانا چاہتے تھے کہ میرے اور امیر معاویہ کے درمیان جو
جنگ ہوئی۔ وہ کفر و اسلام اور حق و باطل کی جنگ نہ تھی۔ ہم میں سے ہر ایک فریقِ صاحبِ
ایمان اور پختہ مسلمان تھا۔ نزدہ ہم سے ایمان و اسلام کی زیادتی کے دعوے دار اور نہ ہی ہم
اس بات کے مدعی تھے۔

اگر میں در اقمِ الحروف! حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اس تحریر کے بارے
میں اپنے دل کی بات کہوں۔ تو امید ہے کہ قارئینِ کرام اس کو ضرور سراہیں گے۔ اور
اس کی تائید بھی کریں گے۔ وہ یہ کہ اللہ رب العزت نے اس بابِ اعلم رضی اللہ عنہ کو

وہ بصیرت عطا فرمائی تھی۔ اور ایسا علم لدنی عطا فرمایا تھا۔ کہ جس کی وجہ سے آپ یہ جانتے تھے کہ ایک دور گئے گا۔ کہ کچھ نام نہاد مہمان علیؑ اپنی جھوٹی مہمت کی آڑے کر حضورِ خداہ امی و انبی کے صحابہ پر تنقید و تنقیص کا سوچیں گے۔ اور اپنے خبیث باطنی کی بنا پر وہ کفر و نفاق کے فتوے لگانے سے بھی نہ چوکیں گے۔ پھر اس پران کی ڈھٹائی قابلِ دیدنی یہ ہو گی کہ وہ یہ خلافات میرے حوالے سے بیان کریں گے۔ اور میری آل و اولاد کو اس میں استعمال کرنے کی مذموم کوشش کریں گے آپ نے وہ اتقوا بفراستہ المؤمن فانا ینظر بنور اللہ کے لطفِ ایزوی اور عطا ئے ربانی سے اسی وقت اس کو بھانپ کر صاف فرما دیا کہ اہل شام اور میرے درمیان جو لڑائی ہوئی۔ ہم میں اور ان میں ایمان و اسلام کا کوئی فرق نہیں۔ جیسا ان کا رب ایک ویسا ہی ہمارا بھی ایک ہے۔ جیسے وہ اللہ کی تصدیق اور اس کے رسول مقبول کی رسالت کی تصدیق کرتے ہیں۔ ہم ان سے اس میں زیادتی کے دعوے دار نہیں۔ اور جس اسلام کی دعوت وہ دیتے ہیں۔ ہم بھی اسی اسلام کے داعی ہیں۔ ہمارا اور ان کا معاملہ ایک ہی ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ اس قدر واضح ہیں۔ کہ انہیں پڑھیں کہ کوئی شخص بھی کہ جس کے دل میں تھوڑی سی بھی ایمان کی ریق ہو گی۔ وہ یہ ہرگز نہیں کہے گا۔ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے دیگر رفقاء معاف اللہ کا فرمایا منافق تھے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے ارشاد کے مطابق خود اقرار فرما رہے ہیں۔ کہ ایمان باللہ و تصدیق و دعوت اسلام میں ہم ان پر زیادتی کے علمبردار نہیں۔ تو معلوم ہوا۔ کہ نفسِ ایمان تصدیق میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں کوئی فرق مراتب نہیں۔ بل یہ ضرور ہے۔ کہ اعمالِ صالحہ کی رو سے حضرت علی رضی اللہ عنہ افضل و اعلیٰ ہیں۔ لیکن ایمان و تصدیق میں آپ امیر معاویہ سے زیادتی کے دعوے دار نہیں

اس عظیم ارشاد کے بعد اگر پھر بھی کوئی دیدہ و دیہی یہ کہے۔ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے دیگر رفقاء کے ناقص الایمان یا باطل بے ایمان تھے۔ (معاذ اللہ) تو پھر ایسے بد زبان سے یہ پوچھا جاسکتا ہے۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ایمان و تصدیق کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے؟ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے ایمان اور امیر معاویہ کے ایمان کو برابر قرار دے رہے ہیں۔ اور ان کی تصدیق کو اپنی تصدیق سے فروتر اور کم درجہ نہیں سمجھتے۔ جب تو امیر معاویہ کے بارے میں ناقص الایمان یا مفتود الایمان ہونے کا قائل اور معتقد ہے۔ تو اسی مساوات سے حضرت علی المرتضیٰ کو بھی یہی کہے گا۔ تیری محبت نے کیا کیا گل کھلائے۔ نہ محبوب کو بخشا اور نہ اس کے ساتھیوں کو معاف کیا۔ کیا یہ سب کچھ ترسے اپنے باطن کا حال ظاہر نہیں ہو رہا؟ ہاں یہ سچ ہے۔ منہ بدوائفہ ہو۔ تو ہر میٹھی چیز بھی کڑوی لگتی ہے۔ تو تشرامہ معطل ہو یا متعفن ہو۔ تو پھولوں کی ہنک بھی بدبو لگے گی۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے اور امیر معاویہ کے درمیان ایمان و تصدیق اور دعوت اسلام میں فرق نہ جانیں۔ اور ایک قتل عثمان کی غلط فہمی کو جنگ کا سبب قرار دیں۔ اور تو اس کو کفر و اسلام کی ٹکر کہے۔ بخدا! حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کے بارے میں باطل صاف تھے۔ اور انہیں مومن و مسلمان سمجھتے تھے۔ اور یہی حق ہے۔ اور اسی کی اتباع چاہیے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

جنگ صفین کے شرکاء کے بارے میں اہلسنت وجماعت

کا مسلک

نفسیر قرطبی :-

قَالَ الْحَارِثُ الْأَعْوَرُ سَمِعْتُ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي
طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَهُوَ الْقُدْوَةُ عَنْ قِتَالِ
أَهْلِ الْبَغْيِ مِنْ أَهْلِ الْجَمِيلِ وَصَلَّيْنِ أَمْشِرُكُونَ
مُمْبٍ قَالَ لَا مِنْ الشِّرْكِ فَزُورُوا فَيَقِيلُ أَمَّا فَيَقُولُ
قَالَ لَا لِأَنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَذْكُرُونَ
اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ، قِيلَ لَهُ فَمَا حَالُهُمْ قَالَ
إِخْوَانُنَا بَغَوْا عَلَيْنَا .

(۱) - تفسیر قرطبی ج ۱ ص ۳۲۲ سورۃ الحجرات

زیر آیت "انما المؤمنون اخوة"

مطبوعہ قاہرہ

(۲) - السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۱ ص ۱۷۳

کتاب قتال اهل البغی مطبوعہ

کوئٹہ

ترجمہ :- حارث اعور کہتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے جنگ
جمل اور جنگ صفین کے شرکاء کے بارے میں پوچھا گیا جنہوں نے ان کے
خلافت بنفادت کی۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان کے مقابلہ شوروں کے

کرتا دھرتا تھے۔ کیا وہ مشرک ہیں؟ فرمایا نہیں وہ تو شرک سے دور نکل بھاگ گئے ہیں۔ دینی شرک اب ان کے قریب پھٹک تک نہیں سکتا۔ کیونکہ وہ حلقہ گوش اسلام ہو چکے ہیں۔ (پھر پوچھا گیا اچھا تو وہ منافق ہوں گے۔ فرمایا ہرگز نہیں۔ کیونکہ منافقین تو اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں (اور دونوں جنگوں کے شرکاء کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے ہیں) پھر دریافت کیا گیا۔ پھر ان کی کیا حالت ہے۔؟ فرمایا۔ ہمارے ہی بھائی ہیں۔ جنہوں نے ہم سے بغاوت (زیادتی) کی۔

مجمع الزوائد:-

عَنْ يَزِيدَ بْنِ الْأَصْبَغِ قَالَ قَالَ
عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَتَلَنِي وَ قَتَلَنِي
مَعَاوِيَةَ فِي الْجَنَّةِ - رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ وَ يَجَالُهُ
وُثِّقُوا -

(مجمع الزوائد ومنع الفتاوى حافظ ابو بکر عثمینی)

جلد ۵ جز ۵ ص ۳۵۷ در باب

ما جاء في معاوية بن سفيان

مطبوعہ مصر

ترجمہ:- یزید بن اصم راوی نے کہا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان لڑائی میں قتال کرنے والے اور شہید ہونے والے تمام جنتی ہیں۔ اس روایت کو امام طبرانی نے ذکر کیا۔ اور اس کے تمام راویوں کو ثقہ کہا گیا۔

اہل سنت و جماعت کی کتب میں یوں تو بہت سی روایات اس موضوع پر موجود ہیں لیکن ہم نے بطور نمونہ جو دو روایات ذکر کیں۔ ان کے مفہوم کو آپ نے چھ لیلہ خاص کو مجمع الزوائد کی روایت کو جس کے راویوں کی ثقاہت بھی ساتھ ہی موجود ہے۔ ان دونوں روایات میں واضح طور پر یہ کہا گیا کہ خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اور ان کے تمام ساتھیوں کو جو جنگ صفین میں شریک تھے۔ اور ایک دوسرے کے ہاتھوں شہید ہوئے صاف صاف جنتی فرمایا تو ہماری ان روایات اور کتب شیعہ سے ذکر کردہ روایات کا منبع حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ دونوں طبقوں نے جو اس بارے میں روایات ذکر کیں۔ ان سے صاف صاف عیاں کہ اہل سنت و جماعت اور اہل تشیع دونوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے تمام نقباء و مومن اور جنتی ہیں۔ لہذا ان حضرات کے بارے میں زبان لعن طعن بڑا زبردست اور اصل انہیں تو ملعون و زبائے گالہ خود کہنے والا اپنی زبان سے اپنے اوپر لعن طعن کر رہا ہے۔ کیونکہ احادیث میں موجود ہے جو کسی ایسے شخص پر لعن طعن کرتا ہے جو اس کا مستحق نہیں۔ تو لعنت لوٹ کر اسی پر پڑتی ہے۔ جو لعنت کر رہا ہوتا ہے۔ خود کتب شیعہ اس مضمون کی تائید کرتی ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

قرب الاسناد۔

قَالَ (أَبُو عَبْدِ اللَّهِ) أَيُّ آتٍ اللَّعْنَةُ إِذَا
خَرَجْتَ مِنْ صَاحِبِهَا قَرَدَتْ بَيْنَهَا وَ
بَيْنَ الَّذِي يُلْعَنُ فَإِنْ وَجَدَتْ مَسَاعًا
وَلَا عَادَتْ إِلَى صَاحِبِهَا وَكَانَ

اَحَقُّ بِهَا فَاَحْذَرُوا اَنْ تَلْعَنُوْا مُؤْمِنًا
فَيَحِلَّ بِكُمْ۔

(۱۔ قرب الاسناد ص ۷ مطبوعہ

قبرن طبع جدید)

(۲۔ حلیۃ المتقین ص ۱۲۶ (دعایت

حقوق مومنان) طبع قدیم ایران)

ترجمہ:-

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی لعنت کرنے والا کسی پر لعنت کرتا ہے۔ تو وہ لعنت ان دونوں یعنی لعنت کرنے والے اور جس پر لعنت کی گئی کے درمیان پھرتی ہے۔ اگر اسے کوئی راستہ مل جائے۔ (اور ایسی وجہ لعنت کئے جانے والے میں پائے۔ جو لعنت کا سبب بن سکتی ہے) تو اس کی طرف چلی جاتی ہے۔ (اور اگر اس کی طرف کوئی راستہ نہ ملے۔ تو جس نے کہی۔ اسی پر پڑ جاتی ہے۔ اور وہی اس کا زیادہ حق دار بھی ہے۔ لہذا کسی مومن پر لعنت کرنے سے حد درجہ احتیاط برقرار رکھیں ایسا نہ ہو۔ کہ وہ لعنت خود تم پر آن پڑے۔

روایات بالا میں حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے فرمان کے مطابق یہ بات ظاہر ہے کہ آپ کسی مومن پر لعنت بھیجنے سے بڑی احتیاط کا حکم دے رہے ہیں۔ ورنہ وہ لعنت خود بھیجنے والے پر واقع ہو جائے گی۔ اب جبکہ کتب شیعہ اور کتب اہل سنت سے یہ بات بالاتفاق ثابت ہو چکی کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے رفقاء قلعی اور کچے مومن ہیں۔ اور ضعیفی ہیں۔

قرآن مجید میں حضرت پر زبان لمن و لمن دراز کرنا در فعل ملحون، نہیں تو اور

کیا ہے؟

ہذا ان لوگوں سے مجھے امید ہے جو اس قسم کی دوا ہی تباہی کہتے سنتے اور کہتے پڑھتے
 ہیں۔ بقول امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ باز آ جائیں گے۔ ورنہ ان کے اس طرز سے حضرت
 امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے رفقاء کا تو کچھ نہ گڑھے گا۔ بلکہ خود کہنے والا و ملعون،
 ہو گا۔ بھلے کی بات جہاں سے بھی ملے۔ لینی چاہیے۔ پھر جب ہمارے تمہارے
 سب کے محترم کہیں۔ اس سے اعراض ابدی ذلت کے سوا کچھ عطا نہ کرے گا۔

(وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ الْخَيْرَ مُطْمَئِنِّينَ)



طعن دوم

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کی وجہ سے

امیر معاویہ نص قطعی کے مطابق باغی ہیں۔

فتح القدیر:-

وَقَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِعَمَّارٍ
سَدَّ ثَقْلُكَ الْفِتْنَةُ الْبَاغِيَّةُ وَقَدْ قَتَلَهُ
اصْحَابُ مُعَاوِيَةَ يُصْرِحُ بِأَنَّهُمْ بَغَاءٌ.

(فتح القدیر شرح ہدایہ جلد ۷)

ص ۷۱ مطبوعہ مصر

ترجمہ: حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو فرمایا
عنقریب تمہیں باغیوں کا ایک گروہ قتل کرے گا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ حضرت
عمارؓ یا یاسر رضی اللہ عنہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر نے قتل کیا۔
اس سے صراحتہ ثابت ہو گیا کہ قاتلانِ عمار بن یاسر باغی ہیں۔

یہ بات بالاولیٰ سنت و جماعت کے ایک مسلم و محقق امام جناب ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ
نے اپنی ایسی کتاب میں اس کو ذکر کیا جس کا شہرہ مشرق و مغرب میں ہے اور فتح القدیر،
کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں دو ٹوک انداز میں اس بات کی صراحت ہے کہ حضرت
امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے تمام لشکری باغی ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی پیش گوئی انہی پر صادق آئی۔ لہذا حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے قتل کے جرم کی وجہ سے یہ حضرات باغی قرار پائے۔ اس لیے انہیں باغی قرار نہ دینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو جھٹلاتا ہے۔ اور اہل سنت کے ایک عظیم امام کے نقل کرنے کی بنا پر اس کو اور تقویت مل جاتی ہے۔

جواب :-

حدیث مذکور میں دو باتوں کا ذکر ہے۔ اولاً یہ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کار باغی ہیں۔ دوسری بات یہ کہ اس حدیث کی روشنی میں ان کی بغاوت بالصراحت ثابت ہو گئی۔ لیکن ان دونوں باتوں کے اندر مجموعی طور پر جس بات کو اچھا یا جا رہا ہے۔ وہ ان حضرات کا باغی ہونا ہے۔ ہم گزشتہ اوراق میں اس الزام بغاوت کا تفصیل سے جائزہ پیش کر چکے ہیں۔ اور بوجہ بغاوت ان حضرات کو اسلام سے خارج قرار دینے کی تفصیل بھی رقم کر چکے ہیں۔ جس کا اعادہ فضول ہے۔ وہی یہ بات کہ اس حدیث کی رو سے ثبوت بغاوت کا کیا جواب ہے۔ تو اس بارے میں گزارش یہ ہے کہ حدیث مذکور کہ جس کا ثبوت بغاوت میں سہارا دیا جا رہا ہے وہ حدیث قطعی متواتر یا مشہور و کجا بلکہ صحیح و بخیر واحد بھی نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کے روایت کرنے والوں میں ایک راوی محمد بن عبد الرحمن ہے اس راوی کے متعلق فقہ اسماء الرجال کی کتب میں بہت راجح عبرت کی گئی ہے۔ اور لہذا اب انک کہانگید ملاحظہ فرمائیں۔

تہذیب التہذیب :-

قَالَ ابْنُ دَاوُدَ سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ مَعِينٍ وَ
سُئِلَ عَنْهُ فَقَالَ أَحْسَنَ أَحْوَالِهِمْ عَوْدِي
أَنَّهُ قِيلَ لَهُ عِنْدَ مَوْتِهِ أَلَّا تَسْتَغْفِرَ اللَّهَ

تَعَالَى فَقَالَ أَلَا أَرْجُوا أَنْ يَغْفِرَ لِي وَهَدً
وَضَعْتُ فِي قَضِي عَزِي سَبْعِينَ حَرِيثًا
وَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَرِي الْمَدِينِي عَنْ
أَبِيهِ ضَعِيفُ الْحَدِيثِ وَذَهَبَ إِلَى أَنَّهُ
كَانَ يَقْضِي الْحَدِيثَ قَالَ وَرَمَيْتُ بِحَدِيثِهِ
وَضَعَفَهُ جَدًّا وَقَالَ ابْنُ
أَبِي حَاتِمٍ عَنْ أَبِيهِ ضَعِيفُ الْحَدِيثِ
كَانَ حَدِيثُهُ لَا أَصْلَ لَهُ وَقَالَ
مُرَّةٌ مَثَرُ وَلِ الْحَدِيثِ وَقَالَ
الذَّارِقُطْنِي ضَعِيفٌ كَذَّابٌ.

در تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۲۳۸

مطبوعہ بیروت طبع جدید

ترجمہ: ابو داؤد کہتے ہیں کہ جب یحییٰ بن معین سے "ومعلیٰ بن عبد الرحمن" کے
بارے میں پوچھا گیا تو میں اس وقت پاس بیٹھا کہ رہا تھا۔ انہوں نے فرمایا
کہ میرے نزدیک اس کی بہترین حالت کی ایک مثال یہ ہے کہ جب
بوقتِ مرگ سے کسی نے کہا: اللہ تعالیٰ سے معافی کیوں نہیں مانگتے؟
کہنے لگا: کیا میں اپنی مغفرت سے ناامید ہو جاؤں (یعنی مجھے مغفرت مانگنے
کی کوئی ضرورت نہیں) کیونکہ میں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی
نفیست کے متعلق ستر احادیث گھڑی ہیں۔ (اتنی بڑی نیکی ہوتے ہوئے
مجھے استغفار کی کیا پڑی ہے۔ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی من گھڑت
نفیستوں کا سہارا میری مغفرت کے لیے کافی ہے اگر معافی یوں کیا جائے

اور میں مغفرت کی امید بایں وجہ نہیں رکھتا۔ کہ میں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں ستر احادیث خود ساختہ اور من گھڑت لوگوں میں پھیلا دیں۔ اتنے بڑے جرم کے ہوتے ہوئے میری بخشش کیسے ہو سکتی ہے یا تو اس معنی کے طور پر بھی معلوم ہوا۔ کہ یہ شخص من گھڑت احادیث پیش کرنے والا ہے۔ حضرت عبداللہ بن علی المدنی اپنے والد گرامی سے نقل کر انہوں نے اس (مصلیٰ) کو در ضعیف الحدیث، کہا ہے۔

اور یہ بھی کہ یہ شخص احادیث خود گھڑتا تھا۔ اور فرمایا۔ کہ میں اس کی بیان کردہ حدیث کو چھوڑ دیتا ہوں۔

اور اس کی بہت زیادہ تضعیف کیا کرتے تھے۔

ابن ابی حاتم اپنے باپ سے راوی کو میرے باپ بھی اس کو تضعیف الحدیث، کہتے تھے۔ اور یہ بھی کہتے۔ کہ (مصلیٰ مذکور) کی روایت کی کوئی اصل نہیں ہوتی۔ اسی طرح درمرۃ، نے اسے درمترک الحدیث، کہا۔ اور امام دارقطنی نے در ضعیف اور کذاب، کہا ہے۔

قابل غور :-

ناظرین وقارئین کو ام آپ نے غور فرمایا ہو گا۔ کہ اس حدیث کے ایک راوی در مصلیٰ، نامی کے متعلق ناقدین احادیث نے کس قدر گرفت فرمائی۔ اور اسے ایسا شخص قرار دیا۔ جو خود حدیثیں گھڑ لیا کرتا تھا۔ اور پھر اس پر مزید یہ کہ اس شخص کو اس عمل پر اپنی نجات کا بے پناہ بہار تھا۔ دیا خود اپنی اس بُری حرکت پر اس قدر نالاں تھا۔ کہ اسے اسی وجہ سے اپنے بارے میں یقین تھا۔ کہ اللہ مآلی سے میری استغفار بھی اس جرم سے رہائی دے سکے گا۔ تو کیا بعید کہ روایت زیر بحث بھی اُن احادیث کی طرح اس کی

خود گھڑی ہوئی ہو جس طرح اس نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی نصیبت میں
سزا عادیث گھڑی تھیں۔

پھر محدثین کرام نے اس کو دو متر وک الحدیث، کذاب اور ناقابل اعتبار آدمی قرار
دیا علی روایت سے استدلال کسی طور درست نہیں ہو سکتا۔ اس قدر ناقابل اعتبار اور
من گھڑت حدیثیں بیان کرنے کے باوجود اگر کوئی شیخ یہ رٹ لگاتا رہے یہ راوی شاعر ہے اور انکی پیش
تلفظ ہے۔ تو کم از کم میں اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہوں کہ قطعی، اسے اس کی کیا مراد ہے؟
حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ خبر واحد صحیح بھی نہیں۔ بلکہ سرے سے ہے ہی گھڑی ہوئی
حدیث۔ تو جس کا نہ مرنے پاؤں اسے تم قابل استدلال گردانتے ہو۔

آؤ ہم تمہیں اس حدیث کے بارے میں مزید حقائق دکھائیں۔

امام جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور تصنیف، "نوالی المصنوعہ"
فی احادیث الموضوعۃ، میں اس حدیث کو مکمل سند کے ساتھ ذکر فرمایا۔ اور پھر
اس کی حیثیت پر گفتگو کرتے ہوئے فیصلہ کن چند باتیں تحریر فرمائیں۔ ملاحظہ ہوں۔

نوالی المصنوعہ۔

(الخطیب) أَخْبَرَنِي الْحَسَنُ بْنُ عَاصِمٍ عَنْ عَبْدِ
اللَّهِ الْمُقْرِئِ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ
بْنُ يُونُسَ عَنْ أَنبَاءَ مُحَمَّدَ بْنَ جَعْفَرِ الْمُطْبَرِئِيِّ
حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْمُؤَدِبِ
حَدَّثَنَا الْمُعَلَّى بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ حَدَّثَنَا
شَرِيكٌ عَنْ سَكِيمَانَ بْنِ مِهْرَانَ الْأَعْمَشِ
حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ عَنْ عَلْقَمَةَ وَالْأَسْوَدِ

قَالَا أَتَيْنَا أَبَا أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيَّ عِنْدَ مَنْصَرِفِهِ
 مِنْ صُغَيَيْنِ فَقُلْنَا لَهُ أَبَا أَيُّوبَ إِنَّ اللَّهَ أَكْرَمَكَ
 بِكَذَا وَكَذَا اشْتَرَجْتُ بِسَيِّفِكَ عَلَى عَاتِقِكَ
 تَضْرِبُ بِهِ أَهْلَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَقَالَ يَا
 هَذَا إِنَّ الرَّايِدَ لَا يَكْذِبُ أَهْلَهُ وَأَنْتَ
 رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرْنَا
 بِقِتَالِ ثَلَاثَةِ مَعَ عَلِيٍّ بِقِتَالِ الشَّاكِسِيِّينَ
 وَالْقَاسِطِيِّينَ وَالْمَارِثِيِّينَ فَأَمَّا الشَّاكِسِيُّونَ
 فَهَقْدُ قَاتَلْنَاهُمْ يَوْمَ الْجَمَلِ طُلْحَةَ وَ
 الزُّبَيْرَ وَأَمَّا الْقَاسِطِيُّونَ فَهَذَا مَنْصَرِفُنَا
 يَعْنِي مُعَاوِيَةَ وَعُمَرَ وَ أَمَّا الْمَارِثِيُّونَ فَهُمْ
 أَهْلُ الطَّرَفَاوَاتِ وَأَهْلُ الشَّعِيفَاتِ وَ
 التَّخِيلَاتِ وَأَهْلُ الثُّمَرِ وَأَنَايَ وَاللَّهُ مَا
 أَدْرِي أَيْنَ هُمْ وَلَكِنْ لَا بُدَّ مِنْ قِتَالِهِمْ
 إِنْ شَاءَ اللَّهُ وَسَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لِعِمَارٍ يَا عِمَارُ تَقْتُلُكَ الْفِتْنَةُ
 الْبَاغِيَّةُ وَأَنْتَ إِذْ ذَاكَ مَعَ الْحَقِّ وَالْحَقُّ
 مَعَكَ يَا عِمَارُ إِذَا رَأَيْتَ عَلِيًّا قَدْ سَلَكَ
 وَادِيًا وَسَلَكَ الْقَاسِ وَادِيًا غَيْرَهُ فَاسْلُكْ
 مَعَ عَلِيٍّ فَإِنَّهُ لَنْ يَدَّ لِيكَ فِي رِدِّي وَلَنْ
 يُخْرِجَكَ مِنْ هَدْيِي يَا عِمَارُ مَنْ تَقَلَّدَ سَيْفَنَا أَعَانَ بِهِ

عَلَىٰ عُدُوِّهِ قُلْدَهُ ۙ اللَّهُ تَوْمَ الْقِيَمَةِ يَكَاخِبُنِ
 مِنْ دُرٍّ وَمَنْ تَقْلَدَ سَيْفًا أَعَانَ بِهِ عُدُوًّا أَعْلَىٰ
 عَلَيْهِ قُلْدَهُ ۙ اللَّهُ تَوْمَ الْقِيَمَةِ وَشَاخِبُنِ
 مِنْ ثَارٍ قُلْدَالَهُ يَا هَذَا احْسُبْكَ يَرْحَمُكَ
 اللَّهُ حُسْبُكَ يَرْحَمُكَ اللَّهُ مَوْضُوعٌ وَ
 الْمَعْلَىٰ مَسْتَرْوُكٌ يَضَعُ وَ أَبُو آيُوبَ لَهُ
 يَشْهَدُ صَقِيْنِ۔

(کتاب لؤلؤ الی المصنوعہ فی الاحادیث)

الموضوعہ مطبوعہ ۱۳۲۱ھ جلد اول

ترجمہ۔ (بخلاف الاسناد) جناب ابراہیم حضرت علقمہ اور اسود علیہما الرحمۃ سے
 روایت کرتے ہیں کہ یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں۔ ہم حضرت ابویوب
 انصاری رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں اس وقت حاضر ہوئے۔ جب وہ جنگ
 صفین سے واپس تشریف لائے تھے۔ ہم نے عرض کی کہ ابویوب
 اللہ رب العزت نے آپ کو بہت سی باتوں سے نوازا۔ اور صاحب
 تعظیم و تکریم بنایا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تم غمراہ ٹھائے ان لوگوں کو قتل
 کرتے پھرتے ہو۔ جو لا الہ الا اللہ الخ پڑھتے والے ہیں؟ انہوں
 نے ہمیں جواب فرمایا۔ اے شخص ایسا رکھو۔ ہر اول دستہ کبھی اپنے لشکر سے
 غلط بیانی نہیں کرتا۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حضرت
 علی المرتضیٰ کی معیت میں تین اقسام کے گروہوں سے رٹنے کا حکم
 دیا ہوا ہے۔ اول ناکثین دوم قاتلین اور سوم مرتدین۔

جہاں تک اول گروہ سے رٹائی کا تعلق ہے۔ یعنی ناکثوں کو جنہوں نے

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت توڑ دی تھی، تو ہم جنگ جمل میں ان سے لڑ کر فرات پانچے۔ جن میں طلحہ اور زبیر (رضی اللہ عنہما) بھی تھے۔ اور دوسرا گروہ یعنی ماسطونہ کو حق سے ہٹ کر باختری راستہ پر چل پڑے (تو ہم بھی ان کے ساتھ لڑ کر واپس آ رہے ہیں۔ یعنی جنگ صفین سے کہ جس جنگ میں امیر معاویہ اور عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہما) بھی شامل تھے۔ اور تیسرا گروہ (یعنی مارقون کو جو مسلم اکثریت سے کٹ جائیں) ان لوگوں پر مشتمل ہو گا۔ جو طرقات، بیہفت، نینیات اور نہروانات کے باشندہ ہیں۔ خلائی قسم! میں نہیں جانتا۔ کہ وہ کہاں ہیں؟ لیکن انشاء اللہ ان سے ضرور لڑائی ہوگی۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عمار سے کہتے سنا۔ اے عمار! تجھے ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔ اور اس وقت تو حق پر ہو گا۔ اے عمار! اگر کسی وقت تو یہ دیکھے۔ کہ لوگ حضرت علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) کے خلاف دوسرے راستہ پر چل رہے ہوں۔ اور حضرت علی کا راستہ اور ہو۔ تو تمہیں حضرت علی کے راستہ پر چلنا ضروری ہو گا۔ کیونکہ وہ یقیناً تجھے کسی تباہی میں زد حکیلیں گے۔ اور نہ ہی غلط راستہ پر ڈالیں گے۔ اے عمار! جس نے تلوار اٹھائی اور اس سے حضرت علی کی حمایت کی۔ اور ان کے دشمنوں کے خلاف لڑا۔ تو ایسے آدمی کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن موتیوں کے جڑاؤ والے دو ہار پہنائے گا۔ اور میں نے تلوار اس لیے اٹھائی۔ کہ وہ اس سے حضرت علی اور ان کے ساتھیوں کے مقابلہ میں ان کے دشمنوں کی مدد کرے۔ اُسے اللہ تعالیٰ بروز قیامت آگ کے لٹکوں کے دو ہار پہنائے گا۔ (جب حضرت ابویوب نے جناب طلحہ اور زبیر

سے یہ گفتگو کی۔ تو ان دونوں نے کہا۔ ابوالیوب! بس کیجئے۔ ٹھہر جائیے۔
آٹا ہی کافی ہے۔ اللہ آپ پر رحم کرے۔

علامہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ اتنا واقعہ ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: یہ سب من گھڑت روایت ہے۔ کیونکہ اس روایت کی سند میں ایک دو المعلیٰ، نامی راوی ایسا ہے جس کی روایت کو متروک کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ اپنی طرف سے حدیثیں گھڑتا تھا۔ اور دوسری بات یہ کہ حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ دوسرے سے جنگ صفین میں شریک ہی نہ تھے۔ (جو اس روایت کے مرکزی کردار ہیں)

حاصل کلام :-

حدیث خواہ کتنی ہی شہرت یافتہ ہو۔ مگر اس کی صحت اور عدم صحت کے بہت سے اسباب مقرر ہیں۔ ان میں سے ایک سبب یہ بھی ہوتا ہے۔ کہ جس سند کے ساتھ اسے روایت کیا گیا اس کے تمام افراد غیر مجروح ہونے چاہئیں۔ امام ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے در فتح القدیر، میں مذکورہ روایت ضرور ذکر کی۔ لیکن اس کی سند ذکر نہ کی۔ اور علامہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو بالتفصیل اور وہ بھی سند کے ساتھ ذکر فرمایا جیسا کہ در نواری المصنوعہ،
ذکر کرنے کے بعد اس میں دو طرح کی مرجح کی۔

۱۔ یہ کہ اس حدیث کی سند میں دو المعلیٰ بن عبد الرحمن، ایک ایسا راوی ہے۔ جو خود احادیث گھڑتا تھا۔ لہذا اسی بنا پر امام السیوطی نے اس حدیث کو رد موضوع کہا۔ پھر یہ وہی راوی ہے۔ کہ جس کے متعلق علامہ ابن حجر عسقلانی نے کہا۔ کہ یہ کذاب ہے۔ اور بوقت مرگ خود اقرار کرتا ہے۔ کہ میں نے صرف حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں ستر احادیث خود گھڑ کر بیان کیں۔ ناظرین کرام! اب

خود فیصلہ کریں کہ جس حدیث کی سند میں ایسا راوی ہو۔ اسے کون قبول کرے گا۔
اور ایسی حدیث کب اس قابل ہے کہ اسے بطور حجت و دلیل پیش کیا جائے۔

۲۔ حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ کہ نہیں اس حدیث کا اصل راوی قرار دیا
جا رہا ہے۔ وہ سرے سے جنگ صفین میں شریک ہی نہ تھے۔ تو بغیر شرکت کئے
واپسی کا کیا معنی؟ لہذا انہیں جنگ صفین میں شریک بنا کر پھر ان کی واپسی دکھا کر
اور اس کے بعد ان سے یہ حدیث بنا کر ذکر کرنا ایک طرح نہیں کئی طرح جھوٹوں
کا پلندہ ہے۔

ان دو طرح کی جرح ذکر کرنے کے بعد علامہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت سے فیصلہ
صادر فرمایا۔ اور کہا۔ یہ حدیث ”موضوع“ ہے۔ یعنی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا
ارشاد گرامی نہیں۔ بلکہ ”معلی بن عبد الرحمن“ کی ساخت ہے۔ جو کذب بیانی سے کام لے کر
اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کہہ رہا ہے

ملحہ فکریہ:-

حضرات قارئین! مذکورہ طعن کی مفصل تردید آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔ جس سے یہ
بات اظہر من الشمس ہو گئی۔ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو
اظہار باہمی، سے دھوکہ و فریب دیا جاتا ہے۔ یعنی اس کی وجہ سے وہ دائرہ اسلام سے
خارج ہو گئے۔ اور ان کا امت مسلمہ سے کوئی حقیقی باقی نہ تھا۔ بلکہ وہ کافر اور مشرک ہو گئے۔
(معاذ اللہ) یہ سب عیاری اور مکاری ہے۔ اور درجہ فریب کا ایک شاخسانہ ہے۔
بر خلاف اس کے حقیقت حال یوں ہے۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ
رضی اللہ عنہ اسلام میں باہم ایک دوسرے کے حامی و ناصر تھے۔ اور اس معاملہ میں خود
کو کوئی بھی فوقیت دینے کو تیار نہ تھا۔ صرف ایک اجتہاد کی غلطی مینی خون عثمان غنی

کے معاملہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ کے درمیان جنگ تک لڑتے
پہنچ گئی۔ اسی کی نشاندہی مندرجہ ذیل عبارت بھی کرتی ہے۔

البدایۃ والنہایۃ :-

فَقَمَّارَانِي مَلِكُ الرُّومِ اشْتَعَلَ مُعَاوِيَةَ
يَحْكُمُ عَلَيَّ تَدَانِي إِلَى الْخِمْرِ بَعْضُ
الْبَلَدِ فِي جُنُودٍ عَظِيمَةٍ وَطَمَعَ فِيهِ
فَكَتَبَ مُعَاوِيَةُ إِلَيْهِ وَاللَّهُ لَسِثْنُ لَمْ
تَنْتَهَ وَتَرْجِعْ إِلَى بِلَادِكَ يَا عَيْنِ
لَا صُطْلَحَنَ أَنَا وَابْنُ عَتَّى عَلَيْكَ وَ
لَا خُيْرَ جَنَّتِكَ مِنْ جَمِيعِ
بِلَادِكَ وَلَا صَيَقْنِ عَلَيْكَ الْأَرْضَ
يَمَارَ حَبَّتُ فَعِنْدَ ذَلِكَ خَافَ مَلِكُ
الرُّومِ وَاسْتَكْفَرَ

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۱ صفحہ نمبر ۱۱۹)

سن ستین من الهجرة ملبور ویروت

ترجمہ :- جب رومی بادشاہ نے یہ دیکھا کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ حضرت علی المرتضیٰ
رضی اللہ عنہ سے برسرِ پیکار میں۔ تو اسی نے بہت بڑے جتنوں کے ذریعہ
بہت سے قریبی شہروں کے نزدیک پٹاؤ ڈال لیا۔ اور کچھ امیدیں وابستہ
کیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب اس شرارت کا علم ہوا۔ تو
کھڑے بھاگے۔ خدا کی قسم! اگر تو باز نہ آیا۔ اور اپنے علاقہ میں واپس نہ گیا۔ تو

اسے نصیحتی! اچھی طرح جان لو کہ میں اور میرے چچا کے بیٹے حضرت علی و دونوں باہم صلح کر کے تمہاری شامت لے لیں گے۔ اور تمام شہروں سے تجھے باہر نکال بیٹھکیں گے۔ اور زمین اگر چہ اللہ نے بہت وسیع پیدا کی لیکن میں اس کو تم پر تنگ کر دوں گا۔ اس تحریر کے ملنے اور پڑھنے کے بعد رومی بادشاہ ڈرا۔ اور دم و بار بھاگ گیا۔

جیسا کہ سبھی جانتے ہیں۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کسی طور پر بھائی تھے۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے چچے کے بیٹے تھے۔ اسی طرح وہ اس اخوت اور بھائی چارہ میں بھی فسلک تھے۔ جسے اسلام نے قائم کیا۔ روایت مذکور اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ کیونکہ خونِ عثمان غنی کے معاملہ میں خود کو حق پر سمجھتے ہوئے اگرچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی المرتضیٰ سے حالتِ جنگ میں تھے۔ لیکن اس دُکھ اور انتہائی صدمہ کے باوجود وہ یہ ہرگز برداشت نہ کر سکے۔ کہ ہمارے باہمی اختلاف سے کوئی غیر مسلم ناجائز فائدہ اٹھانے کی فکر کرے۔ اور جب رومی بادشاہ کے بارے میں پتہ چلا کہ وہ ہمارے اس اختلاف کی وجہ سے کچھ فاحشانہ اور جابرانہ ارادے رکھتے ہوئے فوجی جموں کو مسلم شہروں کے قریب لاکھڑا کر رہا ہے۔ تو اس دینی اخوت سے سردار حضرت امیر معاویہ نے صاف صاف لکھ بھیجا۔ کہ ہماری باہم صلح کوئی ناممکن نہیں۔ بلکہ میں اپنے تمام مطالبات چھوڑ کر حضرت علی سے صلح کر کے تمہاری اینٹ سے اینٹ بنادوں گا۔ بہتر ہے۔ کہ تم اپنے ارادے دل میں ہی لے کر واپس پلٹ جاؤ۔ ورنہ دنیا دیکھے گی۔ کہ تمہاری کیا درگت بنتی ہے۔

آخری گزارش:

اہل انصاف ہماری ان گزارشات اور اس سے سابقہ تحریرات سے اس امر کو بخوبی جان چکے ہوں گے۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

کے مابین کوئی کفر و ایمان کی جنگ نہ تھی۔ اور نہ ہی یہ دونوں ایک دوسرے کو کافر و مشرک کہنے پر تیار تھے۔ بلکہ ایمان و اسلام میں اپنے کو دوسرے پر فوقیت بھی نہ دیتے تھے۔ ہر ایک خدا کے ماننے والے اور ایک ہی رسول کے نام پر اور ایک ہی دین کے داعی تھے۔ ان تمام امور کی تصریحات کے بعد اگر کوئی زبان درازی کا یوں مظاہر کرے۔ کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی المرتضیٰ کے دشمن تھے۔ تو یہ حقائق و شواہد کی تکذیب نہیں تو پھر کیا ہے۔؟ ہاں جو مجسم دین و حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا خون گرانے سے نہ چو کے۔ نہ انہیں غیرت و شرم آئی۔ وہ اگر دین کا خون بہادیں۔ تو کیا تعجب؟

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے درمیان اگر وجہ اختلاف کوئی امر بنا۔ تو وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کا معاملہ تھا۔ جس کی تفصیل آپ گذشتہ اوراق میں ملاحظہ فرما چکے۔ حالانکہ حضرت علی المرتضیٰ نے اپنے بارے میں یہ بھی صاف صاف فرمایا۔ کہ اس میں میرا قطعاً ہاتھ نہیں۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

ماخذ و مراجع (شیعه کتب) برائے تحفہ جعفریہ جلد سوم

نام کتب	تصنیف	طبع
فہرست کتب شیعه :-		
ترجمہ مقبول	مقبول احمد شیعہ	اسلام پورہ لاہور
تفسیر منہج الصادقین	طہ فتح علی کاشانی	تہران
تفسیر صافی	محمد بن رتضیہ المود فیض کاشانی	طبع جدید
تفسیر مجمع البیان	ابو علی فضل بن حسن طبرسی	"
تفسیر قمی	ابو الحسن علی بن ابراہیم قمی	طبع جدید
تفسیر لوامع التذلل	سید علی حسینی رضوی لاہوری	لاہور
تفسیر امام حسن عسکری	امام حسن عسکری	"
کتب حدیث		
اصول کافی	محمد بن یعقوب کلینی رازی	تہران
فروع کافی	"	"
من لا یحضرہ الفقیہ	ابو جعفر شیخ محمد بن علی صدوق	"
الاستبصار	شیخ الطائفہ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی	"
تہذیب الاحکام	"	"
علل الشرائع	شیخ صدوق	بیروت
منہج البلاغہ	سید ابو الحسن شریعت محمد رضی	"
قرب الاسناد	ابو العباس عبد اللہ بن جعفر حمیری قمی	تہران
کتاب خصال شیخ صدوق	شیخ محمد بن علی صدوق	"
بحار الانوار	علامہ باقر مجلسی	"

نام کتاب	تصنیف	طبع
ابن ميثم شرح منجى البلاء	كمال الدين ميثم بن علي بن ميثم	تهران طبع قديم
نيزك الله تحت ترجمه	ذاكر حسين	دلی
دره نجفیه شرح منجى البلاء	شيخ ابراهيم بن حاجي حسين	تهران
ابن ابی حداد	الوالی محمد عبد الحمید	بروت طبع جدید
حصانی شرح اصول کافی	طال خلیل فردوسی	نول کشور قديم
فیض الاسلام شرح منجى البلاء	حاجی سید علی نقی المعروف فیض الاسلام	تهران طبع جدید
مرآة العقول شرح اصول کافی	طال باقر مجلسی	
کتاب ساجال شیعہ		
رجال کشی	محمد بن عمر کشی	کر بلا (اعلی)
تقی المقال فی علم الرجال	شیخ عبد الله باحقانی	تهران طبع جدید
جامع الرواة	محمد بن اردبیلی	قم
رجال العلامة الخلی		
شیعہ کتب تاریخ و حالات آئمہ		
روضۃ الصفا	محمد بن خاوند شاه	لکهنو طبع قديم
فرق الشیعہ	ابو محمد بن موسی نو بجنتی	نجف طبع جدید
تاریخ التواریخ	لسان الملك مرزا محمد تقی سپهر	تهران
انوار نعمانیہ	سید نعمت الله جزائری	"
احتجاج طبرسی	شیخ ابو منصور احمد بن علی طبرسی	نجف قديم و جدید
جامع الاخبار	ابو جعفر محمد علی بن حسین صدوق	تهران طبع جدید
حیات القلوب	طال باقر مجلسی	لکهنو طبع قديم
ارشاد شیخ مفید	محمد بن محمد بن نعمان	قم طبع جدید
مجالس المؤمنین	سید نور الله شوشتری	برنیہ
احقاق الحق		"

نام کتاب	تصنیف	طبع
كشف الغم في معرفة الأئمة	ابو الحسن علی بن عیسی	تبریز طبع جدید
حمد حیدری	مرزا محمد رفیع مشهدی	تهران -
تاریخ آئمه	سید علی حیدر نقوی	لاهور
جلاء العیون	طال باقر مجلسی	تهران طبع جدید
تهذیب البین قی تاریخ ایرامون	سید مظفر حسین سہارنپوری	دہلی -
مناب آل ابی طالب	محمد بن علی بن شہر آشوب	قم -
منشی الآمال	شیخ عباس قمی	تهران -
مروج الذهب	ابو الحسن علی بن حسین مسعودی	بیروت -
ذبح عظیم	سید اولاد حیدر باگرامی	لاهور -
الاجار الطوال	احمد بن داؤد دینوری	بیروت -
مختص الزاریخ	حاجی محمد ہاشم بن محمد علی خراسانی	تهران -
التبیه والاشراف	ابو الحسن علی بن حسین مسعودی	مصر -
الآمالی والمجالس	ابو جعفر محمد بن حسن شیخ طوسی	قم -
معانی الاخبار	ابو جعفر محمد بن علی شیخ صدوق	بیروت -
ارشاد القلوب	شیخ ابی محمد حسین دہلی	-
امالی شیخ صدوق	محمد بن علی شیخ صدوق	قم طبع قدیم
حلیۃ الارباب	سید ہاشم حسین	قم طبع جدید
تاریخ یعقوبی	احمد بن ابی یعقوب	بیروت -
عمدة المطالب	سید جمال الدین احمد بن حسن	نجف -
کتاب نسب قریش	سید مظفر حسین	نوکلشوط طبع قدیم
تختہ العوام	شیخ عباس قمی	تهران طبع جدید
اکفی والاعقاب		
جامع الاخبار	ابو علی فضل بن حسن طبرسی	بیروت -
اعلام الوری	محمد بن علی شیخ صدوق	تهران -
یعون اخبار الرضا		

شاہ الحدیث محمد علی نقشبندی

کی قابل مطالعہ تصنیفات



مکتبہ نورانیہ حسنینیہ

جامعہ رسولیہ شیرازیہ بلال گنج لاہور

0344-4203415, 0300-4798782